

**PAGES MISSING
WITHIN THE
BOOK ONLY**

**TEXT CUT WITHIN
THE BOOK ONLY**

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224249

UNIVERSAL
LIBRARY

محرف

مبائر آذر ۳۳ فصلی ج ۶

انجمن معارف حیدرآباد و کن کا ماہوار رسالہ

علمی اخلاقی، تمدنی، تاریخی ادبی

مذاق و معلومات کو پھیلانے اور اپنا سہ اول کو قسم کم کر ترقی نہیں دینے کیلئے نتائج پر آمادہ

محمد اکبر علی

فہرست مضامین

۱۔ صحیفہ کی مجلسی سالگرہ۔ محمد مرتضیٰ ۵ رباعی دغزل کیفی

۱. حیدرآبادی ۲۴

۱۔ نظم غیر مقفی۔ عند لیب ۲۔ اردو شاعری اور اخلاقی مضامین

حیدر آبادی۔ ۱۱۳ لکھ حیدر آبادی ۲۵

۳۔ رباعیات ۱۷، اصلاح اردو ادب ۲۹

۳۔ ولی ناگور۔ مجھم تھے ۸۔ قلمروا صفی کی دولت۔ ۱۰۔

۱۸

اصحفہ پریس، واقع ہرون دھانڑہ چاند گھاٹ، حیدرآباد دکن میں چھپا اور شائع ہوا۔



بارڈی اینڈ کمپنی

بیتقر شاہی ہنر ہائینس حضور نظام جی سی۔ بی جی سی ایس آئی

ماہران فن بصارت و عینک ساز پاس شدہ لندن بیتقر شاہی ہنر ہائینس حضور نظام جی سی بی جی ایس آئی لیلیم ڈائٹن جیکسٹیم پاس شدہ لندن و انریری اپینا ملک سرجن مول پائیل سکندریا اوقات فیض صبح کے آٹھ بجے سے گیارہ تک اور شام کے چار بجے سے پانچ تک کل امرات چتر مشلا موتیا سوز شدہ۔ در در قرعہ۔ پانی ہینا۔ چکا چندی وغیرہ کی تشخیص اور علاج کیا جاتا ہے جسم کی آباد کے کا علم اور ناواقف لوگوں کو امریکہ اور دیگر یورپ میں مالک کے مسودہ پارلیامنٹ جو آزمائش نظر کے متعلق ہے آگاہ کرنا چاہتے ہیں۔ جو عینک فروش مارکر وں عینک ساز وں و مصنوعی حکیموں کیلئے ضابطہ قانون ہوا ہے جو امرات و بیقا عدگی سے خود کو سنٹیفک عینک ساز مشہور کر رکھے ہیں چنانکہ ان کا علم فن بصارت کے متعلق فضل گنج کے جھگہ بانگنے والے سے زیادہ نہیں ہے۔

۱۱، اگر تم مارکر وں عینک خریدو گے اور وہ تمہاری آنکھوں کا امتحان نہیں کرتا ہے تو تم کو ضرور ہواگا کہ عینک خود دیکھ کر جن امرات میں اگر اتفاقاً تمہاری بصارت جانی رہی تو ہوا دنگور اندر روئے قانون فوجداری و دیوانی ملزم ٹھہر سکتا ہے کیونکہ خود تم نے بازاری کے شل چاول دنگر کے عینک خرید کیا ہے غ خود کردہ راعلا ہے نیت۔

۲۱، اگر تم کسی ایسے مصنوعی عینک ساز سے جو اپنے کو سنٹیفک عینک ساز کہتا ہے حالانکہ اُس کا علم بصارت کے متعلق تمہارے باورچی سے زیادہ نہیں ہے عینک خریدو گے اور اسی طرح جہن کے متروک چارم درجہ کے میل جن کے مرکزوں کے احتمال کرنے سے تمہاری بصارت و نقصان پہونچے مذکور مصنوعی عینک ساز جو میدان میں بھرے پڑے ہیں، بصارت کو خراب

جرم بھارتی نادان سزا کے لائق ہے اور اندر روئے قانون فوجداری امریکہ و دیگر مہذب ممالک میں بھی ہے کیونکہ مسودہ قانون آزمائش نظر کی روئے اُس جرم مانہ و قید کی سزا مقرر کر کے لوگوں کی

Checked 1968

بسم اللہ الرحمن الرحیم CHECKED 1951

Checked 1969

checked 1973

نمبر صحیفہ جلد

صحیفہ کی چھٹی سالگرہ

صحیفہ کے ایڈیٹر معاویہ و مضمون نگار جناب مولوی محمد ترمغنی صاحب (مولوی فاضل) نے صحیفہ کی گزشتہ زندگی پر جس عنوان سے نظر ڈالی ہے وہ ناظرین و معادین صحیفہ کے غور و توجہ کی حق ہے۔ ہم مولوی صاحب موصوف کے خاص طور پر شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انھوں نے ہمارے سالانہ فرض کو نہ صرف خوش ہلوی سے پورا کیا۔ بلکہ ایسی ضروری اور اہم باتیں بھی بیان کی ہیں۔ کہ اگر ابتداء ملک اُن کو کان دھر کے سنیں گے تو صحیفہ اپنے مقاصد میں ایک قدم اور آگے بڑھ جائیگا۔ اور جس ترقی کے لئے ہم اپنے آپ کو فنا کر رہے ہیں۔ اُس کا شاہجواز نقش صاف دکھائی دینا لگے گا۔ مولوی صاحب موصوف کے مضمون میں جو کمی رہ گئی تھی۔ اُس کو ہم نے پورا کر دیا ہے فقط اڈیٹر

صحیفہ کی سالگرہ کے موقع پر جبکہ سب سمول اس کی سالانہ رپورٹ سنائی جاتی ہے۔ لویا چٹی کی مناسبت سے ہماری نظر ہر سال پیشتر اس موقع پر جاتی ہے جبکہ صحیفہ کے نشاۃ ثانیہ پر ہم نے اس کا نہایت خوش آئند خیر مقدم ادا کیا تھا۔ جو دلربا آئند

اس غیر مقدم میں ظاہر کی گئی تھیں وہ کہاں تک پوری ہوئیں؟ یہی سوال ہے جس پر ظلم اٹھانا اس وقت ہنرمند رہی سمجھا ہے۔

پیارے حیدر آباد سے سچی محبت اور زقا زما نہ سے پوری وقفیت رکھنے والے۔ درد مند دل۔ حیدر آباد جیسے پریشان و شوکت مرکز تمدن میں علمی تازگی پیدا کرنے کے لئے کم از کم ایک علمی مخزن کی اشاعت کی دھرت اور بے تابی سے معمور جذبات قلبی کے ساتھ آرزو کر رہے تھے جو صحیفہ کی نئی زندگی سے متاثر ہو کر مسرت و انبساط کے لہجہ میں اس طرح صلا عام دینے لگے اُسے پیارے حیدر آباد اب بفضل خدا امید ہے کہ اس نئے رسالے سے تیری بابرکت اور قدرت کی فیاضی سے مالا مال سرزمین میں۔ ایسے ہی عظیم انسان تاریخی نتائج پیدا ہوں گے جیسے کہ فرنگستانی ممالک ہیں ان کی دائمی شہرت حاصل کئے ہوئے طویل العمر رسالوں سے ظہور میں آ رہی ہیں حیدر آباد اور فرنگستانی نامور شہروں کا یہ بوجز فرق بیان کر کے کہ جو حیدر آباد میں بستے ہیں اُس سے غافل ہیں۔ اور جو اُن میں بستے ہیں اُن سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔ بتایا گیا تھا کہ ”صحیفہ تیرے بنے والوں کو اس خواب غفلت سے جگا کرے گا وہ بتایا گیا کہ ان کے کیا فرائض ہیں؟ اور اگر وہ اپنی زندگی چلتے ہیں تو ان کی کیا کرنا ضرور ہے؟“

صحیفہ کی ذاتی ترقی

ابھی ان خوشنما امیدوں کو صحیفہ کے دامن میں پھیلے ہوئے ایک جینے کا عرصہ بھی نہ گزرا تھا کہ اُس زبردست مشیت ایزدی نے جو اس ناشائستہ عالم میں انسان کی امید اور اس کے نتیجہ میں فرق ڈال دینے کا باعث ہے۔ صحیفہ کی زندگی کے ساتھ ہی اس فدا ی قوم و ملک سیما نفس ملا کا چراغ حیات ہی گل کر دیا جس کے خوشنما زریں کارناموں میں صحیفہ کی نئی زندگی سب سے اخیر نقش تھا اور نئے صحیفہ کے پہلے پرچہ میں ہی قلام حرم کا آخری نقش تحریر ”بنیاد بنو“ یا دگار رہ گیا جس نے ہلک کی نگاہ

(موافق یا مخالف) خود بخود اپنی طرف پہنچ لی تھی۔ اس فدا کے قوم و ملک کا سایہ صحیفہ پر سے اُٹھ جانے کے بعد جس کے زیر سایہ عاطفت اس کے پھلنے پھولنے کی امیدیں تھیں۔ اگرچہ نظام اس کا چلنا محال معلوم ہوتا تھا۔ لیکن وہی شہیت ایزد کو جو ظاہر اسباب اور نتیجہ میں بین فرق پیدا کر دیتی ہے اس کے برقرار رکھنے کے لئے حکم دے چکی تھی۔ اور اس کے اسباب بھی پیدا کر دیئے تھے۔

وہ فوجوں و دل جنہوں نے عمیق مطالعہ کے بعد استقلال کا نہ ہونے والا سبق۔ مددِ فطرت سے حاصل کیا ہے کام کرنے سے ورا نہ چھکے۔ بے کسی۔ بے سر و سامانی۔ پریشانی۔ روزگار سی۔ ان کے بہت کے قدم اور آگے بڑھا رہی تھی جس کی بدولت بفضلِ خدا آج ہم اس کی چھٹی سا لگرہ کی خوشی منا رہے ہیں۔ اس چار سال کے متدبرِ مدہ میں مشکلوں اور دقتوں کے جو جو غارتخانہ اس کے راستہ میں حائل ہوتے گئے اور خدا قادرِ قدیر جل جلالہ و عظمیٰ کے فضلِ کرم کی بدولت جس میں طریقہ صحیفہ کو اُن سے اپنا واسطہ بنانے کی توفیق عطا ہوئی اس کی داستان ہر سا لگرہ کے موقع پر مختصر آسانی جاتی رہی ہے۔ کسی سرپرست و مربی کا نہ ہونا۔ مالی مشکلات کا پیش آنا۔ اور پھر اُن میں نقصانات اور خساروں کا واقع ہونا۔ رقم خیزہ کا چوری جانا۔ تاریخی طغیانی و دوسری کے ساتھ صحیفہ پر پریس کا تباہ و برباد ہونا۔ انتظامِ طبع و نشر میں دقتیں پڑنا۔ اشتیاقِ نفس کا مدد و مزہ جانا۔ ان سب حملہ آوروں سے جس جس طریقہ پر اس نے مقابلہ کیا۔ وہ بلا تھک و شبہ اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ اس کے چلانے والا اگر سب نہیں تو کم از کم مولوی اکبر علی صاحب اور ان کے جہم و ہم فو اشل مولوی عبد الباقی صاحب، ایسے اشخاص ہیں جو آب و ہوا کی حیرت آبا و کی ضربِ اشل مردگی میں غیر مولوی طبیعت کے ساتھ پیدا کئے گئے ہیں۔

لہٰذا اس خصوص میں میرا ذکر مناسب نہیں کیونکہ میں نے کام ہی کیا کیا۔ صحیفہ کو انہیں معارفِ جلالی رہی۔ اگر میں نے کوئی کام کیا بھی تو وہ ذاتی غرض اور مالی نفع سے خالی کب تھا؟ البتہ مولوی عبد الباقی صاحب کا نام اور ان کی کوششیں یادگار رہیں گی ۱۲ اڈیسٹر

غرض صحیفہ کے چلانے والوں کے غیر معمولی بہت و استقلال نے نہ صرف اس کو مہینے سے بچا دیا بلکہ اس کو اس حد تک ترقی دی جو لحاظ ان مشکلات اور وقتوں کے کچھ کم قابلِ تحسین نہیں ہے۔

اگرچہ اب اس کا وہ کاغذ اور وہ تقطیع نہ رہی جو دوسرے سال بھی مگر اس کا معاوضہ اس کے کثیر حجم نے کر دیا جو اب تک موجود ہے۔

مستقل کتاب کا علیحدہ جزو شریک کیا گیا جس کے ذریعہ ”معجزہ حجت“ اور قلمِ دہلی کی دولت“ لٹریچر دنیا میں پیش کی جاسکیں۔ صحیفہ پریس قائم کیا گیا۔ اور سطح ہندوستان کے مشہور علمی رسائل و جرائد اس کی حیثیت میں حیث اکل کم نہیں کہی جاسکتی

تاریخی جنس لٹریچر

صحیفہ کے ساتھ بندھی ہوئی امیدوں کا پہلا بخیر یہ تھا کہ: ”دکن ایتیری“ مسان شگستانی زمیں میں کیے کیے انمول جواہر ہیں اور تیری صاف فصفا میں کیسے کیسے نایاب پھول کھلتے ہیں؟ صحیفہ انہی انمول جواہر کا مار اور انہی نایاب پھول کا گدہ بنانے والا ہو گا۔ اس امید میں صحیفہ نے مقدمہ کامیابی حاصل کی جو ہرگز نہ ہو سکتا بلکہ کل دکن کی بغرائی اور تاریخی حقیقتات بہت کچھ صحیفہ کے اوراق کے ذریعہ لٹریچر دنیا میں روشناس ہو چکی ہے جو اس سے پہلے کبھی کسی زبان میں قلم بند نہیں ہوئی تھی بلکہ بالآخر خود ستانی ”سوانح ہندوستان پر مسلمانوں کے وطن“ کا سلسلہ لٹریچر دنیا میں جدید اور بہیم بالشان اضافہ ہے۔ مولوی محمد مظہر صاحب کا مضمون ”اورنگ آباد“ اس سلسلہ کا سب سے پہلا وادیہ نقش تھا جس نے خاطر خواہ کامیابی اپنے اصل منشا کے لحاظ سے حاصل کی اور عوامیہ خیال مضمون نگاروں کو پیدا ہو گیا کہ قلم و آصغیہ کے ہر قسم کے تاریخی اسرار نہانی پیاب کے روبرو دلائے جائیں جو صحیفہ کا منشا و اولین تھا۔ مولوی سید جلال صاحب کا مضمون ”مصلحت دکن“

جو صحیفہ کی زندگی کے بیشتر لکھا جا چکا تھا صحیفہ کے جی ذریعہ سے شائع کیا۔
وزنگل کی ہزار کم کی دیول وغیرہ کے متعلق بائغ صاحب کا مضمون دو آثار تہذیبی
نہایت نظر میں صاحبِ عبرت کی تحریرات کچھ کم قابلِ تعریف نہیں ہیں۔ اگرچہ
اس کا انوس ہے کہ ان ہزارگوں نے مسلسل توجہ اس بارہ میں مبذول نہیں
رکھی جس کا صحیفہ ان سے درود کے ساتھ شکوہ کرتا ہے۔

بیدار کے متعلق اوٹا مولوی محمد مصطفیٰ صاحب نے مختصر مضمون قلمبند کیا۔
اب اسکے بعد عندیاب صاحب کا بیض مضمون چھپ رہا ہے۔ جو امید ہے کہ اسی
طرح قابلِ تعریف ثابت ہوگا۔ امرا باد کے متعلق مولوی موید الدین صاحب
تحصیلدار کا مضمون گویا نہایت نگاہوں میں ایک خوشنما نہایت گاہ کو روشن
کر رہا ہے۔ مولوی محمد مظہر صاحب کی کتاب فکروالافتیاء کی دولت اس سلسلہ
میں اب عام طور سے ایک بہت بڑی کمی پوری کر رہی ہے۔ ”دکنی میر ذر“ کا
سلسلہ بھی سال گزشتہ سے شائع کیا گیا ہے۔ غرض اس موضوع تاریخ و آثار کو
کوئٹہ میں بے انتہا وسعت ہے صحیفہ نے ہی سب سے پہلے عام طور سے کھولا اور
اور اس چار سال کے عرصہ میں اس قدر کام کچھ نہیں کیا جاسکتا لیکن اب بھی وہ
وقت نہیں آیا جس کا صحیفہ کے غیر مقدم میں اس طرح مذکور ہے ”ان ہی عہد کی
ہماک تیرے بسے والوں کے مردہ دلوں میں تازگی کی وہ برق پھونک دیگی جو فرشتائی
شہروں میں پائی جاتی ہے“ جس کے لئے ضرور ہے کہ ہمارے مضمون نگار اسی
طرح اپنی کوشش کا سلسلہ جاری رکھیں۔

علمی اثر

یہ صحیفہ کے غیر مقدم مضمون کا دوسرا جزو تھا کہ ”تیرے علمی حلقوں میں
جو انسان پڑی ہوئی ہیں وہ ایک بل بل ڈال دیگا۔ وہ تیری خوبیوں کی عام
شہرت دیکھا“ لیکن اصولاً زیادہ زور صحیفہ میں اسی جزو پر دیا گیا اور عموماً

ہر سال کی رپورٹ میں اس کے تعلق بیان کیا جاتا رہا ہے کہ کس طرح اصول ارتقاء
تدریجی کے مطابق اس مقصد میں صحیفہ نے کامیابی حاصل کی ہے۔ چنانچہ تیسری سالگرہ
کے موقع پر نظام کیا گیا کہ ”صحیفہ کی اشاعت سے جو اغراض وابستہ ہیں ان میں
سب سے متمم بالشان غرض یہ ہے کہ اہل دکن میں تصنیف و تالیف کا شوق پیدا
کرایا جائے۔ اسکی نسبت بوثوق تمام کہا جاسکتا ہے کہ صحیفہ کو نمایاں طور پر
کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ صحیفہ کے اکثر ناظرین کو مضمون نگاری کا خیال پیدا
ہوا۔ بعض نے اس سے استفادہ کیا۔ غرض یہ ہے کہ اس کے ناظرین میں ایک
ضمیمہ کی بل چل اور نامعلوم سی تحریک پیدا ہو گئی۔ یہی وہ چیز ہے جس کے پیدا
کرنے کے لئے جاں مار کوششیں کی جا رہی ہیں یہی ہماری اہلی کامیابی ہے اور
اس کامیابی پر صحیفہ قابل مبارکباد ہو گا۔“

چوتھی سالگرہ کے موقع پر کسی قدر قدم آگے بڑھا کر یہ کہنے کا موقع پیدا ہوا
کہ بلا خوف تردد کہا جاسکتا ہے کہ صحیفہ اپنے مقاصد یعنی علمی و اخلاقی مذاق کے
پھیلانے، تصنیف و تالیف کا مادہ پیدا کرنے اور انبائے ملک میں بل چل ڈالنے
میں ایک خاص حد تک ضرور کامیاب ہوا۔ بعض آنکھیں اس کی منتظر رہیں گئیں
بعض کانوں کو اس کی صدائیں بھلی معلوم ہونے لگیں۔ بعض دلوں کو اس کا انداز
دکھلش معلوم ہونے لگا۔“

پانچویں سالگرہ کے موقع پر آگے بڑھ کر یہ کہا گیا کہ ”مشاق نگاہیں پہلے بڑیا
اس کی منتظر رہنے لگیں۔ بے تاب دل اول سے بڑھ کر اسکی بکشی پرشیدہ ہونے
لگے۔ خریداروں کا شمار کم و بیش پانچ سو تک پہنچ گیا مضامین عموماً پسند کئے گئے
اور رسالہ خاص رفتار سے چلتا رہا۔“

اب چھٹی سالگرہ کے موقع پر میں اس قدر کھسکتا ہوں کہ جو امید غیر مقدم کے
کے وقت اس سے وابستہ کی گئی تھی اس میں اس نے کامیابی کے لئے ضروری
نمبر حاصل کر لئے ہیں۔ بے شبہ اس نے حیدرآباد کے سنان علمی حلقوں میں

ہل چل ڈال دی۔ اس نے حیدر آباد کی خوبوں کی عام شہرت دے دی۔ اس ملک کے اندر دین دلوں کو اپنا شتان نہیں بنایا بلکہ ملک کے باہر بھی ثابت کر دیا کہ حیدر آباد۔ رجال العلم سے خالی نہیں ہے۔ اس لائن میں جناب صاحبزادہ میر تلاوت علی خاں صاحب بی۔ اے۔ مولوی عبدالبا سلام صاحب۔ مولوی محمد منظر صاحب محمد عبدالرحمن خاں صاحب بدر کے نام خاص طور پر شکریہ کے مستحق ہیں۔ اسلام و نصرا نیت۔ بین اسلام ازم۔ عربی شاعری اور فلسفہ کرسٹمس اور یوم المیلاد اسلامی دنیا میں خوشیوں کا چل۔ پاریسوں کے متعلق اسلامی تحقیقات۔ تاریخ التاریخ۔ ایسے مضامین ہیں جو دکن میں اس ذوق کے ساتھ نہیں پڑھے گئے جس قدر کہ ہندوستان میں ان پر سچی دلچسپی کے ساتھ نظر ڈالی گئی۔ افسوس ہے کہ صحیفہ کی اشاعت یہ دونوں اصفیہ نہایت قلیل ہے گویا کچھ بھی نہیں۔ اگر اس کی اشاعت کچھ اور بڑھی ہو تو اس کے نتائج اور بھی کچھ ہوتے۔

صحیفہ کی نظم کا حصہ بھی کتنی دباغ صاحب کی نظموں کی بدولت ایک خاص شان رکھتا ہے۔ افسوس ہے کہ کام کے لحاظ سے ان دونوں صاحبوں کی شہرت گویا کچھ بھی نہیں ہے جس سے ہمارے ملک کی مردگی زیادہ روشن ہو جاتی ہے۔

ابھی کیا ہونا چاہیے

خیر یہاں تک تو صحیفہ کی روش کا سیلاب اور امید افزا ثابت ہوئی ہے لیکن جب صحیفہ کے خیر مقدم ذرا اور نظر پڑھاتے ہیں تو ہم اس اظہار پر مجبور ہوتے ہیں کہ ابھی گویا کچھ بھی نہیں ہوا۔

ہماری علمی تازگی کا عام طور سے کوئی پایدار نشان نہیں ملتا۔ معاشرہ اور تمدن کی جیسی کچھ ابر اور رو بہ منزل حالت ہے وہ عجب ان وطن سے بھی ہوئی نہیں ہے۔ لیکن اگرچہ کے لحاظ سے یہ امید ابھی پوری نہیں ہوئی کہ حیدر آباد اور دکن کے

وہ ظاہری نہ ہوں اور دل ہی دل کے اندر کے گھٹ گھٹ کر رہ جائیں۔ کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ وہ کسی ایسے علمی رسالہ کے ذریعہ سے شائع ہوں جس کا ماثو "اصلاح و ترقی ملک" ہے۔ غرض کہ انجمن معارف کو زندہ رکھ کر صحیفہ کا ہاتھ بٹانا چاہئے اس کے لئے ترقی کا نہ صرف ایک وسیع اور کافی میدان موجود ہے بلکہ سخت ضرورت ہے کہ وہ اس میدان میں دوڑے۔

ہم تمام درمندان وطن اور موانوایان معارف سے نہایت سوز و گداز کے ساتھ التجا کرتے ہیں کہ اہل مقصد اصلاح و ترقی ملک جس کے لئے انجمن معارف قائم ہوئی اور صحیفہ جاری کیا گیا اس غرض میں اس کی کیا رفتار رہی ہے؟ میری ذاتی رائے تو یہ ہے کہ اگر کسی لائن میں کوئی ترقی ہوئی بھی ہے تو وہ اس قدر آہستگی کے ساتھ ہے کہ اس سے اس خوفناک رفتار تنزل کا کسی طرح مقابلہ نہیں ہو سکتا جو جسمانی سے حقیقت جاری ہے۔ تمدن کی کون سی شاخ ایسی ہے جس سے ہم اپنے دل کو تسلی دے سکیں اور یہ کہیں کہ ہمارے خیال پر آباد اس میں ترقی کر رہا ہے۔ علمی حلقے جن کی تازگی پر ملک کی تازگی منحصر ہے۔ اسی طرح سنسان ہیں جس طرح پہلے تھے۔ بلکہ حقیقت اور زیادہ۔

جن انفاس نفیسہ کی برکتوں سے کچھ علمی پہل پہل ہو جاتی تھی اب وہ بھی نظر نہیں آتے کوئی ایسا داغ دکھائی نہیں دیتا جو فیضان مغرب سے منور ہو اور جو ملک کی اس بے حس و حرکت علمی حالت میں ذریعہ بھی جنبش دلانے کی کوشش کرتا ہوا پایا جائے۔

و اما العلوم کی وہ ترقی جسکی بدولت صحیفہ نے زندگی پائی اور جسکو یادہ مضبوط بنیادوں پر قائم کرنا صحیفہ کا ایک اہم مقصد تھا، مٹ گئی ہے یا اگر بالکل مٹ نہیں گئی ہے تو کم از کم مٹتی چلی جا رہی ہے اور اس کے روکنے کی کوئی کوشش نظر نہیں آتی اور بنیاد ہر حالات اس کا انجام اسی حالت پر عود کرتا دکھائی دے رہا ہے جو پنجاب یونیورسٹی سے انفیلیٹ ہونے کے پہلے تھا۔ گزشتہ دو

اس تعلیم سے جو چند درد مند دل پیدا ہو گئے ہیں ان کو یہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ
نئی نسل ان کی مدد دینے کے لئے پیدا نہیں ہو رہی ہے تو ان کی درد مندی
اور بڑھ جاتی ہے۔

ایسے رہبر ان طریقت کا جلوہ نہیں نظر آتا جو اپنا ملک کے بیویوں کے
مستحکم جو بے ہمتی۔ کابلی۔ غمول کو دور کر میں اور ان کو زمانہ کی رفتار
آگاہ کرنے کے ساتھ ہی نئی نسل کو جو یا تو بالکل جاہل ہے یا اگر اس نے
مغرب کی روشنی سے اقتباس بھی کیا ہے تو اپنی اپنی باتیں کھوکھو کے اس کی برائیاں
ہی سکھی ہیں، اس سیدھی راہ پر لگائیں جس کی بدولت جاپان سرمایہ نازیوڈو
کا شریک و ہمیں بن گیا ہے۔ قحط الرجال کا خوف ناک اثر ہم میں غلے حالہ جار
ہے جس کی طبقہ کے کوئی نامور فرد اٹھ جاتا ہے تو اس کا جانشین نہیں ملتا
اور نہ اس کی کوشش کی جاتی ہے۔ نئی نسل کو کوئی نمونہ بن کر دکھانے والا نہیں
نظر آتا کہ پرانی فطرت اور نئی ضرورتوں کو کسی عمدہ سانچہ میں ڈھال کر جماری
معاشرت و تمدن کی بنیاد قائم کر سکے

مالی حالت اس سے بھی بدتر ہے۔ سرمایہ ملک دن بدن کٹھا چلا جا رہا
ہے۔ ذرائع کسب دولت۔ جو باعث رفاه قوم و ملک ہوں مشترکہ سرمایہ سے
کام لینا۔ ملک کے پیداوار و صنائع وغیرہ کو ترقی دینی۔ ان سب باتوں پر
ہم اسی طرح کورے ہیں جیسے پہلے تھے۔ غرض کہ تعلیمی قوت جو تمدن کی تمام
شناختوں کو زندہ کرنے والی اکیر ہے ویسی ہی پیر مردہ ہے جیسی پہلے تھی بلکہ
اور زیادہ۔ ایسی حالت میں درد مند دلوں کو اس کے سوا اگر یہ ہیں کہ اس کے
دن کی علمی مخزن کی جو اودت زمانہ کا مقابلہ کر کے بفضلہ چھٹے سال میں قدم رکھ چکا ہو
جصلہ افزائی کر کے کوشش کریں کہ اس کے افادہ کا حلقہ اثر وسیع ہو کوشش ہوئی جا
کہ ہر خریدار تمام حلقہ اثر میں۔ اس کے خریدار بہم پہنچائیں۔ ان درد مند
دلوں کو اپنے درد کے اظہار سے محض اس فرضی دہم سے باز نہ رہنا چاہئے کہ رسالہ

خالص غمخیز نہیں ہے۔ بلاشبہ وہ ویسا ہی انجمن کا آرگن ہے۔ ہم کو اُنکھ اٹھا کر دیکھنا
 چاہئے کہ انہی دو وطن کی کیا حالت ہو رہی ہے؟ اور کیا ہم اس حالت کو دیکھ کر
 مطمئن ہو سکتے ہیں۔ کوشش کرنی چاہئے کہ صحیفہ اعلیٰ درجہ کے علم اور تاریخ کی آشتی
 کے ساتھ ہی ادب آموز اخلاق و معاشرت بھی ہو۔ اس کے دل خراش آگے
 ایسے ہوں جو بد پوش و مانگوں میں حقیقت کا افسوں پھونکے ہیں۔ وہ بلاخود
 لومہ لائیں ان متوالوں کو جگائے کہ تم کس خوابِ غفلت میں مبتلا ہو؟ اس کو رینا
 کی جادو بیانی اور سرسید کی راست گفتاری کے طور پر ایک ایسا نشر لگانا چاہئے
 جو ان تمام فاسد مادوں کو جو جسم کے اندر ہی اندر کام کر رہے ہیں اور بالآخر
 خدا نخواستہ اس کی ہلاکت کا باعث ہونگے باہر نکالنے کا موقع دے۔ اگر ایسا
 نہ کیا جائیگا تو وہ دن دور نہیں ہوگا جب کہ ہم معارف معارف پکارتی رہیں گے
 لیکن ہمیشہ کے لئے معارف پسندی کا مادہ مفقود اور قابلیت ہی سلب ہو جائیگی
 صحیفہ کی طرف سے صلاح عام ہونی چاہئے کہ تمام مورخان وطن اپنی توجہ اس
 سوال کی طرف مبذول کریں کہ حیدر آباد ترقی کر رہا ہے یا تیززل؟ اور اس کے
 ہر ہر بلبل پر نہایت صفائی کے ساتھ بحث کی جائے یہی طریقہ ایسا ہو سکتا ہے
 جس سے صحیفہ کا اصل مقصد پورا ہونے کی امید بندھ سکتی ہے۔ ورنہ اس کی
 موجودہ روش (یہی ذاتی رائے تو یہی ہے کہ) جاریست و رو کی دوا نہیں۔ اور
 وہ ہمارے دل کی آگ بجھا سکتی ہے؟ سوچو سوچو تم میں رازِ نہفتن آگے چلنے
 اڈیڑہ کوئی شک نہیں کہ اب تک صحیفہ کی جو رفتار رہی ہے وہ ہمارے موجودہ درد
 کی دوا نہیں ہے۔ اور صحیفہ کے غیر مضمونی مضمون میں جن ارمانوں کو پوری ہو نیکی آرزو
 کی گئی تھی۔ وہ اس وقت تک پوری طرح پوری نہیں ہوئے ہیں۔ لیکن اسکا پورا ہونا
 مقوف ہے اس بات پر کہ اگر قوم کے زیادہ افراد نہ ہی تو کم از کم، وہ ارکان جو ملک
 لے اگر سالہا خالص آہنی نہیں رہا ہے تو بھی خرابی کیا ہوئی جب اسکی اشاعت محض انبارِ ملک
 ترقی کے لئے مخصوص ہے تو یہ نہ در انبارے ملک کی قدر و توجہ کا شوق ہے۔

ترقی و بہرہ ورزی کے اسباب کا کچھ کچھ علم رکھتے ہیں۔ جن کے دماغ قدیم باجدید روشنی سے منور ہو چکے ہیں جنکے دل قوم کی موجودہ بستی و منزل کو دیکھکے درد مند ہوتے ہیں۔ وہ اس کارنیک میں ہمارے سہم و شریک ہونکے عیلت پر اتر آئیں۔ پہلے روپیہ سہم دیں۔ پھر اپنے دائرہ احباب میں اسکی بوجہ دلخواہ اشاعت کریں۔ اور ممکن ہو تو اپنے خیالات بھی نہیں اور دوسرے کو فائدہ اٹھانیکا موقع دیں۔

ہمارا انجیل تجربہ تبارہا ہے کہ عوام ایک طرف غور وہ انتخاب جو قوم کی حالت کو ابھی طرح سمجھتے ہیں۔ اور اس کو ابھی ترقی پر دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ بھی ایک عملیت کے غصرت خالی ہیں۔ اور زہ طلبی کے میدان سے ایسے نکل بھاگتے ہیں جیسے گدھے کہ سرسری سنگ۔ سال بھر کے عرصہ میں صحیفہ کو تین روپے دنیا انکو پاڑ ہو جاتا ہے۔ اور اس کو اپنی آمدنی کا بدترین مصرف خیال کرتے ہیں۔ مگر یہ نہیں سمجھتے کہ انکی یہ تباہ کن کفایت شعاری علمی دلچسپی کو مہجادیگی اور علم کی بے پیکر بھڑاؤ ایسی۔ کاش اٹھایہ مجھو نخل ان کے ذاتی شوقوں کی قطع و برید کر سکتا۔ اور بیفائدہ رسم و رواجات کو ٹھکانے لگاتا۔

اگر تعلیم یافتہ حضرات نے صحیفہ کی ہورت دیکھ کر ابتدا میں تو اپنی شیفگی کا اظہار کیا۔ لیکن جب چندہ کی رسید روانہ کی گئی تو ابرو میں بل پڑ گئے۔ ہمیں آدمی کو دکھانا پڑا رہے اور بعد ازاں ایک سال کا چندہ دیکے کہہ دیا کہ آئندہ کے لئے موقوف کر دیا ایسی قدیم حالت میں صحیفہ کیونکر اصلی درو کی دوا ہو سکتا ہے ؟

اس سال اگر خدا نے چاہا تو ہمارا ارادہ ایسے مضامین بھی شائع کرنے کا ہو جو ملک کی موجودہ حالت کو بیان کریں اور معاشرتی خرابیوں کو بچ پر لائیں۔ ہر سال گزشتہ جن معاونین صحیفہ نے توسیع اشاعت پر بذل ہمت فرمایا ان کے اسمائے گرامی مع تعداد خیریاں ان نہایت تشکر یہ کے ساتھ ہر سال آؤز و بچ کر جاتے ہیں کہ غالباً وہ اس سال پہلے سے زیادہ اتفاقات مندول فرما کے پہلے سے زیادہ ہیکریہ کے مستحق ہوں گے۔

جناب شی محمد ابوالقاسم صاحب	جناب محمد عبدالجبار خان صاحب
کوہ سوار مدرسہ مدرسہ	صنیعہ وار دیوانی دفینانس ۹
گنگاوتی ۲	جناب منشی محمد عبدالسلام صاحب ۸
جناب مولوی عبدالوہاب صاحب	رر سید حسین صاحب صاحب ۷
عندلیب ناظر ٹیپ خانہ جات	نظامت طبابت و منشی لاکلاس ۶
سنگار ٹیڈی ۳	جناب شاہ محمد چند احسنی صاحب
جناب محمد نجم الدین صاحب	کوہ سوار مدرسہ مدرسہ رشیدیہ
مہتمم تعمیرات ضلع پریانی ۲	شاہ پورہ ۵
جناب محمد سعید صاحب ساکن	جناب مولوی سید بہار الدین صاحب
کھڑک ۲	شطار سی نصف پڑتور ۵
جناب مولوی سید نجم الدین صاحب ۲	جناب مولوی عبدالباسط صاحب
جناب مولوی سید نظام علی صاحب ۲	مولوی فاضل ۴

ہم اپنے نوٹ کا خاتمہ منشی محمد عبدالسلام صاحب کی اس جانفشانی کے اعتراف پر کرتے ہیں۔ جو انھوں نے سال کے بڑے حصہ میں صمیمیت کی اجلائی اور متفرق امور کے انھرام میں صرف کی۔ دعا ہے کہ خدا ان کو قومی کاموں کی اس سے زیادہ توفیق دے اور امور معاش سے مطمئن کر دے فقط

ادبیر

نظم غیر متقفی

بج کل زبان اردو نظم غیر متقفی دینک درس، کو رواج دینے کی زیادہ تر کوشش کی جا رہی ہیں۔ مگر اب تک اس کے جتنے نوئے پیش ہوئے ہیں انہیں جہاں موزونیت کا خیال رکھا گیا ہے عبارت کے تسلسل اور الفاظ کی ترتیب کی

جانب بہت کم توجہ کی گئی ہے۔ نظم غیر متقفی ایسی ہونی چاہئے کہ اگر وہ بطور شاعر
پڑھی جائے تو اس میں کسی قسم کا تکلف نہ پایا جائے۔ میں ایک چھوٹے سے ناول
”ردمی نازنین“ کا ابتدائی حصہ پیش کرتا ہوں جو کلام منظوم بھی ہے اور شریلیں بھی۔
امید ہے کہ اگر اس قسم کی نظم۔ نظرِ احسان سے دیکھی جائیگی تو اس کی خصوصیت
قابلِ تقلید سمجھی جائیگی۔

محمد عبدالوہاب عندلیب حیدر آبادی

ایک سو اسی سن ہجری میں جب
موسم سرما بہت ہی زور پر
تھا۔ ہوا ہر سمت سردی کو لئے
پھر رہی تھی۔ اور ان لوگوں کو بھی
گدگدا دیتی تھی۔ جو آٹھوں پہر
اپنے گھر کے گرم کمروں میں پڑے
رہتے ہیں۔ باہر نکلتے تاک نہیں۔
بلغ میں گل ہائے رنگارنگ کی
ہر طرف افراط تھی۔ اور چہچہ
بلبلوں کے۔ دل کو نیچو دگرتے تھے
کوہ و بحر اکا نرا لاسین تو
دیدنی تھا۔ چار سو وہ سبزہ زار،
جا بجا پانی کے چشمے، خوشنما
بیل بوٹے، گھاس کی باریک ہر
ایک پتی پر وہ شبِ بنم کی چمک
جو نظر کو موتیوں کی جھلکوں
ہی کا دھوکہ دے رہی تھی

ایک فوج
جس کی وضع پوشش و سامان جنگ
رعب صورتِ نشان و شوکت، بالکپین
ہی سے ظاہر ہو رہا تھا۔ غازیوں
کا گروہ پاک ہے۔ جو دین کے
داسے جاں کو تھیلی پر لئے، بڑ
کافروں کی سہزنش کو جارہا
ہے۔ ہر اک انہیں کا اپنے ساتھ
پر تو جاں قربان کرتا ہے۔ مگر
کافروں کے داسے ایسی بلا
ہے۔ کہ ہر گز ٹل نہیں سکتی۔

یہ فوج
اس سڑک پر ہے۔ جو ملک روم کو
جاتی ہے اور افسر فوج عرب
فوجواں عبدالملک صالح ہیں جو
رومیوں کے معرکوں میں چند بار

معہ ”صالح“ خاندانی لقب ہے۔

فتح بھی پائے ہوئے ہیں۔ آپ کو
رومیوں کی سرزنش کے واسطے
حاکم ملک عرب ماروں رشید
نے مقرر کر کے بھیجا تھا قریب
سیر جو سیو اس کے۔ اس فوج نے
پہلی منزل اپنی کی۔

بارہ بجے
رات کے اک بطح۔ پچیس مچی
جلیاں تلوار کی چاروں طرف
کوندتی پھرتی نظر آنے لگیں
دشمنوں کے نیزے اور تنگ
لشکر اسلام پر پڑنے لگے
اور اس کو ایک نئی تشویش میں
بتلا کر ڈالا تھوڑی دیر میں
یہ خبر پھیلی کہ رومی فوج جو
سوغ سیو اس میں پہلے ہی سے
جاگزیں تھی۔ وقت پانچ بج
لشکر اسلام پر جو۔ بنا خبر
سورما تھا۔ حملہ آور ہو گئی
اور اس کو جو طرف سے گھیرا ہے
شور و غوغا سنتے ہی عبدالملک
خیمہ سے باہر نکل آیا۔ تمام
فوج اس کو دیکھتے ہی ایک جا

ہو گئی
یہ مخبروں کی وجہ سے
جو ہمیں اتنی پریشانی ہوئی
نوسلمانان رومی نے بہت
دھوکہ بازی کی۔ کہ ہکو بد معاش
رومیوں کی چالبازی کی خبر
مطلقاً ہونے نہ دی۔ ان کو کبھی
کار جاسوسی نہ لینا چاہئے
تھا
مگر اب۔ دیکھنا چاہئے
ہے۔ عرب کی فوج اپنا نام اور
اپنی عزت کس طریق سے بچا۔
لی ہے۔
خاموش با آپ نے یہ کیا کہا
نام لیو ادین برحق کے کہیں
ان لٹیروں کا فروں چڑھ گیا
چوتھا یہ تو سب سچ ہے مگر اب فوج پر
بدحواسی چھا گئی ہے اور حریف
کام اپنا کر رہے ہیں۔
خوف کیوں
کر رہے ہو۔ دم کے دم میں ہم بھی
ان کو ملیا میٹ کر دیتے ہیں
(فوج کی طرف مخاطب ہو کر،

اے
 دین پر جاؤ دین والو۔ تو م اور
 ملک پر مٹے والو۔ اے جری
 اور بہاؤ بھائیو۔ اب وقت ہے
 نکلوانی۔ قوم کی اور ملک کی
 لالچ کچھ رکھنی اگر منظور ہے
 آؤ اپنی یکدی کی کوششوں
 سے حریفوں کو شکست فاش دے
 نام جیسا رکھتے ہیں۔ ہم کام بھی
 کر دکھائیں۔ اور جو فردی کی رائے
 لیں۔ یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں
 جب فضا انسان کی آجاتی ہے۔
 اک منٹ کے واسطے بھی ٹل نہیں
 سکتی۔ گودہ کیسے ہی حصص حصص
 میں اماں لے پس تقنا ہم ب کی گر
 آگئی ہے تو کسی صورت سے ہم
 بچ نہیں سکتے۔ وگرنہ ہم کو کچھ
 ڈر نہیں ہے۔ پھر بھلامر و ذکی طرح
 ہم شہید و نکاسا درجہ کیوں نہیں
 یا بہادر غازی سنکر۔ باقی عمر
 یا حتی میں کیوں نہ کاٹیں“

اس قدر
 خطبہ پڑھکر اس بہادر شخص نے

نعرہ اللہ اکبر سے تمام
 لشکر اسلام میں اک جوش کی
 روح بھونکی۔ اور رنی فوج کی
 بے تحاشا حکم حملہ آوری
 دیدیا۔ ہر سمت سے بلیک کا
 شور اٹھا اور دونوں فوجیں
 طبل جنگی بجلیا۔

تھوڑی ہی دیر
 میں زمین سرحد سیوارس پر
 جو طرف کشتوں کے پتے لگ گئے
 اور خوں کی ندیاں بہنے لگیں
 رات کی غلٹ نے مخلوقات سے
 نور بنائی سی نعمت چمین لی
 ہے ابھی جو چند تارے جھللا
 جھللا کے اپنی برتوس جہاں
 کو منور کر رہے تھے۔ ابر کے
 اک بڑے دامن میں پوشیدہ ہو
 ہیں۔ وہ بجلی سی چمک تلواروں میں
 بھی نہیں باقی رہی۔ جو نردلوں
 کو تو سہا دیتی تھی۔ اور غازیوں
 کے دلوں میں جوش پیدا کرتی تھی
 ایسے نازک وقت میں جب امتیاز
 انہوں اور بیگانوں کا ممکن نہ تھا

لشکر اسلام جو مہم ان کے
گوشہ گوشہ میں نہایت باخبر
اور بہت ہتھیار و ہتھیوں جاگزیں
تھا۔ حرفیوں سے وہ میدان خالی پا
کر نہایت انکساری اور خشوع
سے خدا کی حمد میں مشغول ہوا
اور فرانیس سے ادا ہوئے بعد
اپنے اپنے خیموں کو راہی ہوا۔
لشکر اسلام کو اس جنگ میں
ہر طرح کے فائدے حاصل ہوئے
رومیوں پر لشکر اسلام کا
رعب طاری ہو گیا اسکے سوا
کچھ نہ کچھ مالی غنیمت بھی ملا۔
عند کب حیدر آبادی

انسر فوج عرب نے جلدی کر
اپنی ساری فوج کو یکجا کیا
اور پھر اک مختصر تقریر میں
قوم و ملک و دین کی ہمدردیوں
اور تنہادت کی تفصیل کر سوا
کچھ ضروری اور اہم باتیں کہیں
اور چپوٹے چپوٹے فوج کے
جو طرف پھیلا دی توڑی ہی دی
میں بحال رحمت حق نے رخ
لیلی شب سے سیاہی کے تمام
دھبے دھو ڈالے خدا کے نور سے
سارا عالم بگکا اٹھا بطیور
اپنی اپنی زمرہ پر دازی سے
فرض یا د حق ادا کرنے لگے۔

رباعیات

چھپ چھپ کے تیرے ملنے سے ای غمت ما
ہوتی کہ پس دنگ ہی آپس میں صلح
تا جو میں طبیعت پر نہ پس میں دل ہے
مانا کہ کٹھن عشق کی ہر منزل ہے
وہ جمع عشاق میں گھرناتے تھے
ادشوخ نظر فرمیں دل پر میرے
برہمتی جرم سے دل میں تری اور چھپا
دل ملتے میں تھکتی ہی جو لڑ لڑ کے گاہ
وہ لوٹ ہے بیخاندہ یہ سب ہے
بے عشق کٹے عمر بڑی شکل ہے
شوخی سے ادھر او دھر وہ پھر ناترا
بجلی کی طرح چمک کے گرنا تیرا

سلسلہ ناموران دکن

حضرت سید عبدالقادر دہلوی ناگور

اگرچہ باشندگان حیدرآباد میں ان بزرگ کا نام اس قدر مشہور نہیں ہے جس قدر جنوبی ہندوستان میں۔ لیکن یہاں بھی ناگور کی زیارت کو جانوالے کچھ کم نہ ملینگے۔ اور جنوبی ہند میں تو ناگور اسی طرح زیارت گاہ خلافت ہے جس طرح اجمیر شمالی ہند میں۔ ایسے نامور ولی کے حالات مناسب معلوم ہوتا کہ اس رنگ میں لکھے جائیں جو آج کل تاریخی رنگ قرار پایا ہے۔

سواہل ہند کی تاریخ قلمبند کرتے ہوئے میں نے امر داد سلسلہ دکن کے پرچہ میں اس قدر مختصر حاشیہ لکھا تھا ”بلاشبہ ان کو بھی داعیان اسلام کی ہمت میں ممتاز مرتبہ حاصل ہے۔ حضرت موصوف کا تذکرہ طبع ہو گیا ہے لیکن مجھے اس کے مطالعہ کا موقع نہیں ملا“ اس حاشیہ کے لکھنے کے بعد مجھے اس تذکرہ کے دیکھنے کا موقع ملا جس کا نام کرامات قادریہ ہے اور جس کو محمد نجیب نامی ایک خوش عقیدہ شاعر نے فارسی نظم میں لکھا ہے۔ یہ کتاب سلسلہ میں بدراس میں طبع ہوئی ہے اگرچہ مولف نے اپنی کتاب کا ماخذ مطلق بیان نہیں کیا لیکن چونکہ یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ اس نے عام مشہور روایتوں پر ہی اپنی نظم بنیاد رکھی ہوگی اس لئے اس کتاب کے واقعات غیر معتبر نہیں قرار پاسکتے ہیں۔ سنا ہے کہ حضرت موصوف کے تذکرہ کی اور بھی بسید کتابیں عربی میں ہی طبع ہوئی ہیں لیکن افسوس ہے کہ مجھے ان کے مطالعہ کا موقع نہیں ملا۔ اس لئے بالفعل ہم ”کرامات قادریہ کو ہی اپنا ماخذ قرار دیکر ضروری اور دلچسپ واقعات اردو میں قلمبند کریں گے۔“

حضرت موصوف کی پیدائش کا خاک ہند کو ہی فخر حاصل ہے۔ آپ کا

وطن مانک پور تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے سید عبدالقادر بن سید حسن قدوس بن سید ہوشی بن علی۔ بن سید محمد بغدادی بن سید حسن بغدادی بن سید محمد کلہوڑ بن سید محمد بن سید ابی نصر محی الدین بن سید شاہ عماد الدین۔ سید صالح نصر بن سید عبدالرزاق بن حضرت سید شیخ محی الدین حمید القادر جیلانی قدس اسرار ہم۔ والدہ کا نام تھا تھا اور ان کا سلسلہ نسب یہ ہے فاطمہ بنت سید حمید ماکپوری بن سید فخر الدین بن سید عبدالرزاق بن سید فیض اللہ۔ بن سید عبداللہ بن سید نعمت اللہ بن سید جمال الدین بن سید محمد بغدادی اس کے بعد کا سلسلہ نسب وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ غرض کہ ان کی طرف سے آپ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی اولاد میں سے ہیں آپ کے والدین خود ایک خدا پرست اور صوفی شرب تھے۔ آپ کی والدہ بہت پاک باطن اور بہت ہی بلند مرتبہ تھیں۔ اور اس خاندانی اور نگہ کیو خدا پرستی اور پاک باطنی کا اثر تھا جس نے حضرت عبدالقادر ولی ناگور کو اپنی زندگی کے طرچ اس میدان طریقت میں بسر کرنے کی راہ بتائی۔ بچپن کے حالات زیادہ معلوم نہیں ہوتے لیکن ظاہر ہے کہ ماں باپ کی مبارک تربیت نے ابتدا سے ہی صحیح راستہ پر ڈال دیا ہو گا۔ ابراہیم کی عمر میں حق شناسی کے جوش نے وطن مانک پور سے قدم بامہر نکالنے کی راہ بتائی۔ اوکیش شوق نے حضرت سید محمد خوش گویا رسی کی خدمت میں گویا رہو بچا یا۔ جن کے نصرت باطنی نے ہندوستان کے صوفیہ کرام کی تاریخ کا ایک نیا درق الٹ دیا ہے اور جن کے تعلق تاریخ ایک غیر معمولی شان پر روشنی ڈالتی ہے۔ کم سن مرید نے وہ تمام ریاضتیں ادا کر لی تھیں جو اس امتحان کے کورس میں مقرر تھیں دس برس اس مدرسہ طریقت کی تعلیم میں بسر ہوئی جس کے بعد گویا آپ فاضل اور امتحان میں کامیاب ہو گئے۔ اور دوسرے الفاظ میں آپ کو اپنے مرشد کی خلافت عطا ہوئی اور مرج کو جانے کا حکم ہوا۔ حج کو جانے سے پہلے گویا رسی سے آپ اپنے وطن مانک پور میں اپنی والدہ کے پاس حاضر ہوئے

اور دواعی ملاقات کے بعد چار سو آدمی کے قافلہ کے ساتھ بارادھ حج روانہ ہو کر پہلے لاہور آئے۔ لاہور سے آگے بڑھنے پر آپ کی زندگی کثیثیت داعی اسلام نظر آتی ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ راستہ میں ایک پہاڑی آبادی میں جس پر ہندو جوگ اپنے جوگ میں مصروف تھے۔ جوگ اور طریقت باطنی کاٹھا ہوا جس میں آخر اسلام کی طریقت باطنی نے فتح پائی اور جوگیوں نے اسلام میں داخل ہو کر نو مسلمانون کی تعداد میں افزائش کی۔ شاعر کے الفاظ یہ ہیں

زفر مان خسر ذیہجدہ — کشودند از بت پرستی مکر

پس نگاہ سلطان والا جناب رہا نیند شاں راز بند عذاب

ہمدردم دین شاہ آمنت شاں بنو یقیں جان برافر دخت شاں

حج کے پہلے اس مرمو میدان طریقت نے جو جو مرحلے طے کئے افسوس ہے کہ اس سچا سچار و زمانہ عجیب معلوم نہیں ہوتا لیکن اس قدر ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ راستہ بھر اشاعت اسلام کی کوشش جاری رہی۔ مختصر طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ایک پہاڑ میں انھوں نے چلہ پورا کیا اور پھر وہاں سے دوسرے پہاڑ کی طرف گئے۔ ایک عرصہ تک دست نور دی رہی اور اسلام کا اثر پھیلانے کی کوشش غرض رفتہ رفتہ ساحل ہند کے اس مقام پر پہنچے جہاں سے اس زمانہ میں جہاز عرب کو جایا کرتے تھے حج و زیارت سے مشرف ہونے کے بعد عراق و خراسان کی راہ لی۔ اور وہاں سے بیت المقدس ہوتے ہوئے پھر مکہ معظمہ میں آئے۔

حج ثانی کے بعد ہندوستان کا قصد کیا۔ اور مالدیپ میں آئے وہاں اشاعت اسلام میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ بعد ازاں سرانندیپ کا رخ کیا۔ وہاں سے جنوبی ہند کی جانب روانہ ہوئے۔

ترخیاہلی میں جو جنوبی ہند میں ہندوؤں کا بڑا نامور شہر تھا۔ تہہ اولیا (طبل عالم نقیب) کی قبر کی زیارت کی دیدید عبد القادر ولی سے پیشتر کے

بہت بڑے شہور بزرگ گزرے ہیں۔ افسوس ہے کہ ان کے حالات بالکل تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کا صحیح نام بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کیا ہے یہاں سے تنجاور پہنچے جو ہندوؤں کا دار الحکومت تھا۔ تنجاور کا راجہ جو بیمار رہتا تھا حضرت موصوف کی دعا کی برکت سے اچھا ہوا اور ان کا معتقد ہو گیا۔ یہ واقعہ خلافت قیاس نہیں ہے ہندو راجہ عموماً مسلمانوں کے ساتھ عمدہ برتاؤ کرتے اور ان کو قابلِ عزت سمجھتے تھے جیسا کہ ہم نے مختلف تاریخی حوالوں سے ثابت کیا ہے، اس کے بعد حضرت موصوف کی کل اضلاع تنجاور کا دورہ کیا۔ تروگور سے تیرام پہنچے۔ اور وہاں ایک مسجد تعمیر کی۔ تیرام سے ترکلا پیری میں مقام ہوا۔ اس قدر طویل سیاحت کے بعد اب وہ ناگور پہنچے جو ساحل سمندر پر آباد اور تجارتی حیثیت سے نہایت بارونق تھا۔

ساحلی شہروں پر اسلامی نوآبادیاں دھیساکہ ہم نے صحیفہ میں لکھا ہے، قدیم سے قائم تھیں اس لئے صحیح طور پر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ انہی آئندہ زندگی کے لئے اسی اسلامی تجارتی مرکز کو انھوں نے باغراض اشاعت اسلام مہیکوار ٹر بنانا موزوں خیال کیا۔ راجہ تنجاور نے بھی اس کی اجازت دیدی۔ اور اس طرح اپنے اسلامی فرائض دعوت کو ادا کرنا اپنا لازمہ زندگی قرار دے دیا یا خاص زبان میں یوں کہو کہ وہ درجہ قطبیت پر پہنچ گئے۔ ناگور کا اسلامی تجارت گاہ ہونا اس واقعہ سے بھی ثابت ہے کہ حضرت موصوف نے اپنے رفیق یوسف کی مدد سے کو ایک تاجر عرب کی لڑکی سے شادی کی۔

بگفتند این خانہ تاجرست	خداوند اسباب ویم ذرست
ز بہر تجارت جہازش بست	ہم از مال او سودمند ہر گزست
وطن گاہ او بود اول بمن	دلے ساخت اکنون دینجاوطن

بود سید پاک و مخدوم نام دودختر بدو بہت خورشید نام
ناگور سے ایک دفعہ دھنا سہی گئے اور یہاں بہت بڑی کامیابی ہوئی۔
خود حاکم شہر سلمان ہو گیا اور باشندگان شہر نے بھی اسلام قبول کیا۔

شہابی سپہ سالار ^{۱۲} موہن شدہ مطیع خدائے ہمیں شدہ
وزان بازسکان گنہگار تمام مسلمان شدہ جملہ از خاص عام
ہمہ سرور ملک سرمد شدہ پذیرائے دین محمد شدہ
بہر سجدے و عظمیٰ کردشاہ ^{۱۳} بدان گریان می نماید راہ

غرض اس طرح اسلام کی بنیادیں جنوبی ہند کی سرزمین میں مضبوط و مستحکم کرتے ہوئے
۱۰۰۰ ہجری کے آخری حصے میں ہجری کو ۶۰ سال کی عمر میں ناگور میں ہی انتقال
کیا اور وہیں ہی مدفون ہوئے۔ جہاں اب تک ان کی قبر زیارت گاہ عام
و خاص ہے۔

کرامات قادریہ کے ۲۰۲ صفحوں میں سے یہ تین چار صفحے ہم کو خالص تاریخی
مجموعت ہو سکے جو اگرچہ اب بھی ناقص ہیں اور پورے طور پر کافی نہیں کہے
جاسکتے لیکن تاریخ پسندوں کے پاس یہ چند صفحے بھی کچھ کم نہیں ہیں۔

حضرت سید عبدالقادر دلی ناگور کے تذکرہ میں جو امر قابل ذکر ہے وہ یہی
ہے کہ دیگر اولیاء کرام کی طرح انھوں نے بھی اپنی زندگی محض خدمت اسلام
کے لئے نذر کر دی تھی۔ درحقیقت اس سے زیادہ کیا مذہبی خدمت بے ریاضا
و خلصاً تصور میں آسکتی ہے کہ ایک سترہ سالہ لڑکا اپنے وطن سے تلاش طریقت
میں نکلتا ہے۔ دس سال ریاضت میں بسر کرتا ہے اور اس کے بعد اپنی
تمام جوانی کی انگلیں اس مقدس جذبہ محبت مذہب پر قربان کر دیتا ہے
جس سے زیادہ بظاہر کوئی خفاک و بے مزہ زندگی نہیں ہو سکتی اس کے
دل میں جب دنیا کا خیال لحظہ بھر کے لئے بھی راہ نہیں پاتا اور آخر کار
اس کی زندگی اسلام اور خدائے ذوالجلال کی محبت و دونوں گویا مراوث

چیزیں بن جاتی ہیں۔ اس خالص جذبہ تاثیر سے وہ سیکڑوں اور ہزاروں دلوں میں اپنی سچائی اور پاک باطنی کا اثر ڈال کر خدا پرستی کی روح بھونکتا ہے۔ اور اس طرح جب وہ عجیب و غریب بقولکون پر از جذبات انسان دنیا کو چھوڑتا ہے تو اپنے کاموں کا اثر اپنی زندگی سے زیادہ مستحکم چھوڑ جاتا ہے۔ اور اس طرح اس کی نسبت یہ کہنا درست ہوتا ہے ہلمرجا لی ذی الارض فی الحیوۃ وبعد الممات مگر یہ بھی قدرت کا عجیب قاعدہ ہے کہ جو جن دن زیادہ گزرتے جاتے ہیں لوگ ان کے اس اہلی کارنامہ اور باعث عزت طرز زندگی کو بھول کر ان کو محض ایک برتر از عادت بہتی سمجھنے لگتے اور اسی پر اپنی کوششوں کا دار و مدار رکھتے ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ دراصل کس چیز نے ان کی زندگی کو برتر از عادت بہتی بنا دیا ہے وہ نہیں سمجھتے کہ جس محنت نفس کشی۔ ایثار علی النفس کے سخت ترین مصائب انھوں نے محض سچائی۔ حق شناسی۔ خدا پرستی کی خاطر برداشت کیں ان کی قدر دانی ان کی مابعد نسلیں اگر کر سکتی ہیں تو محض اسی طریقہ سے کہ ان کے نمونہ پر اپنی زندگی بھی اس سچائی۔ حق شناسی۔ خدا پرستی سے بسر کرنے کی کوشش کریں۔ ان کی ردعیں کبھی اس امر سے خوش نہیں ہو سکتیں کہ انکی قبر کو مسجد بنالیا جائے ہر قوم کی سیکڑوں زیارت گاہوں کے ہزاروں زائرین مسرت اگر چند افراد بھی اس حقیقت کو سمجھنے لگیں تو دنیا کی یہ رفتار ہی نہ رہے

حضرت شیخ خواجہ علاء الدین چشتی



حضرت خواجہ علاء الدین بن خواجہ شمس الدین بن خواجہ محمد شاہ الحسینی
البلخی مرید سید بہار الدین شمس العشاق یہ بھی جنوبی ہند کے ایک مشہور ولی

گزرے ہیں حکم کو ٹامیں مدفون ہیں۔ ان کا سنہ وفات ۱۳۹۱ھ ہجری ہے۔ ان کے حالات بھی ایک عربی قلمی رسالہ میں لکھے ہوئے یہی نظر سے گزری ہیں جو امران کے حالات میں قابل تذکرہ ہے اور جس کے لئے میں نے یہ مختصر نوٹ لکھا ہے یہ ہے کہ راجہ پنجاور ان کا بھی معتقد تھا اس نے ان کا گنبد اور گنبد کے پاس مسجد تعمیر کرائی۔ اور ان کے مرید سید اسماعیل کو ”میرے حکم کو ٹا“ بطور جاگیر عطا کیا اس سے شہادت ملتی ہے کہ راجہ پنجاور حضرت عبدالقادر دلی ناگور کے ساتھ ضرور اعتقاد رکھتا تھا۔ اور ثابت ہوتا ہے کہ عموماً داعیان اسلام کی روش کیسی پسندیدہ اور با امن طریقہ اور سلامت روشی ساتھ ہو ا کرتی تھی۔ اور اسی کا اثر ہے کہ اب بھی مسلمانوں کی طبع ہندوؤں کی کافی تہہ اور بھی جنوبی ہند کے مسلمان ولیوں کے زیر پرین و متقدین کے زمرہ میں شامل نظر آتی ہے۔

محمد رفیعی

رباعی و غزل

سز تاج حینان دو عالم ہے تو	خسرم دل مضطرب کا مرہم ہے تو
ہم مرگور دیکھ کر نگاہیں تیر سی	زندہ کر لئے سچ مرہم ہے تو
ہوئی جو وضع داری ختم اپنی شام فرقت پر	علی الرغم زمانہ ہر طبیعت لیک حالت پر
شب فرقت کی بزم آریاں کن تابیں کہیں	اگر ملن ترا موقوف ہے روز قیامت پر
ترا عظیم کو اٹھنا تر اسلیم کو جھکنا	فریب لاف دلجو کی قیامت قیامت پر
ہوئی ہے تنگ دستی و جتوبہ در نہ آسانی	کف انوس ملنا دل ہی تجدید بیعت پر
عدم ہو کر بھی آثار وجود اچھو کر اچھے ہیں	مہنسی جاتی ہے اب بھی گزشتہ عیش عشرت
خلاف و ضداری چھڑ کر بات اس بہت	یرسی دلک بھار د پھیر دی گرد و گرد پے
رہیں منت ساتی رہو نکا عمر بھر کئی	اگر ملجائے کوئی جام دستا نصیلت پے

<p>سیر کو یہاں کی ہم بھی آئے تھے برق کو یا بہ خنابا ندھتے ہیں اس سال کے حساب کو برق آفتاب تجکو دیا کہ جلد کر یہاں سے اتر تو کہ جیسے جائے کوئی کشتی دغانی میں یہ دیکھ لے ہو چمکے کیونکر وہ وجود عدم بھیا دم بدہم اک سیر تری عدم کرتے ہیں ہم اس سافر کا کچھ انداز سفر اور ہی ہے یہی سفر ہے اور سفر کس کا نام ہے میں یہاں سقیم تھے یہ ہیں سفر میں بیٹھے رواں ہے کارواں سکو عدم آہستہ آہستہ رفتار ہے تیری شتر بے ہمارے تیرے ہے تو سن عمر میرا چالاک کہ یہ چلی ہے کہاں اور کہاں آئی ہے</p>	<p>لے کے رخصت من کوئی دم کی غالب تیری فرصت کے مقابل اے عمر رفتار عمر قطع رہ اضطراب ہے ذوق عمر رواں کا تو سن چالاک اس لئے گزرتی عمر ہے یوں دور آسمانی میں ظفر نفس کی ہر جو آمد و شد زبور کر لیس کی خاک یہ جو دم کی آمد و شد ہے اسی میں اے ظفر عمر جاتی ہے گزراور نہیں ہوتی معلوم ہر دم نفس رواں ہے سکو بہتی و عدم عمر رواں کی کشتی اکدم نہیں ٹھہرتی نہیں آہد موجلتا یہ دم آہستہ آہستہ شہید کیا گرم دندہ ہو تو اسے ناقہ میاں دم ہے کہ ہوا کا ایک جھوٹکا نہ سمجھے عمر کا ہم چھ مبادی و مقصود</p>
--	--

ریا کاری

<p>ظاہر جہاں سے ہاتھ اٹھایا تو کیا ہوا حال کچھ اور قال ہے کچھ اور سماع خانہ ہمسایین رہ گزری رہنا حرم میں مومن مکار کی طرح عاری عبا کی ہوشن قبایض دے ہیں سینہ سوراخ ہو نسیم کے ڈانے کا</p>	<p>میر کیا کیا دعائیں مانگے ہے خلوت میں تنہا شیخ کا اب کمال ہے کچھ اور سوز بھلا ہے شیخ کو کچھ کچھ تو بھلا ہے مباح مومن دل میں ہو آبتک وہ ظاہر میں کیا مصلو ذوق جا ان لباسیوں کے نہ ظاہر لباس شہید شیخ صاحب کی ریا کا نہیں اک میں شاکی</p>
--	--

زوشن ضمیر
ذوق کب لباس دنیوی میں پہنتے ہیں وہ نظمیر
رازونیاں
میر صبح تک شمع سر کو دھنتی تھی | آکھ پتنگے نے التماس کیا

باب الزاء

زوالِ نعمت

سودا اچھر ہے کیا جبابِ نطامِ حریر پوش
عجب نادان ہیں جنکو ہر عجب تاجِ سلطانی
ذوق جتنے ہیں یہاں فرمودش نشہ شراب
شہید نقصان کے سبب ہر ترقی ہلال کو
یہاں جس کو دیکھے سوچے آخر کفن بدوش
فلک بال ہما کو پل میں بٹھے ہو گس انی
ہو جاتے بے فزہ ہیں جو بڑھ جاحد وہیں
جوں بدر ہے زوال ہر اہل کمال کو

زبانِ خلق

بجا کہ جسے عالم اُسے بجا سمجھوا
زندانہ جاوید
نصیر لباس کہنہ مہستی اوتار کر عاشق
کفن نہ سمجھو یہ پوشاک اب بدلتے ہیں

باب البین

سخنِ چینی و بدگوئی

سودا پہلے تو اس نے ایک مجمع کہہ کے بس تئیں
ورد ایو دنیا کس سے کہوں راز محبت
جرات کسی کا راز کہ حرفِ خاطر میں گزرا
سلف اس سے گلہ کیا کبھی اُس سے گلہ کیا
حسن کہہ بیٹھنے منہ سے کسی کو برا بھلا
نقطہ لگا کے پھر اُسے یار و دشمن کیا
عالم میں سخنِ چینی بے طعنہ زنی ہے
اُسے گرجہ لوگوں نے کیا کیا ٹھہرایا
اوقات یوں ہی شکوہ گزاری ہیں گلی
دل ہی میں رکھتے اور نظری میں تار

غالب	غالب برانہ مان جو کوئی برا کہے	ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں
ذوق	کیا زبان جلتی ہو اُس نرم میں بدگوئی	منہ میں آنکھیں یہ زبان کد الہی مقرر
ظفر	ہے تو گویائی کے خاطر منہ میں لٹا کر زبان	پھر زبان کس کام کی ہو وہ خود گوئی کر
شہید	تیرا منہ اے شہید اور اس کا گلہ	اُن رگوں کو بذر زبان الحفظ الحفظ

سرکشی

نصیر	لگے گی دم میں سرچنگ مانہ سرٹھانے پر	نہ آشنا مغوارہ ساں او پھلو خزانے پر
ذوق	جہاں میں سرکشی نوارہ ساں کرتا ہی جو کوئی	ولا آخر وہی پھر سر کے بل کرتا زمین پر ہے
ظفر	نفس بے قید و رکو قدر ہو کر تھوڑی سی جی	دیکھ پھر سامان اس فرعون بے سامان کا
شہید	موت نے کر دیا ناچار و گر نہ انساں	وہ ہے ہیں کہ خدائی کا نہ قائل ہوتا
ذوق	دکھانہ جوش و خروش اپنا زور پر چڑھ کر	کئے جہاں میں دریا بہت اتر چڑھ کر
ظفر	اس جہر پر تو ذوق بشر کا یہ حال ہے	کیا جانے کیا کرے جو خدا اختیار ہے
شہید	ظفر گر پڑے نوارہ سرکش کیونکر سر کے بل	ہے بلند ہی کے سر پر وساتھ پستی لگ گئی
ذوق	سرکشی کر کے گرا نوارہ آخر سر کے بل	جو کہیں سر پہنچے وہ ہیں بخت چھینتے
ظفر	زیر دستوں سے پیش آ تو زبردستی سے دیکھ	ہو گئے کتنے زبریاں زیر آنکھوں کے تلے
شہید	نہیں ہے فرصت اکدم پہ سرکشی زبانا	کہو جاب کو سرت نکال پانی میں
ذوق	سنگ سر ہے باد نخت آج اب آج	نامناسب اٹھانا یہاں سر نخت ہیں

سخت کلامی

میر	گلہ نہیں ہے ہمیں اپنی جاں گداز کی	جگر پہ زخم ہے اُس کی زبان دوازی
ذوق	اُس کی زبان کے عہد سے کیونکر نکل سکیں	کہتا ہوں ایک میں تو سنا ہوں ہیکو دس
سوز	شکستہ ہے زیادہ ہو کہنا کسی کو سخت	مرم پذیر نرم نہیں ہے زبان کاٹ
جرات	مرم پذیر کو نسا ہے گھاؤ جو نہیں	برایک زخم تیغ زبان کا نہیں علاج
شہید	سوباتیں نہ کہنے کی وہ کہتا ہی پھر ادب	کہتا ہوں تو کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں
جرات	جراحات لسان لہا لہا لہا	ولا یلتام ما جرح اللسان

سنگدل

میر مجھے تھے ترے دل کو سوکھا
ان سنگدلوں کو نہیں تائید کی
کام تو ارکو رہت اس سدا ان کا تھ
نالہ میرا کہو پیچھے میں اثر کیا کرتا
قالب میں کاش موم پر شعلہ بجای
جگر ہے سنگ تھا لارگ جگر رگ سنگ
تو ایک سنگ ہے ایسی تری کمر رگ سنگ

میر ہر کی تجھ سے توقع تھی سنگدل
سوز گواہ شرابا رہو یا نالہ بکا
درد جو بجا جو ہیں انھیں سنگدل ہی لازم
شہید جذب عشق اُسکے دل سخت میں گھر کیا کرتا
سینہ میں ترے کاش ہو پیچھے بجا دل
تو تھاری یہ اندر رقتا دل
تری وہ ٹکنت آئینہ نزاکت ہے

بالہ بین

شعر و سخن

میر کی طرح نہ ہو فکر کبھی روزی کا
طرز سخن سے پر کوئی آگاہ ہی نہیں
مگر ہے معنی اک شعر کا عشق
کام کرتی نہیں کچھ اب تو زبان کیا کچھ
جو غزل ہے سو وقت سے کہی جاتی ہے
گو عام نہ مجھے ہوں نہ میں عام ہوں
ہیں سارے اہل جہاں بول چال سو ادب

میر شعر کی فکر بن آتی ہے اُسی سے جس کو
معنی اے معنی سخن کا ہر اک کو غور سے
نہیں دل بستی ہرگز کسی سے
نزع کے وقت بھی ہم تنگ کرتے لیکن
معنی معنی فکر سخن ایسی کچھ آسان نہیں
شہید ہے خاص کو تو قدر شہید اپنے سخن کی
کر دکنارہ شہید اب تلاش معنی سے

شکایتِ فلک

اُن کو اس روز گار میں دیکھا
ایک ہم ہی رہے ہر طرح گرفتار ہوں
تقدیر ہرگز نہیں ہے عقدہ کشا ناخن ہلال
دولت کبھی کسی کو نہ دی اس نے بے زوال

میر جن بلاؤں کو میر سنتے تھے
درد اور توجھو ملے گھر کے بھی کچھ نقص
سودا گردوں کا ربتہ کھلے کیونکہ ہر حال
پارے کو دے ہر رتبہ اکیر بعد مرگ

اصلاح اُردو



پیوستہ جہان میں ہم نے اعلان کیا تھا کہ اُردو اور اُس کے رسم الخط کی اصلاح کر واسطے یہ تجویز مفید معلوم ہوتی ہے۔ کہ اُردو کے جو رسالے زبان کی اصلاح کے لئے تیار کئے جاتے ہیں اور زمان کے پہلوؤں پر بحث کیا کرتے ہیں۔ وہ ایک خاص کام میں اُن غلطیوں کا اظہار کیا کریں جو انھیں ناظرین و دیگر اشخاص کے خطوط وغیرہ میں نظر آیا کرتی ہیں۔ اس تجویز پر کہیں اور عمل ہو یا نہ ہو۔ لیکن ہم تو اس کو عمل میں لاتے ہیں اور آج سے اصلاح اُردو کا باب کھول دیتے ہیں۔

ہماری دیرینہ آرزو تھی کہ ہم اُس فطری ذوقِ زبان کے افادات کو جو عرصہ اُردو کا گہرا مطالعہ کرنے نیز عربی فارسی کی گرامر اور فصاحت و بلاغت پر قابو پانے کے بعد زبان کے معاملہ میں بہت بڑی حد تک قابلِ اشتادہ ہو گیا ہے۔ پہلک پر ظاہر کریں۔ اور طالبانِ زبان کے لئے ایک سی سہولت ہم ہو چائیں۔ لیکن رسالے کے کاروبار میں اتنی مہلت نہیں دیتے تھے کہ ہم اس کے لئے علیحدہ وقت نکالیں اور ایک جداگانہ تصنیف میں مصروف ہوں۔ اس باب میں ہم اُسی اُردو کو پورا کریں گے۔ اور چونکہ رسالہ تیار کرتے وقت اس باب کو بھی مکمل کرنا لازمی ہو گا اس لئے کوئی علیحدہ وقت اور خاص فرصت بھی درکار نہ ہوگی۔

مقصد کو شروع کرنے سے پہلے ناظرین کو یہ جان لینا چاہئے۔ کہ ہمارے اصلاح کسی خاص فرقہ کی پابندیوں سے بالکل آزاد رہیں گی۔ اُن کا وار و مدار عام مسلمہ قواعد مانے ہوئے اصول اور صحیح ذوقِ زبان پر منحصر ہوگا۔ دلی یا لکھنؤ والوں نقش قدم سے بال برابر نہ ہٹنا ہمارے خیال میں نہ صرف فضول ہے بلکہ زبان کی وسعت کو گھٹاتا ہے۔

ہماری کوشش ہوگی کہ جو بولی ہمارے ملک میں رائج ہے اُس کو حتی الامکان

کسی ایک غیر معین فصیح خط کی بولی سے مطابق کیا جائے۔ اور جو اختلافات ایسے ہیں کہ وہ کسی جگہ کی فصیح بولی سے بالکل جڑی نہیں کھاتے انھیں دور کر دیا جائے تاکہ ہندوستان کے مختلف خطوں میں ایک دوسرے کی بولی کے متاثر ہو کر اُردو کی علمی ترقی کو جو نقصان پہنچ رہا ہے وہ رفع ہوتا جائے۔ اور اردو ہندوستان کے اس سرے سے اُس سرے تک تقریباً ایک رنگ میں اپنا جلوہ دکھائے۔ اگرچہ بعض ناظرین کو جو زبان کی بحثوں میں حسن عقیدت کے لحاظ سے دلی یا لکھنؤ والوں کے سوا کسی اور کو وقت سے نہیں دیکھتے۔ ضرور خیال ہو گا کہ ہم جو کچھ لکھیں گے وہ اس وجہ سے غیر معتبر سمجھا جائیگا۔ کہ ایک غیر اہل زبان کا لکھا ہوا ہے۔ اُن کی آکاہی کے لئے ہم صرف اس قدر کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ اب خود اہل دہلی و لکھنؤ بھی یہ کہنے لگے ہیں کہ ہر وہ شخص جس کی مادری زبان اردو ہے اہل زبان ہے۔ اب وہ دعوائے انانیت سے باز آنے اور یہ ماننے لگے ہیں کہ زبان کی نسبت اہل زبان سے زبانداں کا قول زیادہ مستند ہے۔ نیالائت کی ترقی نے اُن کو کوس لمن الملکی بجانے سے روک دیا ہے اور صاف صاف کہہ دیا ہے کہ زبان کسی کے گھر کی لوٹڈی نہیں ہے۔ جو محنت اٹھائے وہ اُسے جیت لیتا ہے۔ ایسی حالت میں زبان کو دلی یا لکھنؤ کی تفصیل میں مقید رکھنا۔ اور باہر والوں کو غیر اہل زبان کہنے کے حقیر سمجھنا نا سمجھی کے سوا اور کچھ نہیں۔

ہم اپنے اس قدیم خیال کی صحت پر لکھنؤ کے مشہور ناول نویس جناب مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرار ڈیڑہ لکھناؤ کی زبان سے شہادت دلوانے ہیں وہ کہتے ہیں کہ:-

”یہ سچ ہے کہ دہلی اور لکھنؤ کے بعض شعرا اور مدعیان زبان دانی نے دوسرے شہروں کے شعرا اور انشا پردازوں کے ساتھ اکثر بے رحمی کا سلوک کیا ہے اور ان لوگوں کے اس قسم کے دعوے ہم بارہا سن چکے ہیں کہ ہمارے سوا کسی کو زبان آتی ہی نہیں۔ اور غیر شہر والوں کے کلام کو محض اس بنا پر الگ ڈال دیتے دیکھا

ہے کہ یہ اہل زبان کا کلام نہیں۔ اب اردو ترقی کر رہی ہے اور دہلی دکنہ سے زیادہ شاعر اور ادیب دیگر بلادِ مالک ہند میں پیدا ہوتے ہیں۔ جو بڑی محنتوں اور کوششوں سے تیار ہوتے ہیں۔ ایسے قابل لوگوں کی محض بے پردائی سے یہ کہہ کے تحقیر اور سبکی کر دینا کہ وہ اہل زبان نہیں ہیں انتہا درجہ کی بے انصافی دینا کی ہر ترقی یافتہ زبان میں جب وہ دور دور تک پھیلتی ہے تو اس میں مختلف لغات (ڈیالکٹ) پیدا ہو جاتے ہیں۔ مگر کسی زبان کے شعرا اور ادیبوں کو مختلف لغات کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا جیسا کہ اردو کے شعرا اہل زبان کر رہے ہیں قرآن یا ک کی تدوین کے وقت اگرچہ لغت قریش کو ترجیح دی گئی مگر یہ کبھی کسی کی زبان سے نہیں نکلا کہ یہی شاعری یا تنسیق دراکشی شاعروں کی زبان قابل لحاظ نہیں انگریزی میں بھی اگرچہ بہت سے لغات اور ڈیالکٹ پیدا ہو گئے ہیں۔ اور خراجِ ریت والوں کو اس کو اہل زبان ہونے پر بہت کچھ فخر و ناز بھی ہو مگر یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ لکھنے کے سخت تنقید کرنے والے اخبارات۔ یاد ہاں کے جادو بیاں مضمون نگاروں۔ علم ادیبوں۔ اور نازک خیال شاعروں نے امریکہ اور دیگر مقامات کے مصنفوں اور شاعروں کی محض اس بنیاد پر تحقیر کی ہو کہ وہ اہل زبان نہیں ہیں۔

اس نزاع کے دور کرنے کے پہلے اس بات کا تصفیہ کرنا چاہئے کہ ”اہل زبان“ کون لوگ ہیں اور ”زبان داں“ کا لفظ کون لوگوں کی نسبت استعمال کیا جانا چاہئے۔ لوگوں کی جو مادری زبان ہو اس کے وہ اہل زبان ہیں۔ مقامات اور ڈیالکٹ کے بدل جانے سے ان کے اہل زبان ہونے میں فرق نہیں آ سکتا۔

ہندوستان کے جن حصوں یا لوگوں میں عورتوں کی زبان اردو ہو عام اس کو کہہ چاہے کیسی ہی بگڑی ہوئی ہو اردو کہ اہل زبان ہیں۔ لہذا اردو کے اہل زبان کھنڈ کے حدود میں نیپلٹی اور دہلی کی چار دیواری میں بند نہیں بلکہ تمام اقلع ہند میں پھیلے ہیں ہمیں ہرگز یہ حق نہیں ہے کہ انہیں ان کے اس حق سے محروم کریں۔

اہل زبان کا لفظ بالکل اس سے متضاد ہے۔ کیونکہ بعض جہتوں سے وہ خاص ہے

اور بعض حیثیتوں سے عام ”زبان داں“ ہر اُس شخص کو کہیں کہیں نے کسی زبان کے لیسچر اور شعر و سخن کی طرف توجہ کر کے اُس میں بصیرت حاصل کی ہو۔ اور اُس زبان میں علمی حیثیت سے ترقی کی ہو عام اس سے کہ وہ اہل زبان ہو یا نہ ہو۔ لہذا بہت سوال زبان خاص دہلی اور لکھنؤ کے رہنے والے جہاں کو کہ بہت فصیح زبان بولتے ہوں ”زبان داں“ نہیں اور بہت وہ لوگ جنکی ماورمی زبان اُردو نہیں جہاں لکھنؤ نے اُردو زبان میں ترقی کی ہو وہ صحیح معنوں میں ”زبان داں“ کہے جانے کے مستحق ہیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اہل زبان ”زبان داں“ کے اس مفہوم کے طے ہو جانے کے بعد ہمارے نو عمر بھگڑنے والوں کا بھگڑا بہت کچھ طے ہو جائیگا۔

لیکن اس کے مقابل ایک اور بات کا خیال رکھنے کی ضرورت ہے۔ یہ خوب یاد رکھنا چاہئے کہ زبان محض ایک نقلی فن ہے۔ اُس کا استناد صرف سماع پر ہوتا ہے عقلی احتیاج سے اُسے مطلقاً علاقہ نہیں۔ اور فلسفہ و منطق کے چون درجہ کو عالم لسان میں مطلقاً فاضل نہیں کسی لفظ یا محاورہ کی صحت کے لئے سوا اس کے کہ اہل زبان دیا ہی بولتے ہیں۔ اور ان محاوروں میں استعمال کرتے ہیں کوئی عقلی اور منطقی دلیل ہرگز نہیں قائم کی جاسکتی۔

لہذا ہر نقلی فن کے لئے لازمی ہے کہ کوئی خاص چیز اہل استناد و قرار دے لی جائے جیسے علوم نقلیہ دینیہ میں قرآن و حدیث ہیں۔ ورنہ فکرو سخن میں طوائف الملوک پیدا ہو جاتے زبان کے غارت ہونے کا اندیشہ ہے۔ الفاظ و محاورات کی صحت کے لئے حکومتی کنٹرول لازمی ضرورت ہے اور وہ حیثیت ہمارے خیال میں دہلی و لکھنؤ کی زبان نے حاصل کر لی ہے جس سے انکار کرنا لڑی بغاوت ہے۔

بہر تقدیر ہمارے سوز و دیک یہ فیصل شدہ امر ہے کہ اگر دہلی و لکھنؤ والے کسی اُردو بولنے والے کو وہ کو اہل زبان ہونے کے حق سے محروم کریں تو ظلم ہے اور اگر کوئی گروہ ان شہروں کے معیار صحت ہونے سے انکار کرے تو باغی اور زبان فکرمیں امن و امان کا دشمن ہے۔ (دنگلدار بابت اکٹوبر ۱۹۶۱ء) باقی آئندہ

جاننے والے خاص بیدارین دو گھر باقی رہے تھے اور وہ بھی اپنا پیشہ کسی کو سکھانے نہ تھے اور ان حالات کی وجہ سے خوف تھا کہ کہیں یہ صنعت بالکل معدوم نہ ہو جائے تو اب نعمت یار جنگ بہادر نے خاص کوششوں سے قیام مدرسہ کی منظوری کا رستہ حاصل کی اور بڑی مشکل سے ایک کارنگر کو مدرسہ میں ملازم ہو کر کام سکھانے پر راضی کیا۔ دو چار دوسرے مدرس و کارنگر بھی ڈرائٹیک وغیرہ کی تعلیم اور بددی برتنوں کے موجودہ طریقہ ساخت میں زمانہ حال کے مذاق کے مطابق تبدیلیاں کرنے کے لئے ملازم رکھے گئے۔ اس مدرسہ کی ابھی کوئی رپورٹ شائع نہیں ہوئی تھی مگر مقامی اخبار کے معاینہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ متعدد طلبہ اس میں شریک ہو کر تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اس مدرسہ کی بدولت بددی برتنوں کی صنعت آئندہ فروغ پانے نہ پانے کے متعلق بعض مبصران تعلیمات میں اختلاف ہے کہا جاتا ہے کہ ریلوے لائن سے فاصلہ کی وجہ بیداروں کے لئے سیدہ دشوار ہے کہ وہ تجارتی شندوں میں اپنا مال ارزان نرخ پر فروخت کر سکیں۔ مگر یہ کوئی ایسی مشکل نہیں ہے کہ آسان نہ ہو سکے۔ ریلوے لائن کے قیام کی تجویز خود زرغور ہے علاوہ برین یہ کوئی خودی نہیں ہے کہ بیدار ہی میں سامان تیار کیا جائے مدرسہ سے شاگرد تعلیم پا کر حیر آباد وغیرہ میں اگر اپنا پیشہ چلا سکتے ہیں۔

مدرسہ ناما میں پیٹ کے قائم کرنے کا یہ منشا تھا کہ جلاہوں کے لئے کون کونسا کھان کھنٹ سے موجود ہیں کتابی تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ پارہ بانی کی تعلیم دی جائے اور انکو جدید ایجاد شدہ گرہوں سے کام لینا سکھایا جائے اور رنگ کے نئے ایجادوں سے آگاہ کیا جائے۔ مگر ابھی تک وہاں جدید قسم کے کرگے خریدے نہیں گئے ہیں نہ کوئی ناہل استاد مل سکا ہے۔

دارس حضرت قائم کوٹے سے سرکار عالی کا یہ منشا تھا کہ اہل حرفہ کی اولاد وہاں تعلیم کے ساتھ فنون کی تعلیم ہی حاصل کرے اور ایسی تعلیم دی جائے کہ اپنے پیشوں میں زمانہ حال کی ترقیات اور سائنس سے مدد لینے کی کوشش کر سکے۔ یہ مقصد بھی پورا

نہو سکا ہے کیونکہ ان مدرسوں کی تعلیم باشتنا و چند خاص امور ایسی نہیں ہے کہ وہ اہل حزنہ کے کارگاہوں سے زیادہ کام سکھا سکے۔ اور یہ مقصد پورا نہیں نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ قابل ترین استاد مقبول یا ہوارون پر لازم نہ رکھے جائیں اور مدرسوں کا انتظام و اہتمام ایسے شخص کے ذمہ نہ ہو جس نے سائنس میں کامل دستگاہ نہ حاصل کی ہو اور جسکو مصنوعات ہند کا وسیع تجربہ نہ ہو۔ خود برٹش انڈیا میں ایسے چھوٹے مدرسے ناکامیاب رہے ہیں اور یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ مکمل تعلیم کے مدرسوں میں آرٹ کی تعلیم کے مدرسوں سے زیادہ فروغ دینا اور زیادہ اہتمام کرنا چاہئے۔

مذکورہ بالا چار مدارس حرفت کے ماسوا ایک اور نیم سرکاری مدرسہ وکٹوریہ موریل آرنج کے ساتھ یتیم لوگوں کی تعلیم و تربیت کے لئے سرورنگٹن گرانی مصارف اور شاندار طہارتی کے ساتھ کھولا گیا ہے۔

ابند امین نواب وقار الملک جہا در نے بزمانہ صوبہ داری و رنگل لاوارث طفیل کی تعلیم و تربیت زیر پرورش کے لئے بمصارف سرکاری و رنگل میں یتیم خانہ قائم کیا۔ جب ملکہ وکٹوریہ آن جہانی کی یادگار قائم کرنے کے لئے بنیہ مصارف سرورنگٹن رزیدنٹ وقت محمد بہ جندہ جمع کیا گیا تو بہ تحریک نواب اکبر الملک یہ قرار پایا گیا کہ یتیم خانہ کی شکل میں قائم کی جائے جہاں ہر مذہب و ملت کے طفل لاوارث کی پرورش و تعلیم بلانبدیل مذہب کی جائے۔ سرکاری یتیم خانہ و رنگل اسی میں منتقل کر دیا جائے۔ سرکاری محل سرورنگٹن قیام یتیم خانہ کے لئے انتخاب کیا گیا ۱۳۴۱ ہجری ۱۲۹۸ م کو اسکا افتتاح ہوا اور اسوقت سرورنگٹن بار نے جو تقریر اغراض یتیم خانہ وغیرہ کے متعلق کی تھی اس میں انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ ہمارا ہی اصلی غرض یہ ہے کہ جس روز سے بتا مئی داخل یتیم خانہ ہوں ہم غصت کے دن تک عمدہ طور پر کسی ہنر یا فن کی تعلیم دیں تاکہ وہ سن شعور کو بھونچ کر اکتساب معاش کے قابل ہو جائیں۔ اس غرض کے حصول کے لئے مشاق معلّم مفید اور کارآمد فنون سکھائے

کے لئے مقرر کیے جائیں گے۔۔۔ اور جب کام سیکھ کر مشاق ہو جائیں گے تو قعبات
میں بطور کار آموزین کے متعین کئے جائیں گے۔ پٹیلوں یا دوسرے با اختیار لوگوں
سے اس امر کی طابقت لی جائیگی کہ جو تہامی اور نئے قصبوں میں بھیجے گئے ہیں ان کی
حفاظت کریں اور ان لوگوں پر فرض ہو گا کہ ہر تہام کی خوشحالی کی کوشش ماہہ روپ
کمپنی میں بھیجے رہیں تا وقتیکہ وہ یہ خوبی اپنے کاروبار کے لائق ہو جائیں اور سب
معیشت کر سکیں۔ ان ذرائع کا صرف نتیجہ یہی نہ ہو گا کہ تہامی خوشحال رہیں گے
بلکہ فنون کی تعلیم اور مالک محروسہ کے قعبات میں مقامی ضابطہ بھی ترقی کرے گا
کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ ہوشیار اور مشاق دستکار جن قعبات میں بھیجے جائیں گے وہ
سرسبزی اور کسب معیشت میں بہت ترقی کا باعث ہونگے تو جس سے محروسہ
میں ہی تہام خانہ مدرسہ حیدر آباد کوٹور یا مموریل کے سیکھ محسوس ہونے کے خود
دوسرے نوکوفنون سکھائیں گے اور یہ امید ہے کہ وہ بہت بڑی حد تک ملک
کی فلاح و بہبودی کا ذریعہ ہوں گے۔ اور جن قعبات میں وہ بھیجے جائیں گے
وہ ان کی جاعتون کے کارآمد رکن بن جائیں گے۔

اس تہام خانہ کی سالانہ آمدنی ساٹھ ہزار روپیہ سے زائد ہے مین چار سو
تہام اس میں پرورش پاتے ہیں۔ ایک زبردست کمپنی جس میں برٹش رزروٹ
وزر اور اعلیٰ ہندران سلطنت شامل ہیں اسکی سرستی ہے۔ اگرچہ اس کے قیام
پانچ سال گزر چکے ہیں لیکن اسکی کوئی رپورٹ پبلک میں ابھی تک شائع نہیں
ہوئی ہے جس سے اس کے کام کا اندازہ ہو سکتا۔ تاہم یہ کھٹا حقیقت سے
خالی نہ ہو گا کہ ان تہام کا ابھی تک بطور نہیں ہوا ہے جنکی پیشین گوئی سر ڈیوڈ
نے کی تھی بظاہر اسکی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ مدرسہ کے لئے عمدہ تعلیمی
فرام نہیں ہوا ہے۔ نیز پبلک انویس سے استفادہ نہیں حاصل کیا جاتا ہے
ساحفی محصول مصنوعات وغیرہ۔ ابتدائین نامدیڑ۔ ناراین پیٹ۔
اور نگ آباد کے مقامی مصنوعات پر سے محصول کو واپس لے کر دیا جائے گا

سر و کار الامر جو م نے معاف فرمایا تھا اوسکی مدت میں تو وسیع کی گئی۔ پھر ۱۹۰۵ء
 میں تانکھن تانی بلاتین مدت کل ممالک محروسہ کے مصنوعات پر سے محصول برآمد
 معاف کر دیا گیا۔ اس محصول کی سالانہ مقدار کم و بیش ایک لاکھ روپیہ ہوتی ہے
 اور اسکی معافی اسی طرح عظیم فیاضی ہے جیسی کہ سر سالار جنگ اعظم نے محصول
 محترمہ کے معاف کرنے سے ظاہر کی تھی۔ اس محصول سے جو اثراہل حرد ہرگز نہ
 اوسکو میں پیشتر لکھ چکا ہوں۔ معافی کے نتائج کے بارہ میں کوئی رپورٹ شائع
 نہیں ہوئی ہے۔ مگر نبض ابائی سرشتہ کروڑ گری کا بیان ہے کہ اس سے ابھی
 زیادہ ترادون تاجرون نے ہی نفع حاصل کیا ہے جو پیشگی رقم اہل حرد کو دیکر مال
 تیار کراتے ہیں۔ اور اسی بنا پر اس معافی کے اوشٹا دینے کی تجویز ہو چکی ہے۔ مگر
 میرے خیال میں ابھی اس جھوٹی سی رعایت سے رعایا کو محروم کر دینا وقت نہیں
 آیا ہے ابھی کم از کم دس برس تک اس معافی کے جاری رہنے کی ضرورت ہے۔
 ہندوستان کے دوسرے شہر تیاری مصنوعات کے متعلق ممالک محروسہ سے آسانی
 سخت مقابلہ کر رہے ہیں اور بمقابلہ ممالک محروسہ اون شہروں کے مصنوعات
 آسانی اور ارادانی سے تاجرون کو ملنے لگے ہیں اور جیدر آباد تک میں بیشتر فروخت
 ہوتے ہیں ایسی حالت میں اگر تاجرون کو ممالک محروسہ کے مصنوعات خریدنے
 میں فائدہ نہ ہوگا تو وہ پیشگی رقم دیکر مال کی فرمائش ہی سے باز آجائینگے۔ سرکار
 عالی کو یہ خیال نہ فرمانا چاہئے کہ اصل کارگروں کو اس رعایت سے فائدہ نہیں
 ہوتا ہے۔ اصول اقتصاد کے لحاظ سے ابتدا میں کسی محصول کی رعایت سے
 وہ تاجر فائدہ حاصل کرتے ہیں جو تیاری مصنوعات کے لئے پیشتر ہی سے اہل
 حرد سے معاہدہ کے ہوئے رہتے ہیں۔ کچھ عرصہ بعد جب مدت معاہدہ ختم
 ہو جاتی ہے اور تاجرون کو اپنے محصوروں کے مقابلہ سے دوچار ہونا پڑتا ہے
 تو وہ خود زیادہ قیمت کی خریدتے ہیں بہر حال سرکار کو اس معافی کے اوشٹا
 کے لئے بہ لحاظ رعایا پروری ہرگز خیال نہ فرمانا چاہئے۔

معافی محصول کے علاوہ ایک یورپین اکسپٹ کا تقرر مدارس حضرت وکار
خانجات محابس میں اصلاح و مشورہ دینے کے لئے کیا گیا۔ اب یہ تجویز ہے کہ
اس کے خدمات بالکلہ سرشتہ تعلیمات کے ہی تفویض رہیں۔ اس اکسپٹ کے
کارگر یون کی کوئی رپورٹ اب تک شائع نہیں ہوئی ہے مگر خارجاً یہ سنا جاتا
ہے کہ کارخانجات محابس میں اس نے کچھ اصلاحیں کی ہیں۔ مدارس حضرت
کے متعلق کچھ تجاویز وغیرہ پیش کئے ہیں۔

کارخانجات محابس میں کثیر رقم صرفت کی گئی۔
یہ ہے تفصیل سرکار عالی کی ان کوششوں کی جو وقتاً فوقتاً ترقی حصول
کے لئے کی جا چکی ہیں۔ اسکے کافی ہونے یا نہ ہونے کا اندازہ کرنے کے لئے
یہ دیکھنا چاہئے کہ برٹش انڈیا اور دوسرے ممالک میں کیا ہو رہا ہے۔
برٹش انڈیا کی سپریم گورنمنٹ کے ڈیپارٹمنٹوں میں سے ایک ڈیپارٹمنٹ
کا مرسن و انڈسٹری کے امور کا ہے جس پر ایک نمبر اور ایک سکرٹری مامور
ہے اور انکا کام ہے کہ تمام اون امور کا جو مصنوعات و تجارت سے تعلق رکھتے
ہوں تصفیہ کریں ملک کی صنعت و تجارت کے ذرائع سوجھیں۔

اس دفتر کے ماتحت متعدد مشورہ دینے یا تجارتی و حرفتی اطلاع دینے
والے دفاتر ایسے خزانہ منضبی میں سرگرم رہتے ہیں اس کے علاوہ ملک
لوکل گورنمنٹ کے ماتحت ایک جدا گانہ فکر حضرت و زراعت و تجارت کو
ترقی دینے کے لئے قائم ہے۔ مختلف کانفرنس اور کمیشنز وقتاً فوقتاً
قائم کی جاتی ہیں۔ خاص خاص افسر خاص خاص امور کی تحقیقات کے لئے متعین
کئے جاتے ہیں۔

سیکریٹری پورٹین اور اطلاعین سر مہینہ شائع ہوتی رہتی ہیں۔
مصنوعات ملک ہند خریدے جانے کے لئے ڈرویشوشن جاری کئے جاتے
ہیں۔ کارخانہ داروں کو نئی حرفتوں کے رائج کرنے یا اونکو ترقی دینے کیلئے

امداد دیکھاتی ہے۔ سیکڑون مقامی سیلون میں نمائش مصنوعات کے لئے گرا
دیکھاتی ہے۔ بڑی بڑی عظیم الشان نمائش گاہیں کھولی جاتی ہیں۔ ہر صوبہ میں
سرکاری صنعتی کالج اور مدارس قائم ہیں اور ایسے فنی مدارس کو بھی گرا
دیکھاتی ہے۔

انگلستان اور یورپ کو طلبہ سرکاری مصارف سے صنعت و حرفت سیکھنے
روانہ کئے جاتے ہیں خاص خاص صنعتوں کے لئے سرکاری مصارف سے
کارخانے جاری کئے جاتے ہیں۔ باوجود اس قدر گورنمنٹ کی کوششوں
کے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس نے اب تک اپنے فرائض پورے ادا نہیں
کئے ہیں

برٹش گورنمنٹ کے فیاض و رشن منیر افراد صنعتی مدارس ملک
چندہ سے قائم کر رہے ہیں لاکھ طلبہ کو یورپ و امریکہ جاپان میں انکا
لرشب دیکھ صنعتی تعلیم دلارہے ہیں۔ کارخانجات مشترکہ یا ذمی سرمایہ
سے قائم کر رہے ہیں۔

جو کام برٹش گورنمنٹ ہندوستان میں مصنوعات ترقی کے لئے کر
رہی ہے اس سے بدرجہا زیادہ کام یورپ امریکہ کی گورنمنٹیں باوجودیکہ
اؤنکی رعایا تعلیم یافتہ اور اپنے فرائض سے واقف ہے اور وہ ان کے کار
خانے خود ایسے ہیں کہ ان کے موجود ہوتے ہوئے کسی کوشش کی چنداں ضرورت
نہیں ہے اس قدر کام اپنے اپنے ملک کی صنعت کو ترقی دینے کے لئے
کرتے ہیں کہ اؤنکی کوئی حد نہیں۔ ایک اور بات یہ ہے کہ تمام سفرا
جو مختلف فرمانروان کے درباروں میں متعین ہیں اپنے اپنے ملک کی
صنعتوں کے فروخت ہونے نہ ہونے پر نظر رکھتے اور اپنی گورنمنٹوں
فوراً اؤسکی اطلاع دیتے رہتے ہیں۔ اور کوشش کرتے رہتے ہیں کہ
اپنے ملک کے منافع کے لئے دوسرے ممالک میں خاص رعایا حاصل

کرین۔ جب کبھی کوئی یورپین گورنمنٹ کسی مشرقی سلطنت کو اپنے ملک سے
 فرضہ دلاتی ہے تو ساتھ ہی یہ شرط بھی لگا دیتی ہے کہ اس رقم میں سے
 ایک خاص حصہ اس کے ملک کے مصنوعات مثل جنگی جہازات۔ آلات
 حربہ وغیرہ کے خریدنے میں صرف کیا جائے۔ بعض وقت یورپین گورنمنٹ
 اپنے ملک کے اشیاء کو دوسرے ممالک میں رواج حاصل ہونے اور وہاں
 کی تجارت اپنے قبضہ میں لانے کے لئے خاص طور پر کارخانہ داروں کو گزرتے
 دیا کرتے ہیں۔

اس مختصر تفصیل سے صرف یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ سرکار عالی کے
 ذمہ ایسا سے مصنوعات کے واسطے بہت کچھ کام کرنا باقی ہے۔
 اس امر کا اظہار نامناسب نہ ہو گا کہ سرکار عالی کے بعض ارکض
 خیال اعلیٰ ترین مشیران سلطنت کے ذہن میں یہ خیال راسخ ہو چکا
 ہے کہ گورنمنٹ نے ایسا سے مصنوعات کے لئے اپنے فرایض انجام دینے
 میں اور اب خود رعایا کے ذمہ ہے کہ باقی امور کی تکمیل کرے ان قابل تہ
 بزرگوں کو چاہئے کہ وہ اپنے مبلغ علم سے کام لین نظر کو وسیع کریں اور یہ
 دیکھیں کہ یورپ و امریکہ کی گورنمنٹس و کنگز برلٹن گورنمنٹ ہندوستان
 میں کیا کر رہی ہے اور یہاں سے ریاست سرکار عالی کی کوششوں کا
 مقابلہ کریں اور اسکے بعد یہ فیصلہ کریں کہ کیا سرکار عالی اپنے فرایض
 اور ذمہ داروں سے فائدہ ہو چکی ہے ؟

اس فصل کو پورا کرنے سے پیشتر یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ
 اعلیٰ حضرت ہندو کاغذی اور نواب عماد السلطنہ مرحوم کے درو اشادات کے
 اقتباس درج کئے جائیں جو گلبرگہ اسنگ مل کے سنگ بنیاد اور افیل
 کے وقت فرمائے گئے تھے اور جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فرمانرواؤں
 اور ان کی گورنمنٹ نے آج سے ۲۸ سال پیشتر کیا پالیسی ترقی معضرت

کے لئے قائم فرمایا تھی۔

اعلیٰ حضرت اقدس و اعلیٰ نے یہ فرمایا تھا میں آپ لوگوں یقین دلاتا ہوں کہ اس مل کے سنگ بنیاد قائم کرنے کے لئے جو چند روز بیشتر آپ لوگوں نے مجھ و دعوت دی تھی اسکے قبول کرنے میں مجھ کو نہایت مسرت حاصل ہوئی جب یہ مل بنے تیار ہو جائیگی تو اس ریاست میں دوسری مل ہوگی۔ دو برس بیشتر میں نے نرا کسٹنس ہر سال درجہ یک مرحوم کے ہمراہ حیدر آباد کاٹن مل کا ملا خطہ کیا تھا اور اس کے متعلق نہایت دلچسپی ظاہر کی تھی۔ مجھ کو یہ کہنے کی چند آن ضرورت نہیں کہ نواب سالار شاہ مرحوم کو میری ریاست میں اس قسم کے کارخانے قائم کرنے کی نسبت کیسے خیالات تھے کہونکہ ابھی اسکا بیان اس اڈرس میں ہو چکا ہے۔ اس بارہ میں میرا ادب سے بورا بورا اتفاق ہے میں ہی اس ملک کے مال و دولت کو زبانی کرنے کی نسبت غور فرمایا متوجہ ہونگا کیونکہ میں خوب جانتا ہوں کہ میری رعایا کی رفاه و بہبودی کے بڑھنے کا اگر ذریعہ ہے تو صرف یہی ہے۔ میں نے اس کام میں میں پوری دلچسپی لوں گا۔ اور ہمیشہ اسکے جانب متوجہ رہوں گا۔

آپ لوگوں نے جو اس مل کو میرے نام سے بنام گلبرگہ محبوب شاہی مل کمپنی لمیٹڈ موسوم کر رہی درخواست کی ہے اسکو میں نہایت خوشی سے منظور کرتا ہوں اور صدق دل سے امید رکھتا ہوں کہ اس مل سے مالی فوائد حاصل ہوں گے۔ اب میں اس خوش آئند خدمت کو جو اس خوشناما مل کو استعمال کرنے کے متعلق ہے ادا کرنے کے لئے آگے بڑھتا ہوں اور گلبرگہ محبوب شاہی کمپنی لمیٹڈ کا سنگ بنیاد نصب کرتا ہوں۔

نواب عماد السلطنت مرحوم نے بوقت انتقال یہ تعصیر ارشاد فرمائی تھی۔

آپ سب کو معلوم ہو گا کہ اعلیٰ حضرت ہند کا خلیفہ کی مرضی مبارک اوس زمین
حصہ لینے کی تھی جس میں آج صبح ہم سب جمع ہوئے ہیں اور جس کو میں اپنے خداوند
اور مالک اعلیٰ حضرت ہند کا خلیفہ کی جانب سے انجام دیر ہا ہوں۔

اعلیٰ حضرت کا منشا و مبارک تھا کہ اپنی تشریف اوری سے اس گہری دلچسپی
اظہار فرمائیں جو آپ ہمیشہ سابقہ ملکات کی ترقی و مصنوعات میں لیا کرتے ہیں مگر بد قسمتی
سے بوجہ علالت تشریف دلا سکے اور جب کو حکم فرمایا ہے کہ اس مل کا افتتاح کروں
ہم سب کو اعلیٰ حضرت کی عدم رونق افزوری پر بہت تیراج ہے اور میں باشندگان گلبرگ
کی اس بایوسی پر جو انہیں اپنے انا کی غمت متوقع عدم تشریف اوری سے ہوئی ہے
اظہار مدد دی کرتا ہوں۔ مگر ہم کو امید ہے کہ کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرنے پائے گا کہ
اعلیٰ حضرت گلبرگ تشریف لائیں گے اور اس گہری کامنایندہ پیشنگاہ جس مقام حضرت
نے سنگ بنیاد نصب فرمایا تھا وہاں اب ایک خوب صورت اور مضبوط عمارت تیار
ہو گئی ہے۔ میدان جو پیشتر دیران پڑا ہوا تھا اب ایک بڑی صنعت کام کر رہا
ہے اور جسکی وجہ سے قدیم شہر گلبرگ کی اہمیت میں اضافہ ہو جائیگا۔

آپ سب کو معلوم ہو گا کہ شہر گلبرگ وکن کا قدیم اور قابل دید شہر ہے اور ایک
زمانہ تک یہی فرمانرواؤں کا دار السلطنت تھا۔ صنعت و صنعت رونق پر تھی۔
تجارت کا بازار گرم تھا۔ باشندے دولت مند اور مرفہ الحال تھے۔ مضبوط اور
بلند گنبدین قدیم قلعہ جو بہت سی لڑائیوں اور محاصروں کو دیکھ چکا ہے۔ قدیم
عمارات جو اس مقام پر موجود ہیں سب کے سب ایک ایسے زمانہ کی یادگار ہیں
جو اب تقریباً فراموش ہو گیا ہے اور اس شہر کے گزشتہ دولت و عظمت کی شہادت
دے رہے ہیں۔ مگر حالات بدل گئے اور زمانہ کی گردش نے بہت سے تغیرات
پیدا کئے جس کا نتیجہ اس شہر کی بربادی اور تباہی ہوا۔ یہ شہر قریب قریب ویران
بن گیا تھا۔ تجارت بالکل برباد ہو چکی تھی اور گزشتہ با عظمت دور کو
سال خورہ گیند وں۔ منہدم قلعہ۔ شکستہ فصیل کے یاد دلانے والی کوئی

جز بابتی نہیں رہی تھی۔ جب حالت یہاں تک پہنچ گئی تھی تو خوش قسمتی سے ریکو
لائن کا رستہ اس شہر پر قائم ہو گیا اور یہ موقع اگیا کہ تجارتی کاروبار پر بیدار کیا
جائے۔ اس سے زیادہ خوش قسمتی یہ ہوئی کہ یہاں کی اعلیٰ افسری پر ایک ایسا
شخص مامور ہوا جس نے انتہائی دلچسپی اس کی ترقی اور بہبودی میں لی۔ بہت
محنت سے اس کی گزشتہ غفلت کو واپس لانے کی کوشش کی۔ مین یہ کہنا چاہتا
ہو کہ کلیرنگ کو تلمذ و تصفیٰ کا سب سے زیادہ بابان جو درخشان مقام بنانے کا چھوٹا
آپ سب ملاحظہ کر رہے ہیں وہی ذریعہ ہے۔ اس موقع پر مین اور ان کے بھائی
خدمات کا جو کلیرنگ کے متعلق نواب یا جنگ بہادر نے انجام دے دیں اعتراف کرنا ہوا
جب اس طرح اس کی صنعت کو ترقی دینے کا موقع ہاتھ آیا تو خانگی سرمایہ داروں
نے اس کی صنعت اور اس کی ذاتی نیز سرکاری امداد سے یہ مل فائدہ حاصل کیا
مقام کی بہبودی کا باعث ہو گئی۔ جبکہ اطلاع ملی ہے کہ اس سے ایک ہزار روٹوں کو
کام ملیگا۔ علاوہ برین اس ملک کی تجارت کو بڑھانے کا موقع ملیگا۔ جو مزارعین اس
ضلع کی زمینوں پر امداد میں عہدہ روٹی کی کاشت کرنے میں اس کو بھی عہدہ امداد ملیگی۔
یہاں کثرت سے پیداوار خام خاکہ روٹی کی پیداوار ہوتی ہے اور چند سال سے ملک
کو سوت اور پارچے بنانے کے لئے روانہ ہونے لگی ہے۔ یہ بات بدخوبی ظاہر ہے
کہ جو ملک صرف اشیاء خام کی پیداوار میں مصروف رہتا ہے وہ زیادہ نقصان
حالت میں نہیں ہوتا۔ انگلینڈ کی دولت کا مدار بہت کچھ مصنوعات پر منحصر ہے
جیسا کہ بریٹن کی خوشحالی کی وجہ یہی ہو رہی ہے۔ پچیس سال کے اندر
وہانے سرمایہ دار نہایت سرگرمی کے ساتھ اس صنعت کو ترقی دیتے رہے
ہیں۔ وہاں بہت سی گریٹ فیکٹریاں ہیں اور ان میں سے اکثر کی نسبت
جھگڑیہ معلوم ہوا ہے کہ وہ کامیابی کے ساتھ ترقی کر رہے ہیں۔ ہمارے
شعبہ صناعات میں عہدہ روٹی پیدا ہوتی ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ متنوع
مقامات کو سوت اور پارچے بنانے کے لئے روانہ کی جائے اور ہر کم اپنی ضرورت

کے لئے باہر کا مال خرید کر مین بہ مناسب اور ضروری ہے کہ ہم خود اسکو تیار کریں اور اسکی بدولت ہمارے ملک کے قمول میں اضافہ کریں۔ اس لحاظ سے کہ ایسی گزریان ملکی حرمت کے فروغ کا باعث ہیں علمحضرت اقدس واعلیٰ اس میں خاص دلچسپی لیتے ہیں۔

میر جالبس دانگر کثران کی رپورٹ سے واضح ہوتا ہے کہ اس مل میں ۲۰۰۰ تنکون اور ۲۰۰۰ کرگھون کے چلانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ نصف کلین نصب ہو چکی ہیں۔ عمارت قریب قریب پوری ہو چکی ہے۔ انجن یا دیگر کھیت ساحصہ کام لینے کے قابل ہو چکا ہے اور غنقریب پوری طاقت سے کام شروع ہو جائیگا۔ روٹی کی کاشت کرنے والے اضلاع راجور۔ لنگسگور۔ بیڑ۔ پیرینی کو اس گزری کی بدولت۔ روٹی فروخت کرنے کا بہتہ مل جائیگا۔ سہرت سوٹ اور معمولی پارے جنکی ضرورت اضلاع میں ہے اس مل کے ذریعہ میسر ہونے لگیں گے۔ آئندہ چل کر کیا ضروریات اس مل کے ذریعہ پوری ہونگی انکی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اسکا علم ہم کو حیدر آباد مل سے جو ہمارے گھر کے قریب ہے ہو رہا ہے۔

جھکو امید ہے کہ زیادہ زمانہ گزرنے نہ پائیگا کہ بہت جلد اسی قسم کی گزریان سرکار عالی کے فکر و کے مختلف حصص میں قائم ہو جائیں گی۔ اور وہ حرمت و تجارت کی ترقی کا باعث ہونگی۔

سرکار عظمت مارنے جسکا بہت قابل اور ہر دلعزیز ریسیزینٹو آج میرے ساتھ براہ مہربانی موجود ہے اپنی برامین حکومت میں صنعت و حرفت کو ہندوستان میں خاص ترقی دی ہے۔ جھکو ہر طرح سے امید اور یقین ہے کہ آئندہ جھکو راست سرکار عالی کے طول و عرض میں صنعت و حرفت پوری قوت کے ساتھ ترقی ہوگی۔

اختتام تقریر سے پیشتر میں ضروری سمجھتا ہوں کہ مسٹر سپانٹی پریچرین

آٹ دی بورڈ آف ڈائریکٹرس اور مسٹر اکلنڈ یا سرگرم مینجنگ ڈائریکٹر کی ان
کوششوں کا جو مل کے قیام کے لئے ہوئی جن کی ذکر کروں - حقیقت تو یہ
ہے کہ ان کی ہی محنت اور ان کی ہی ہوشیاری - ان کی ہی معاملہ نمئی تھی کہ یہ مل
قیام ہوئی اور اسکے قیام کا کرڈٹ بالکل لے نکوسی ملنا چاہئے -

محبوب شاہی اسپیننگ انڈو فونگ مل کو ہر طرح سے کامیابی اور
فلاح حاصل ہو - یہ سیری دلی دعا ہے - اور اسی پر تقریر کا خاتمہ ہے -
مجھ کو یقین ہے کہ ہر شخص جو یہاں موجود ہے اس دعا میں غلوں کے ساتھ
شریک ہوگا -

اس موقع پر کچھ لکھنا مناسب نہ ہوگا کہ حیدر آباد کو انٹریکون سے جو
اس زمانہ کے بعد ہی سے شروع ہو گئیں سابقہ نہ بڑاتا - حکام سلطنت
دو ذرا سے مملکت اسی جوش اور اسی یالسی سرکام کرتے آتے جو ان دوروں
تقریروں سے جہاں ہے تو ماشاءہ حیدر آباد کی مملکت کچھ اور سی زرخار حالت
میں ہوئی - مگر افسوس ۲۸ سال گزرنے کے بعد وہی حالت ہے جو پیشتر تھی
نہیں بلکہ بگڑی ہوئی ہے لعل اللہ محدث بعد ذالک اسرا -

فصل چار دہم

نمائندگان

اس فصل میں کسی قدر تفصیل ان نمائندوں کی کی جاتی ہے جن کا
ذکر اس سے پیشتر کی فصل میں ہو چکا ہے -

باوجود کوشش و تلاش - لنڈن مملکت کی نمائندوں کے متعلق حالات
نہیں مل سکے کہ کیا کیا چیزیں ان نمائندوں میں پیش ہوئی تھیں اور یہ قابل
اشیاء و ممالک غیر حیدر آباد کی چیزیں کس رتبہ میں شمار کی گئیں - صرف یہ
معلوم ہوا ہے کہ نمائندگان لنڈن میں درجہ کے وہ قائلین جن کا تذکرہ اس

سے پیشتر ہو چکا ہے خاص طور پر پسند کئے گئے تھے اور اپنی وضع میں بہترین مانے گئے تھے۔ نائٹنگلاہ کلکتہ میں مالک محروسہ کے معنوعات مشرقیہ کئے گئے تھے جسین دزگل کے قالین بیدری برتن۔ اورنگ آباد۔ مانڈیٹ وغیرہ کے پارچے اور مختلف شیا بھی تھے۔ بعض چیزوں پر انعامات اور تحفے بھی ملے تھے۔ نارائن پیٹ کے دباغت شدہ چھڑوں کے لئے برنجی تنغہ ملا تھا۔ دزگل کے ایک ریشمی قالین کی جو دہان تھا (سمٹلے) قیمت تھی۔ ایک اور قالین قیمتی ملا۔ اور ایک سوئی قالین قیمتی ملا۔ یہی پیش ہوا تھا۔

حیدرآباد کی شہزادہ کی نمائش کے متعلق بھی بیچنے والے اس کے اور کوئی بات معلوم نہیں ہوئی ہے کہ بہ مقام چادرگھاٹ بہ حکم سر سالار جنگ اعظم کوئی کمی تھی۔

سب سے پہلی نمائش جبکہ کچھ حال معلوم ہوا ہے وہ شہزادہ کی انڈو کلونیل گزیشن ہے جو انگلستان میں کہوئی گئی تھی۔ اس نائٹنگلاہ میں مالک محروسہ کے معنوعات رکھنے کے لئے ایک خوشنما اسکرین تیار کیا تھا اور اس کے ساتھ حصے کئے گئے وسطی حصہ میں تو جاناہ سرکار عالی کے سپاہیوں کا بنایا ہوا عمدہ ترین تقریب رکھا گیا تھا۔ باقی حصے میں اورنگ آباد نائڈیٹ بیدر دزگل محبوب نگر راجپور وغیرہ کے تیار شدہ شیار رکھے ہوئے تھے جن میں سے بعض کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ اورنگ آباد کے تقریبی اور طبع کے عطردان۔ گلاب۔ ماش۔ پاندان۔ قلدان۔ سنگاردان ان چیزوں کی نسبت یہ اسے خاص کر کی گئی تھی کہ کوئی شخص بہت اچھی کاریگری کا نمونہ نہیں مگر اس صنعت میں ترقی کے لئے ابھی کافی جگہ باقی ہے۔ ایک کاریگری کام کی گران پراسند اور مینر پوش جو خاص طور پر پسند کئے گئے تھے۔ قیمتی اور نفیس زربین پارچے۔ مانڈیٹ سے خوش

وضع اور نفیس مل - ڈوریہ - اور سیلہ ان باریوں کی خوبی یہ تھی کہ ہر ہر
تھان کا طول ۴۴ اگر تھا مگر اس کا وزن صرف نصف سہ تھا - اور ایک معمولی
انگوٹھی کے حلقہ میں سے اس کے طول کو نکال لیا جاسکتا تھا بغیر اس کے کہ کپڑے پر
کچھ دباو پڑے یا جھول آئے -

بیدر سے بیدری برتن کا ایک عمدہ ذخیرہ جو اس سے پہلے بھگتیاں
میں نظر نہیں آیا تھا جس میں طشت آفتابے - ہراجیان - کشتیان - حقے
قلدان - پاندان وغیرہ تھے - کشتیان جو آبی تھیں ان میں مختلف ہندو
دیوتاؤں اور دیویوں کی تصویں بنائی گئی تھیں اور ان کا شش پہلک کے لگو
پچسی کا باعث تھیں -

وزن کل کے قیمتی اور نفیس ریشمی اونی سوتی قالین - اور
محبوب مگر کمی رنگ روغن کی ہوئی جو بی چیز میں خاص طور پر عمدہ سمجھو
گئی تھیں ان میں نیلے - پلاٹنگ پیپر سیاہ و کشتیان - صند و نیچے وغیرہ
زیادہ قابل تعریف خیال کیے جاتے تھے -

راجپوتوں سے مل اور مٹی کی بنی ہوئی چیزیں - مذکورہ بالا اشیاء کے علاوہ
دوسری چیزیں خاصہ عمدہ تیار ہی بکثرت تھے - ہمچہ معلوم نہ ہو سکا کہ کن کن
چیزوں پر مٹے وغیرہ عطا ہوئے - انڈین کلونیل اگر کمیشن کے بعد گلاسگو
اور بلوون میں نمائشیں ہوئی تھیں اور ان میں مالک محروسہ کے موصوفے
بہی روانہ کئے گئے تھے - جن میں سے بعض چیزوں پر مٹے ملے - ان کے
معلق ہی مزید تفصیل معلوم نہ ہو سکی -

شاہ عالمین ایک عظیم الشان نمائش گاہ جہاں گو میں کہوئی گئی تھی
جس میں تمام دنیا کی ترقیوں کو ایک جگہ بتایا گیا تھا - گورنمنٹ ہاؤس
اور دیسی ریاستوں نے ہندوستانی مصنوعات کو نمائش گاہ میں رکھے
جانے کے لئے خاص اہتمام کیا تو سرکاری نے بھی اس میں شرکت کی -

گورنمنٹ آف انڈیا نے ایم ٹیلری نامی اسٹرین تاجسہ کو جو ہندوستان
میں ہندوستانی نوادرات وغیرہ کی تجارت کرتا تھا کچھ رستم دی
کہ وہ ہندوستان کے اشیاء فروخت کرنے کے ایک اسٹال بنائے
اور وہاں خود ہندوستانی اشیاء کو اپنی گروہ۔

سے خرید کر یا امانتاً لیکر فروخت کرے ویسی ریاستوں نے
بھی اسی شرط پر رقوم دئے۔

صاحب عالیخان بہادر نے سرکار عالی سے سفارش کی کہ اسی
کے ذریعہ مصنوعات ملک سرکار عالی روانہ کرنے کا انتظام کیا جائے
سرکار عالی نے اس معاملہ کو سید محمد حسین صاحب مرحوم ناظم ذرمت
و تجارت کے سپرد کیا اور بعد بحث و گفتگو یہ معاہدہ ہوا کہ سرکار عالی
حکام مال وغیرہ کے ذریعہ مال تیار کر اگر حیدرآباد میں جمع کرے
اور اس میں (۱) مال ایم ٹیلری خمدید لینگ۔ سکا
عالی ایم ٹیلری کو (۲) اپنے پاس سے دے گی کہ وہ ایک خاص
اسکرپشن میں بیان کا مال حیدرآباد کے شایان شان طریقہ سے سجا کر
فروخت کرے جس چیز پر انعام ملے گا اس کے اصلی بنانے والے
کو دیدیا جائیگا اور نقد ختم نمائش ایک رپورٹ دربارہ طریقہ
ترقی تجارت مصنوعات ملک سرکار عالی ملک امریکا پیش کریں
سامان جمع کرنے کا کام سید محمد حسین صاحب کے تفویض
ہوا اور وہ اول تعلقہ اران اضلاع وغیرہ کے ذریعہ مال تیار
کرتے گئے۔

چونکہ ایم ٹیلری سامان کو جنگر لینے والے تھے اس لئے
ضروری خیال کیا گیا کہ کم و بیش ایک لاکھ روپیہ کا سامان تیار
کیا جائے۔ اور یہ لحاظ اس کے کہ اضلاع کے کاریگر مفلس ہیں

اور غیر پیشگی رستم مال تیار نہیں کر سکتے سرکار عالی کے خزانہ سے
ان کو رستم دیدی گئی۔ بلکہ کے کاریگروں کو بھی آادہ کیا گیا کہ اپنے
مال کو بھی پیش کریں۔

جب ایسا موقع بلکہ مین مال فراہم کرنے کا حاصل ہوا تو
سید محمد حسین صاحب کو خیال پیدا ہوا کہ کیون نہ ان سب عہدہ داروں
کو دیکھنے کا موقع عام طور پر دیا جائے نیز حصہ خیال کیا گیا کہ جو مال فروخت
نہ ہوگا اس کے واپس کرنے میں لانے والوں کو بیدنی ہوگی اس لئے
جہان ملک ممکن ہوا اس کے فروخت کی شکل پیدا کی جائے اور
اسی بنا پر وہوں نے تحریک کی کہ اواخر دسمبر ۱۹۶۲ء میں ملک
نمائش عید آباد میں کہوتی جائے۔ سرور قارا لہ امر مرحوم جو اس وقت
معین المہام مال تھے۔ اور نواب اسد جنگ بہادر نے اس تحریک کو
پسند فرما کر تائید کا وعدہ کیا اور آخرش نواب سر اسما نجاہ مرحوم
مدار المہام سرکار عالی نے اس تحریک کو منظور فرمایا۔ ملک میں
کمیٹر لگا کر نمائش کے لئے پسند کی گئی اور اعلیٰ عہدہ داران سرکار عالی
کی ایک جنرل کمیٹی انتظام نمائش کے لئے بصدارت نواب سرور قارا لہ
مرحوم قائم ہوئی اور اس کے ماتحت متعدد سب کمیٹیاں بنائی گئیں۔
ہر قسم کے مصنوعات پر جمعہ و انعامات مقرر کئے گئے۔

آلات زراعت۔ سرکاریون مختلف قسم کے جانوروں اور سواروں
وغیرہ کی نمائش کیا ہی انتظام کیا گیا۔ اخلاص سے بعض اہل حرفہ بھی بلوائے گئے
وہ اپنا کام کرتے ہوئے نمائش میں دکھائے جا لیں۔ اسپورٹس کشتی وغیرہ کا کشتی
کیا گیا حیدر آباد۔ ہندوستان کے تاجروں کو موقع دیا گیا کہ اپنا مال نمائش پر
روانہ کریں ریلوے کے کرایہ میں تخفیف کرائی گئی۔ ان ملازمین کے لئے جو اخلاص
سے نمائش میں آنا چاہیں خاص قسم کی رخصت دئے جانے کے احکام صادر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نمبر صحیفہ جلد

اڈیویل

صحیفہ کے دلی محب و ہمدرد اور ہمارے دست و بازو جناب نشی عبد السلام صاحب نے اس مہینے میں صحیفہ کی توسیع اشاعت کے لئے کلہر گہ در پچور وغیرہ کا سفر اختیار کیا۔ باوجود کم سنی کے ان کی یہ عالی حوصلگی بہت سی اسیدوں کا نشانہ معلوم ہوتی ہے۔

وہ اگرچہ ایک مجبوری سے ان دونوں مقامات پر بہت کم قیام کر سکے پھر بھی ان کا سفر خالی نہ کیا اور انھوں نے کچھ نئے خریداریاں بھی ہو جانے۔ ایسے نوجوان اور پر جوش دوستوں کی کوششوں کو ہم بہت وقعت سے دیکھتے ہیں۔ اگر ہمارے مانس ایسے ہونہار اور عالی حوصلہ بچوں کو زیادہ پیدا کیا کریں تو ہرے دن جلد پھر جائینگے اور آج ہم جس ذلیل حالت میں پڑے ہوئے ہیں وہ کل غرت و برتری سے بدل جائیگی۔

عبد السلام صاحب کو اپنے مقصد میں ناکام نہ رہنے کا قوی سبب ایذا

مولوی سید محمد یوسف الدین صاحب صوبہ دار صوبہ گلبرگہ کی وہ عنایت فرمائی ہے جو جناب موصوف کی جانب سے صحیفہ پر ابتدا سے بذول ہے۔ آپ نہ صرف صحیفہ نہایت دلچسپی سے ملاحظہ فرمایا کرتے ہیں۔ بلکہ اس کے مضامین اور اس کی زبان کو بھی بہت پسند کرتے ہیں۔ اور کئی مرتبہ توسیع اشاعت کیلئے متعدد اصحاب کے نام سفارشی سر فرمائے محنت فرما چکے ہیں۔

چنانچہ اس مرتبہ عبدالسلام صاحب کو بھی عہدہ داران گلبرگہ کے دراجو کر نام متعدد سفارش نامے عطا فرمائے اور اسی کی بدولت چند نئے خریدار بہم پہنچے۔ اگر دوسرے عہدہ داروں کو بھی علم کا ایسا ہی مذاق ہو جیسا کہ جناب ممدوح ہے تو ملک کی جہالت برسوں کے بجائے مہینوں اور مہینوں کے بجائے دنوں میں ہو سکتی ہے۔

صحیفہ جناب ممدوح کے بذل التفات اور قدیم عنایات کا نہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اسی ذیل میں جناب محمد عبدالرب صاحب تحصیلدار گلبرگہ کی خدمت میں بھی نگر و امتنان پیش کیا جاتا ہے جن کی نوازش و مہربانی ایسے زمانہ میں جبکہ گلبرگہ حضرت خواجہ گیسو دراز کے عرصہ کثرت مہمانوں اور مسافروں کا ملجا و ماوا بنا ہوا تھا۔ قیام کی جانب عبدالسلام کی رات و دلچسپی کا باعث ہوئی۔ صاحب موصوف نے نہ صرف اپنے دولت میں قیام کی اجازت دی بلکہ مہمانی کی غرت بخشش کے خورد و نوش کی فکر سے بھی مطمئن کر دیا خدا انھیں اجر بزرگ عطا فرمائے۔

چوتھی مثال۔ اس قسم کی مثالیں بلاشبہ آب زر سے لکھنے کو قابل ہیں جو اپنی کسی قسم کی ذاتی خوشی کے متوقع پر بجائے اس کے کہ جن اور جیسے منفعت کریں اور قص و سرود کی مخلوق کو روپیہ اٹھائیں۔ علمی مہم دمی کی کوئی پائدار و منفعت بخش یادگار قائم کر کے نہ صرف خادمان علم کا حوصلہ بڑھاتی ہیں بلکہ ماجور و متاب بھی ہوتی ہیں۔

ہمارے قدیم عنایت فرما جناب خواجہ محمد فیاض الدین صاحب سرزنتہ و آبکار فی ضلع میدک سے ناظرین صحیفہ بخوبی واقف ہیں۔ صاحب ممدوح علاوہ صحیفہ کو

سرگرم معاون و مدبر بنی ہونے کے اپنی علمی امداد سے بھی اُسے مالا مال کرتے رہتے ہیں چنانچہ حال میں اُن کا ایک چھپے پھون دیوان حافظ کی نالوں چھپیفہ میں شائع ہو چکا ہے۔ صاحب موصوف فرانس بیٹھیں میں پندرہ روزہ مارکیٹس بدیں غرض روانہ فرمایا جس کا ایک ترجمہ (انسپکٹری گانج) پر ممتاز ہونے کے شکر میں اُنکی جانب سے پانچ غریب طالب علموں کے نام صحیفہ جاری کیا جاسکے۔ بارک اللہ اور نفع درجائے۔

اس قابل قدر فیاضی کے صلہ میں ہم اُنکی ترقی و درجات کو دل چاہی میں اور امید ہے کہ ناظرین بھی اس تمنائیں ہمارا ساتھ دیں گے۔

چونکہ مفت بات آئی ہوئی چکر زیادہ قدر نہیں کیجاتی اس لئے غریب طالب علموں کو مفت رسالے نہیں دینا چاہتے اور اعلان کرتے ہیں کہ جو طلباء اس رعایت سے مستفید ہونا چاہتے ہیں وہ کم از کم ایک روپیہ بھیجیں تو اُنکے نام ایک سال تک رسالہ جاری کر دیا جائیگا اگر وہ ایک روپیہ بھی بھیج سکتے ہوں تو صرف ایک سنا خریداری پیدا کریں اتنی خدمت بھی کافی ہو سکتی ہے۔

وضع ہو کر پانچ خریدار طلباء کو پہلے سے رعایتی قیمت صحیفہ لارہے ہیں اس رعایت سے مستفید ہو سکتا حق نہ ہو گا کیونکہ یہ بات صحیفہ کی توسیع اثر کی سنانی ہے اُنکے لپٹی کافی ہے کہ وہ پہلے سے رعایتی قیمت پر رسالہ اور کتب لارہے ہیں یہ اعلان صرف طلباء کا ساتھ مخصوص ہے۔

ہمدردی پہلے گھر سے شروع ہوتی ہے۔ بعض بعض متمولوں اور خوش باشوں کی نسبت کبھی کبھی یہ سننے میں آتا ہے کہ اُنھوں کو کسی باہر کی قومی مجلس یا مدرسہ یافتہ کو کچھ چندہ یا اس کو بعض قومی دور کھنے والوں کو شاید جو تسی ہوتی ہوگی لیکن ہمیں تو افسوس ہوتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ جو روپیہ ایسے کاموں میں باہر دیا گیا ہے اگر وہ لہو لعب یا فضول اخراجات کی بھینٹ چڑھایا جانے والا تھلہ تو وہ ضرور ایک عمدہ مصروف میں نکالیا گیا لیکن اگر اُسی قسم کا مصروف گھر میں کل سکتا تھا تو باہر اُس کا دیا جانا لمبے عمل ہے۔

اس سے قطع نظر اگر اعمال بالنیات کو مصداق پر ایسے معیو کی تیتوں کو مٹولا جائے اور اُن کی تیس صرف شہرت و ذمہ آدری پالی جائے تو اور بھی افسوس کے قابل بات ہوگی۔

نیک کاموں کی مدد و اول تو گھر سے شروع ہونی چاہئے اور پھر خالصاً وجہ اللہ ہونی چاہئے جو بدوان اغراض سے خالی ہوگی وہ نیک نہیں کہی جاسکتی۔ وہ اسراف میں ڈھل ہوگی اور اُسکا شمار ان ہی فضولیات میں کیا جائیگا جو ہماری مالداروں کی ناقدری و دولت کا ثمرہ ہیں۔ خیرات اور نیک کاموں کی وہ اسکے آداب میں سے ہے کہ جہاں تک ہو سکے

طور پر رکھ جائے۔ جبکی علت غائی یہی ہے کہ نام اور شہرت کا خیال کو دور رکھا جائے۔ ورنہ کرنے والوں کو بہت نیکنامی ہی مقصود ہو سکتی اور جن مواقع میں مدد کرنے سے نیکنامی کا سہو ہو جاتا تو انہیں نظر آنے کا خوف دیکھ کر ہی توجہ مدد کیوں نہوں وہاں انکا دل نہ پیچھا اور وہ ہمدردی پر مائل نہ ہونگے۔

یورپ اور امریکہ کے گڑھے پستی جب خیرات کرنے پر آتے ہیں تو پہلے اپنی ملک کو یاد کرتے ہیں نیکی و جذبہ میں ڈوکر وہ انہوں کو بھلا اسکے بیکانوں پر نہیں فرمان ہونے لگتے۔ اگر وہ ہا کوئی چندہ بھیجتے بھی ہیں تو پہلے گھر کو مال کر دیتے ہیں۔ اور پھر اس شان سے دیتے ہیں کہ بنگ گھر سے لاکھوں پونڈ کی رقم سختی مدد کو پاس پہنچ جاتی ہے اور دینے والا ایک نام تک نہیں ظاہر ہوتا۔ اسے ہم سمجھتے ہیں کہ یہی قسم کی امدادیں محض مانگنے والوں کے حسن طلب اور کام کرنے والوں کے علی پوریشن کی بدولت حاصل ہوتی ہیں ورنہ دینے والوں میں اصلی دردی کھٹک اور حقیقی ضرورتوں کا احساس ظنی نہیں ہے پس ایسا دینا نہ دینے سے برا ہے۔

ہندوستان کو بعض دیدہ و زیب رسالوں میں ہمارے جاننے والے بھی کبھی کبھی مضامین ڈنٹیں روانہ کیا کرتے ہیں۔ اس پر ہمارے احباب ہم کو پوچھا کرتے ہیں کہ وہ مضامین ہیں کیوں نہ اس کا سبب ہم کیا بتا سکتے ہیں۔

خالد ان رسالوں کی ظاہر ہی آب و تاب عمدہ لکھا کی چھپائی۔ اور بڑھی ہوئی اشاعت مضمون صحیفے کی سفارش کرتی ہوگی۔ غریب صحیفہ ان فضائل سے اب تک محروم ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ گھر کی مرغی والے براہ معلوم ہوتی ہے صحیفہ کو گھر والے اسی قدر سے نہیں دیکھتے جتنی باہر والے اس کا ثبوت ان مضامین اور نظموں سے ملتا ہے جو ہندوستان کے مختلف حصے سے بغرض طبع و ذوق صحیفہ میں وصول ہوتے ہیں مگر ان سوس کہ خود وہاں کے مضامین پوری گنجائش نہیں پاتے اس لیے وہ مضامین دبیج نہیں کی جاتی ہیں اگر گھر والے اپنی چیز کی قدر کریں اور اپنے کام کرنے والوں کا مات بٹائیں۔ تو اسے باہر کی چیزوں سے (جو اپنے بے شمار مریضوں کے برتے پر قابل تنگ معلوم ہوتی ہیں) کسی حیثیت میں شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

جناب لمحہ حیدر آبادی کی شیطان والی نظم میں چند غلطیاں چھپتے وقت جاری اصلاح سے پیدا ہو گئی ہیں۔ ناظرین لمحہ صاحب کی طرف ان غلطیوں کا انتساب نہ فرمائیں۔

ادنیوزیل

نگارِ شیطان

اس دُچھپ ذمہ بنیہ نظم کو جناب مکہ حیدر آبادی نے جباری خاص فرمایا ہے
بہت عجلت کے ساتھ صرف تین دن کے عرصہ میں تیار کیا ہے۔ اس طویل کہانی
سے جو نتیجہ نکالا گیا ہے۔ وہ نہایت مفید اور قابل عمل ہے۔ غالباً ہمارے ساتھ
ہمارے ناظرین بھی جناب موصوف کے ممنون ہوتے بغیر نہ رہیں گے۔

ادبیر

جاوہ گرا اپنے تخت شاہی پر
اور گردن میں طوقِ لعنت کا
لب پہ جاری خلقِ حق میں نادر
دل میں دوپہج و تاب کھاتا تھا
کچھ انسان کو ذلیل و حقیر
دو جہاں میں ہوتا خراب تباہ
کریں سجدہ ہلکے معاذ اللہ
دست بستہ تھے حاضر و بار
کیا کیا تو نے آج کام بہت
تو نے کس کس کو آج ڈھکیا
مجھ سے ویسا ہی پائیکا انعام
اپنی انبی شہزادوں کو بیباں
میں نے آج اک کو قتل کر دیا
کیا اک پار سا کو مست و خراب
اک بڑے باخدا کو بے پھانسا

اک دن ابلیس تھا بیزیت و سر
سر پہ تھاج کبر و شوخ کا
جسم میں آتشِ قبا کلنار
سجدہ آدم کا یاد آتا تھا
تھی جی فکر اُس کو دامنِ گم
ہر طبع اس کو کیجئے گمراہ
مشتِ خاک اور یہ شرف یہ جاہ
اور نشیا طین سارے ناہنجار
وہ لیں یوں ہر اک سی پوچھتا تھا
تو نے کس کس کو آج بہکیا
آج جس نے کیا ہے جیسا کام
پھر تو کرنے لگا ہر اک شیطان
ایک نے فخر سے یہ نہر مایا
دوسرے نے کہا پلائی میں نے شہ آ
تیسرا بولا میسر کیا کہنا

تھا وہ عابد ستارہ پیشانی
غرض اس طرح سے ہر اک شیطان
سارے شیطان بیان کر چکے جب
آیا آخر میں ننگر اک شیطان
ضعف پیری سے جھک کر جلیا تھا
دست و پا ریشہ دار زیدہ نگاہ
ایک گرگ کہن تھا وہ ناری
آنا بوڑھا تھا وہ شقی گویا
روسیاہ اور سفید سر کے بال
آتے ہی کوزش سجبا لایا
جوڑ کر ہاتھ اور دیکے دعا
رہے قائم تخت و جاہ و جلال
دوست ہوں تادا اور حد و ناشاد
ہوں نمک خوار بندہ سرکار
جب تلک دست و پا میں قوت تھی
میری دہشت تھی سب کو میرا ہول
کتے کیتے غضب میں دھاتا تھا
جیسا کچھ تھا میں جانتے ہیں حضور
کر دیا ہے زمانہ نے ناچار
لیکن اب بھی بہ بندہ دیریں
کچھ نہ کچھ ابھی کر گزرتا ہوں
میں دکھاتا ہوں باغ منبر ابھی
کل ہی کا واقعہ یہ ہے شاہ

کر دیا اس کو مسلم وزانی
اپنے کر قوت کر رہا تھا بیاں
اپنے اپنے کمال اور کرتب
پیر قوت قد بشکل کماں
ننگر آتا تھا اور سبھلتا تھا
گرم دسہر زمانہ سے آگاہ
یا در و باہ بازیاں ساری
سارے شیطانوں کا تھا پردا
شکل و صورت بھیانک انکھیں لال
دیا جھک کر زمین پر بوسہ
با ادب عرض یوں وہ کرنے گا
ہو فزون عسمر و دولت و اقبال
ہیں جو بدخواہ سب ہوں وہ برباد
جان نثار و قدیم خدمت گار
سارے عالم میں دھاک تھی میری
نام سے میرے پڑھتے تھے لا حول
نقے کیا کیا نہیں اٹھاتا تھا
اب تو پیری نے کر دیا مجبور
ہو گیا ہوں ضعیف ذرا و زرار
طے موقع تو چوکتا ہی نہیں
مرتے مرتے بھی لے ہی مرا ہوں
نہ ہی بھول پنکھڑی ہی سہی
کیا اک کام میں نے چھوٹا سا

لڑکا اک مدرسہ کو جاتا تھا
 دھیان پڑھنے میں تھا بغل میں کتاب
 دیکے جل میں نے راہ سے پھیرا
 اک تماشے میں اس کو بہلایا
 اس قدر اس کو کر دیا غافل
 بعد عرصہ کے اس کو آیا نیاں
 گھر کو آیا وہ اور آتے ہی
 آج بھی اس کو یونہیں روک لیا
 ایسے ہی ایسے چھوٹے چھوٹے کام
 قابل ذکر یہ نہیں ہے مگر
 درحقیقت یہ بندہ خادم
 جب کہ ابلیس نے یہ بات سنی
 دوڑ کر پھر لپٹ گیا اس سے
 فرط شادی سے کھل گئیں جھیں
 ہو کے خوش بار بار جھومتا تھا
 اور پہنایا بھاری اس نعمت
 کہتا تھا بار بار ہو کر شاد
 گو بظاہر یہ کام ہے چھوٹا
 کیوں نہ ہو آزمودہ کار ہو تو
 دیکھی ابلیس کی جو یہ حالت
 کی یہ عرض اس کو سنی جوڑ کے ہاتھ
 اس میں خوبی ہی کیسا نظر آئی
 مہل کے کمنوں کو بہلانا

شوق میں وہ قدم پڑھاتا تھا
 فکر تھی پنجویں مدرسہ کو کتاب
 جس طرح ہو سکا اُسے گھیرا
 چکے چکے سر اس کا ہلایا
 کہ وہیں گزرتے دوپہر کا کل
 پھر تو جانا تھا مدرسہ کو محال
 کہا کہ کتب میں ہو گئی چھٹی
 کیسا دور دور کا سبق ناغہ
 کرتا رہتا ہوں صبح سے تا شام
 یاں نقطہ ہے ترے کرم نظر
 تجھ سے اسے شاہ جہت نام
 تخت سے بس اچھل پڑا دھتقی
 شاد و سرور ہو گیا اس سے
 دی جگہ اس کو اپنے پہلو میں
 سر دیشیاں اُس کی چومتا تھا
 تاکہ ہم چشموں میں بڑھے عت
 واہ کیا بات ہے تری استاد
 اس کا دراصل فائدہ ہے بڑا
 مرو دیرینہ ہوشیار ہے تو
 سارے شیطانوں کو ہونی پیر
 کونسی ایسی یہ بڑی تھی بات
 دل سے ہے جو حضور کو بھائی
 بہت آساں ہے دام میں لانا

بولایا سنکے وہ لعین خاموش
 راہ سے دوڑ رہا ہوا بھٹکتے ہوئے
 تم کو اور اک ہے نہ کچھ احساس
 علم سے اس کو جو رکھا محروم
 یہ رہ گیا اگر یوں نہیں جاہل
 اُس سے جو کام چاہتے تھے
 میرے کہنے کا گرفتار نہیں نہ ہو
 کھ کے یہ ساتھ لے گیا بد خو
 گوشہ گیر اس جگہ تھا اک زار
 تھا وہ مصروف طاعت معبود
 بے خبر علم سے مگر وہ تھا
 پاس ابلیس اُس کے جب پہنچا
 سرود چوم کر کہا اُس سے
 نام میرا ہے جبریل امیں
 کی عبادت تیری خدا نے قبول
 تیری طاعت ہوئی خدا کو پسند
 آسمان پر بھیجے بلایا ہے
 کی ہے اللہ نے تیری دعوت
 کی ہیں تیا ریاں ضیانت کی
 اب میں آیا ہوں تیرے لینے کو
 بولا عاید مجھے نہیں انکار
 بولا ابلیس لاتا ہوں میں براق
 پر یہ ہے حکم خالق داد و دُور

تم کو ہرگز نہیں ہے عقل و ہوش
 حرف یہود وہ تم جو کہتے ہو
 لغو ہے یہ تمہاری سب بکواس
 بھید اس کا تمہیں نہیں معلوم
 نیک و بد زشت و خوب غافل
 جو فریب اُس کو چاہتے تھے
 تو اٹھو اور میرے ساتھ چلو
 ایک اونچے پہاڑ پر سب کو
 جوڑا یا رسا تھا اور عابد
 رہتا تھا صبح و شام سرسجود
 کچھ بھی معلق نہ تھا پڑھا لکھا
 جھک کے تعظیم سے سلام کیا
 حق نے بھیجا ہے اک پیام مجھے
 آیا ہوں آسمان سے سو زیں
 پیش حق تو ہے بندہ مقبول
 تیرا تہ کیا ہے حق نے بلند
 مرتبہ تیرا یوں بڑھایا ہے
 ناحیاں سب پہ ہو تر غفلت
 نعمتیں سب ہیں باغ جنت کی
 دیر ہرگز نہ کر جمل اسے خوشخو
 ساتھ چلنے کو تیرے جوں تیار
 واسطے تیرے حج کے ساز و براق
 پٹی آنکھوں پہ باندھ کر کس کر

تافرشتوں سے تو نہ ڈر جائے
 ہو گیا عابد اس پہ بھی راضی
 وہیں ابلیس لایا ایک گدھا
 جانب پشت منہ گدھے کا تھا
 کر کے زاید کا آدھا منہ کالا
 شہر میں آگیا قریب سحر
 چاندنی چوک تک وہ پہنچا
 بولا ابلیس اب میں عاجز ہوں
 الغرض دیکے خوب دم دھکا
 یہ تو اس طرح سے رہا اس جا
 کہتا تھا اپنے ساتھیوں سے سخی
 ہے یقین اب بھی میرے کہنے کا
 بولے سب ہے بجا خیال حضور
 اب منو حال زاید ناواں
 جھپٹا صبح کا تھا کچھ باقی
 ہر طرف تھا سکوت کا عالم
 راستے سے کوئی نہ چلتا تھا
 مرغ اور دھڑ بولتے تھے لکڑوں کو
 دان کل آیا اتنے میں بارے
 ہوئے زاید کو دیکھ کر حیراں
 کہتے تھے سب یہ کیا تماشہ ہے
 بولے اے شخص کون ہے تو بتا
 بولا سب اطلب میں ہوں آیا

اُن کے بالکل ہسیب میں چہرے
 پاندھ لی کس کے آنکھوں پر پی
 اس پند زاید کو یوں سوار کیا
 اُس کی دم کی طرف تھامنا اسکا
 نصف شب کو دیاں سے دھکلا
 پہنچنے والا تھا کوئی دم میں گجر
 اتنے میں بس اوجالا ہو ہی گیا
 میرے جل جائیں پر جو آگے بڑھوں
 دیں زاید کو چوڑ کر بھگا
 اور ابلیس اپنے گھر پہنچا
 کیوں ہے کچھ اب بھی تکیہ باقی
 کیا نتیجہ ہے جہل کا دیکھا
 ہم ہیں نا دم معاف کیجئے تصور
 گزری گیا سر پہ اُس گدھے کے وہاں
 ابھی جاگا تھا نیند سے نہ کوئی
 وہاں کسی کا گزرنہ تھا اس دم
 چلتی تھی صرٹ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا
 اور زاید اور دھڑ تھڑوں توں
 چوک میں لوگ آگے سارے
 طرف نہ دل لگی کا تھا ساماں
 سخت حیرت ہے ماجرا کیا ہے
 اور ہے کس لئے یہاں آیا
 مجھ کو بہرل ہے یہاں لایا

مجھ کو خالق نے یا دفرمایا
جب تو مجھے یہ خاصہ ہے اُتو
لڑنے کے سبب تالیاں بجائے تھے
کوئی ٹڑھتا تھا تنگل پر لا حول
اتنے تھمڑے کہ سوچے کال
بٹ گیا اُس کے ساتھ مرکب بھی
پیٹھ پر دماں برستے تھے کوڑے
اُس کی کھال اس کی اوڑھی دتا
الغرض سب کو دل لگی سو جھی
رہا ماتی نہ جامہ میں اک تار
اور ٹپک کر اوسے زیریں پہ گدھا
ہو گیا جب یہ حال زائد کا
بولایا رب یہ ہے نصیب کیا
میں تو آیا تھا تیری دعوت میں
واہ کیا شان کبریا ئی ہے
بن گئی گت یہ کیسی سیری آج
بولے یہ سسکے لوگ اے ناداں
کب خدا نے تجھے بلایا ہے
ہوتی دعوت فلک پہ کب تیری
پیٹ بھر کر جو تیاں کھائیں
زائد القصد بعد رسوائی پڑ
بمزاحت تکفتم این گفتار
یہ نہجھو فقط حکایت ہے

میں نے طاعت کا یہ صلہ پایا
مارے جانٹوں کے کر دیا اُتو
اور منس منس کے کہتے تھے ہر
کوئی سر پر انگنا تھا اک دھول
پہلے کالا تھا منہ ہوا اب لال
خوب دونوں گدھوں پہ ماڑی
یہاں گلے میں تھے پیچ پکڑی گئے
بدھی پہنی گدھے نے اس نے مار
خوب ہی گت بنائی زائد کی
پھٹ کے دستار کے ہو کر سوتا
اک طرف دم دبا کے بھاگ گیا
پھر تو گھبرا کے چیخے وہ لگا
تیرا دربار اور یہ ظلم وجفا
پڑ گیا ہوں یہ کیسی آفت میں
بدلے کہانے کے مار کھائی ہے
میں تو سمجھا تھا ہو گئی معراج
جوش میں آجے تیری عقل کہاں
شاید ابلیس تجھ کو لایا ہے
کیا فرشتوں کو سمجھا با و بچی
اب بھی سیری تجھے ہوئی کہ نہیں
جانب کو ہ ہو گیا راہی
نبرل بگزار و جداز و بردار
یہ حکایت نہیں درایت ہے

جائے علم ہم کس حاصل
اپنی اولاد سے نہ ہوں غافل
شرٹ آدم نے علم سے پایا
بے ابو جہل پیر و شیطان
دام اُس کی طرف رہیں مائل
انکو ہرگز نہ ہونے دیں جاہل
شاہد اس پر ہے علم اہل انعام
گو بظاہر ہے صورت انسان
کہدیا جہل کا جو تھا اغنام
لمعہ کرنا ہوں اب میں منت کلام

از فواب خواجہ وحید الدین صاحب عدیل

دم مر دن جو آئے تھے گھڑی بھر ٹوٹھ جاتے
ریا ہو کر نفس سے مر نہ جاتے تو کدھر جاتے
یہ تاریکی یہ سناٹا اکیلے آپ گھر جاتے
دم پرش خدا کے سامنے کیسا غرا ہوتا
غضب بکے چلتے پرزہیں نگاہ یار کے پیکار
ہمارے دھوی برداشت نہ رکھا ہیں مہزون
زمانہ کی دوزخی کا سماں آنکھوں میں پھر جاتا
امید وصل لاؤ بانک ہمیں زندہ رکھاؤ
اگر ہم سچے دل سے قدر کرتے اپنی الفت کی
یوں ہی اچھے تم پہلے بات تو وہ پوچھ بیٹو
بہت اچھا ہوا جو آپ پر مرنے کی ٹھہرائی

ادھر ہم جان کر جا ادھر تم انچھ جاتے
جہن میں ہا گیا منہ لیکے ہم بربانی پر جاتے
چلو بس جا چکے بیٹھو کہاں جاؤ کدھر جاتے
دہاں بھی تم اگر میری محبت سے مکر جاتے
جگر تیرا اگر ان سے تویہ دل میں اتر جاتے
ڈراؤ سے کسی کے کاش ہم دہشت ڈر جاتے
تمہارے کیونچہم جو عارفی بکھر جاتے
نری فرقت کو مانتوں ہم سنگد کیسے مر جاتے
نہا میں بے اثر جاتیں نہ نالے بے اثر جاتے
نہ اپنا دل انہیں دیتے نہ یوں ل سو اتر جاتے
اگر ہم سو برس جتے تو کیا آگ روز مر جاتے

عدیل انکی عنایت ہو جو وہ کرتے ہیں لہاری
عضب ہوتا اگر وہ نقد دل لیکر مکر جاتے

سید سلاطین بہمنیہ کے مقبرے

۱۸، موضع اشٹور کے قریب سلاطین بہمنیہ کے رفیع الشان مقبرے ایک ہی قطار اور ایک ہی سلسلہ میں واقع ہیں اس کی ابتدا اعظم السلاطین شہزادہ لکھنؤ احمد شاہ دلی اہمنی کے خوشنما اور عالی شان مقبرے سے ہوئی ہے اس کا فرش طویل اور بلندی میں بیس گز ہے اندر کی جانب تمام دیواروں اور چھت پر نظر قریب سنہری نقش و نگار اور دلکش رنگارنگ گلکاری کی ہوئی ہے مطلقاً حروف میں آیات قرآنی متفرق مقدس کلمات۔ فارسی اشعار اور سلطان کا شجرہ لکھا ہوا ہے۔ شہور ہے کہ چھت پر کی تحریر میں بجائے نقطوں کے گیارہ ہیرے لگے ہوئے ہیں گنبد میں تاریکی ہونے۔ اور تحریر طغرائی خط میں رستہ کی وجہ سے بالکلیہ ٹھیک نہیں جاسکتی۔ اس کے علاوہ وہ اکثر جگہ سے مٹ بھی گئی ہے۔ خصوصاً غریبی دیوار پر کے حروف اور زیادہ محو ہو گئے ہیں گنبد کے تین دروازے شمال۔ جنوب اور غرب رویہ میں ان میں سے کئی ایک کی چوکھٹ میں اکثر اوقات دھوپ رہتی ہے۔ اگر آئینہ دھوپ میں رکھ دیا جائے اور اس کا عکس چھت پر ڈال دیا جائے تو تمام نقش و نگار بخوبی نظر آسکتے ہیں۔ درجہ بلندی اور تاریکی کی وجہ سے جیہ آگے چاہے اس کا نظارہ نہیں دکھائی دے سکتا۔ اس گنبد کے بازو ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہے۔ گو موضع اشٹور یہاں سے بالکل قریب ہے لیکن مسجد بالکل غیر آباد و ال دی گئی ہے

احمد شاہ بنایت عابد اور صاحب ولایت بادشاہ تھا دنیا دی عیش و عشرت اور بادشاہی شان و شوکت سے اُسے سخت نفرت تھی وہ کنایت کیا کرتا۔ اور اس کی اجرت سے صرف قوت لایات پر گزارا کرتا تھا ایک وقت

ایک فقیر اس کے پاس آیا اور اس کا طعام خاص مانگا۔ بادشاہ نے مطبخ خانہ عام میں اسے بھیجنا چاہا مگر جب اس نے نہ مانا۔ اور باصرہ اسی چیز کی خواہش کی جو بادشاہ لے لئے تیار ہوتی ہے۔ تو ادبی روٹی جو کی۔ اور وہ بھی سوکھی ہوئی اور کچھ رکھا ہوا سالن لایا گیا فقیر تعجب ہوا۔ اور خوشی مطبخ میں چلا گیا۔ اس احمد شاہ کی ریاضت اور نفس کشی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ مقدس بادشاہ حضرت خلیل اللہ بت شکن کامرید تھا۔ خلافت اور بیعت لینے کی اجازت بھی ان ہی سے پائی تھی عمر بھر میں سوائے ایک حرم محترمہ کے کسی اور عورت سے تعلق پیدا نہیں کئے۔

احمد شاہ سلطنت ہمنیہ کا آٹھواں تاجدار تھا ۱۱۷۷ھ ہجری میں سرحد کو جلوہ افروز ہوا ۱۱۷۸ھ ہجری میں بجائے گلبرگہ کے بیدر کو اپنا دار السلطنت قرار دیا۔ اور اس کا نام احمد آباد رکھا اور ۱۱۷۹ھ ہجری میں ”ولی“ مشہور ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اس سال نیداساک باراں ہوا۔ ہر چند علما اور شائخین نے نماز استسقا پڑھی اور دعائیں کیں مگر بارش نہیں ہوئی۔ اور خشک مٹی کی بدولت جان و مال کا بے انتہا نقصان ہونے لگا۔ احمد شاہ نے خود نماز استسقا کا ارادہ فرمایا بادشاہ کا سر منور نجدہ میں تھا کہ باران رحمت کا نزول ہوا۔ اور اس کثرت سے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں لوگ گھبرا گئے مگر احمد شاہ سر بسجود ہی رہا یہاں تک کہ بھوں نے پکار کے کہا۔ اے احمد شاہ ولی تیری ولایت و کرامت معلوم ہوئی اب سر اٹھا اور گھر کو چل ”بادشاہ اسی بارش میں شہر کو واپس آیا اور اسی تاریخ سے ولی شہور ہو گیا۔ اس نے ۱۲ سال ۹ ماہ ۲۴ یوم سلطنت کی۔ اور ۱۱۸۰ھ ہجری میں رگڑائے عالم جاودانی ہوا۔ اس کا مزار درگاہ کے مغرب لقمب سے پکارا جاتا تھا جہاں ہمیشہ اور ہر وقت ایک خادم حاضر رہتا ہے۔ اور نذر و نیاز کا سلسلہ جاری ہے۔ ہر سال عرس بھی ہوتا ہے اور اس کے اخراجات کے لئے ایک سوتیلے درخت سے مقرر ہے۔ خادم بارگاہ کے لئے اس کے علاوہ شروط الخدمت

زینت و تہ میں۔ جنگی آمدنی تقریباً پانچ سو روپے ہے۔ عرس کے زمانہ میں ایک ہفتک
ڈیڑھ سو ہمراہیوں کے ساتھ منگھجاتا ہوا موضع مارواڑ ضلع کلبرگہ سے آتا ہے
اور قبر پر پھول چڑھاتا جو عرس کی ابتدا اسی قدیم رواج سے ہوتی ہے۔
سلطان کے مقبرے کے محاذی دو چھوٹے چھوٹے مقبرے ہیں۔ کہا جاتا ہے
کہ ایک میں آپ کے چھوٹے بیٹے سلطان حسن اور دوسرے میں آپ کی بیوی اور
سلطان علاء الدین حسن ثانی کی والدہ محترمہ جہاں بیگم آرام کر رہی ہیں۔
(۲۱) سلاطین بھنبیہ کے مقبروں کے سلسلہ میں دوسرا منبر سلطان علاء الدین
ثانی کے مقبرے کا ہے۔ اس کا دروازہ سنگ موسی کا ہے اور چینی کے نقش و نگار
سے مزین ہے۔ پچھت پر کسی قسم کی گلکاری یا تحریر نہیں ہے۔

یہ سلطان علم و ہنر کا قدرداں اور امور سلطنت سے واقف تھا اس نے
ہر شہر میں ملازمین اور ہر گاؤں میں پولس قائم کی۔ قمار بازی اور شراب نوشی
کو قابل سزا جرم قرار دیا۔ ۱۷۳۷ء ہجری میں تخت نشین ہوا اور چوبیس سال سلطنت
کے بعد ۱۷۵۳ء ہجری میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس کی قبر گچی کی ہے۔ اور بیچ میں
سے ٹوٹ گئی ہے۔ غلاف وغیرہ موجود نہیں نہ جادوب کشتی کا انتظام ہے بعض
وقت انٹور کے طلبہ یہاں جمع ہو کر پڑھا کرتے ہیں اور وہ کوڑا بکرا صاف
کر دیتے ہیں۔

(۳۱) اس کے بعد سلطان بہایوں شاہ بھنبی کا مقبرہ نہایت شکستہ اور
افسردہ حالت میں عبرت کا مجسمہ بن کر پیش نظر ہوتا ہے۔ اس کے گنبد کا صحن
کچھ حصہ جانب غرب و جانب شمال کا باقی ہے۔ بقیہ تمام گنبد بکلی کے صحن سے
منہدم ہو گیا ہے۔ قبر پر ٹیڑھی اور پتھر کا بہت بڑا انبار لگا ہوا ہے۔
یہ بادشاہ بڑا ہی ظالم اور سفاک تھا۔ رعایا کے بیدر اس کے ہاتھوں
نالاں تھی ۱۷۳۷ء ہجری میں تخت نشین ہوا اور شوال ۱۷۵۳ء ہجری میں رات کے وقت
عین حالت نشہ میں ایک کنیز کے ہاتھ سے مارا گیا۔

نظری شاعر نے جس کجایوں نے قید کیا تھا اس قطع میں اس کی تاریخ لکھی ہے
 بجایوں شاہ مرد و رسمت عالم تعالیٰ اللہ نہ ہے مرگ ہم بجایوں
 جہاں پر ذوق شد تاریخ مرگش ہم از ذوق جہاں آرید بیسروں
 (۴۶) اس کے بعد مسلسل اور پینچ مقبرے ہیں کسی تاریخی شہادت سے یہ نہیں
 معلوم ہو سکا کہ یہ کن کن بادشاہوں کی آرام گاہ ہیں صرف خدام درگاہ احمد
 ولی سے جو واقفیت بہم پہنچی ہے اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

بجایوں شاہ کے بازو سلطان نظام شاہ بمبئی آغوش احد کے سپرد ہے
 گنبد یا تو گر گیا ہے یا یہ کہ بنا با ہی نہیں گیا۔ بہر حال اب صرف اطراف کی دیواریں
 تو موجود ہیں گنبد کا پتہ نہیں ملتی وچھم کا کوئی انبار بھی قریب میں نہیں
 ہے قبر بے حد شکستہ حالت میں ہے اور اس کے اطراف بہت سا کچرا
 وغیرہ پڑا رہتا ہے۔

نظام شاہ آٹھ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ ملک انبار محمود کا دانا
 اس کا وزیر تھا۔ اس لئے اس کی کنسی سے سلطنت کو کسی قسم کا نقصان نہیں
 پہنچ سکا۔ دو سال سر حکومت پر جلوہ افروز رہ کر ۳۳ اردی قعدہ ۸۱۸
 کو عین شب عروسی میں اس نے رحلت کی۔

(۵۵) اس کے بعد سلطان محمد شاہ ثانی بمبئی کا مقبرہ ہے جس کی چھت
 بالکل ٹوٹ گئی ہے اور اس کا انبار قبر پر پڑا ہوا ہے۔ یہ بادشاہ نظام شاہ
 کے بعد دس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ یہ پڑا چھت اور چنگو تھا اس کے زمانہ
 میں سلطنت کا رقبہ بہت وسیع ہوا۔ اور ہر قسم کی آمدنیوں میں توفیر ہوئی۔ یہ سب
 خواجہ جہاں محمود کا دانا کی جاں بازی اور مدارالہامی کا طفیل تھا۔ بادشاہ

محمد آئینہ بید میں لکھا ہے کہ محمد شاہ ثانی بمبئی تخت نشین ہوتے ہی احمد آباد کا نام محمد آباد رکھا لیکن
 مولف صاحب تاریخ قندھار دکن فرماتے ہیں کہ ”اورنگ زیب بہادر نے جب احمد آباد پر قبضہ
 کر لیا اس کا نام احمد آباد سے محمد آباد بدلدیا“

نا عاقبت اندیشی سے ایک فرضی مخبری پر بلا تحقیقات جب اُسے قتل کر ڈالا تو سلطنت کا زوال شروع ہو گیا۔ چو طرف خانہ جنگیاں ہونے لگیں اور اکثر صوبہ دار باغی اور سرکش ہو گئے بیس سال سلطنت کر کے غرہ صفر ۸۱۰ھ کو اس نے وفات پائی تاریخ وفات کسی شاعر نے یہ کہی ہے۔

غبنشاہ جہاں شاہ محمدؒ کہ در بحر فنا گہ فروشد
دکن جوں شد خراب از رفتن خرابی و کن تاریخ اودشد

۹۰، محمد شاہ کے بازو اس کے جانشین سلطان محمود شاہ ثانی بہمنی کا مقبرہ واقع ہو اس کے زمانہ میں سلطنت بہمنیہ کے حصے بحرے ہو گئے۔ عماد شاہ ہرا میں قطبہ تلنگانہ میں عادل شاہ بیجا پور میں۔ اور نظام شاہ احمد نگر میں خود مختار بادشاہ بن بیٹھے۔ اور گندم مار جو فروش امیر برید جو اس کا مدار المہام تھا، کل امورات پر حاوی ہو گیا۔ اور بادشاہ کو ایک غفلت مغل کر دیا ۳ سال ۲۰ یوم بادشاہت کر کے اس نے ۴ مئی ۱۶۵۷ء کو انتقال کیا۔

۹۱، محمود شاہ کے بعد سلطان احمد شاہ ثانی بہمنی ۱۶۵۷ء تک اور سلطان علاؤ الدین سوم ۱۶۵۹ء پوری تک امیر برید کے زیر اثر برائے نام بادشاہ رہے ہیں۔ کتب تواریخ سے یہ متنبط ہوتا ہے کہ یہ دونوں بیدر ہی میں مدفون ہیں مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ ان کا فرار کہاں اور کس جگہ واقع ہے۔ محمود شاہ کے مقبرہ کے

۹۲، یہ بادشاہ بہت ہی کم عقل عیاش اور شراب خوار تھا۔ امیر برید کا مقرر کردہ وظیفہ اخراج شراب نوشی کیلئے کافی نہیں ہو سکتا تھا اگلے اس نے تاج شاہی مگر ٹکڑی کر کے نفیقا فروخت کر ڈالا دو سال ایک ماہ اس طرح سلطنت کر کے ۱۶۵۹ء میں سموم ہوا۔

۹۳، یہ سلطان بیدر منفرد تھا۔ مگر امیر برید کے پیچھے پھنسا ہوا نہ ہو تا قوت سے مسایاں کام کرتا۔ اس نے امیر کے قتل کی بھی نگرانی نہی مگر وہ عام سارثوں سے واقف ہو گیا اور سلطان کے ہمدردوں کو بری طرح سے قتل کر ڈالا حتیٰ کہ سلطان کو بھی ایسی ہی تکلیف دیں کہ زیادہ روز زندہ نہ رہ سکا اور ۱۶۵۹ء میں دنیا کے بھگڑوں سے پاک ہو گیا ۱۲۔

بازو اور دو مقبرے ہیں۔ مگر ان میں سے پہلا شاہ ولی اللہ بہمنی کا بتایا جاتا ہے۔ یہ بادشاہ امیر برید کا وظیفہ خوار اور نظر بند تھا جسے پھر جیل میں زہر دیکر مارا گیا۔

(۸) دوسرا مقبرہ شاہ کلیم اللہ بہمنی کا کہا جاتا ہے۔ امیر برید نے اس کو ۳۹۰ ہجری میں تخت بید پر بٹھایا تھا۔ اور صرف نظر بند ہی رکھنے پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ اس کی خوبصورت بی بی سے ناجائز تعلقات بھی پیدا کر لئے۔ اس لئے بادشاہ موصوف نے باغبار حالات ۳۹۲ ہجری میں شاہ باہر سے مدد مانگی۔ برید کی عیاری کوئی معمولی نہیں تھی۔ بجائے اس کے کہ اس فریاد کا کوئی مفید نتیجہ مرتب ہوتا یہ راز افشا ہو گیا۔ اب بادشاہ بہت گھبرایا اور بیدر سے فرار ہو کر احمد نظام شاہ بھری کے پاس احمد نگر چلا گیا مگر وہاں بھی اُسے چین نصیب نہیں ہوا۔ اور وہیں ۳۹۳ ہجری میں زہر دیکر مار ڈالا گیا۔ اور لاش بیدر میں لائی گئی اس کے بعد امیر برید خود مختار بادشاہ بن گیا اور اپنا لقب برید شاہ رکھا بہمنیوں کے خاندان میں (۸۶۵) سال حکومت رہی۔

باقی آئندہ

فلسفہ

ذی روح ترے لئے تجھے کل
اک ابر نشا ط سہ پہچایا
ہر سمت بچھانے فرش کا ہی
کرتا ہے ادا کے خیر مقدم
تھما خواب میں آنکھ ملاٹھا

اوست خرام ناز بادل بڑ
توجھوم کے جب نکل یہ آیا
وہ آئی نسیم صبح کا ہی
پتا پتے سے نکلے باہر
سبزہ کر دٹ بد لکراٹھا

دھلنے لگی سب کی گرد و کلفت
 فرحت سے یہ حال ہو رہا ہے
 کلیاں ٹھکیں شکونے پھوٹے
 بڑتی ہے پھہار ہلکی ہلکی
 کوئل کی ہے کوک مور کا شور
 کافی ہر سو جی ہوئی ہے
 تالاب بھرے ہوئے وہ جل تھل
 سُن سُن کے وہ موتوں کے ترانے
 گرتا ہے پہاڑ سے جو پانی
 کو پل تپوں میں پھول میں پھل
 ندی نالے بھرے ہوئے ہیں
 اللہ ری تیری خوش انتظامی
 تو کیا آیا کہ جان آئی
 بیخون کھلے شراب خانے
 ساغر دیکھئے جو کورسے کورسے
 اک شور ہے تیری غیر ساقی
 حمید کر اب نہ کچھ حوالہ
 کہتا ہے کوئی وہ بادل آیا
 کرتا ہے کوئی خطاب تجھے
 سب تیرے کرم کا ہے ظہور
 یہ سب تھے خیالِ تناء و نداء
 گردش جو زمیں فی پوری کھلا
 پانی نے مٹائی اپنی ہستی

مہر برگ ہے آئینہ کی صورت
 ہر شکل نہال ہو رہا ہے
 قدرت نے آگائے بل بوٹے
 بجلی بھی دکھائی ہر جھلکی
 مسوں کے جنوں کو ہو گیا زور
 سبرے کی ہوا بندھی ہوئی ہے
 جنگل میں منار ہے ہیں شکل
 مینڈک گاتے ہیں شاویاں
 دیتا ہے صدائے لہن ترانی
 گر آج نہیں تو آئینے کل
 کوہ و صحرا ہرے بھرے ہیں
 ہر شے کی بھی ہے تشنہ کامی
 اک زندہ دلی کی شان آئی
 سیخواری طے کھلے خزانے
 ڈالے بنتِ انجب پہ ڈورے
 نشہ کی دکھاوے میر ساقی
 بھروسے جھٹ پیٹ مر پیا لہ
 آنکھوں میں سرور و کیف چھایا
 ہستی کی ہے آب و تاب تجھے
 تو ہے اپنے گمنوں میں پورا
 سن اپنا حقیقی اب فسانہ
 گری خورشید نے دکھائی
 کی گرم ہوا نے پشیدہ ہستی

پستی سے جوابی پر تو آیا
 نظروں سے جہاں کے تھا تو شفقی
 اُس نے موجود کر دکھایا
 پانی کے زرے زرے سوزے
 منٹ جاتی ہے جب ہوا کی گرمی
 باہم ملتے ہیں ایسے زرے
 پھر چلتی ہو ایسے ٹھنڈی ٹھنڈی
 لیکن جو پوائے گرم آئے
 فوراً بجھے منتشر بنا دے
 ہو تیرا پہاڑ پر جو دورہ پڑ
 رہتی ہو وہاں زیادہ سردی
 ہے بات یہی کہ ملک جو جو
 کرتا ہے تو سیر انھیں زیادہ
 آتا ہے نظر بلند کتنا
 ہوتی ہے کبھی کبھی یہ دوری
 مشہور جہاں جہاں کو ہیں رنگ
 لیکن نہیں کچھ محل حیرت
 رنگوں میں ہیں تین رنگ اصلی
 باقی ہوتے ہیں رنگ جتنے
 زردی میں ملاؤ جو سیاہی
 سبزی سرخی اگر ہو یک جا
 سرخی سے سیاہی گر لیلی
 زردی سرخی سرگرمی ہو

سردی نے کچھ اور گل کھلایا
 صورت میں بخار غیب مرنی
 پامی تیرے دم سے کایا
 دامن میں ترے بھری ہیں رہتے
 یک جا ہوتا ہے جم کے پانی
 پچھتے نہیں ایک دوسرے سے
 کرتا ہے چھلک چھلک کے پانی
 زرے پانی کے جذب کر لے
 کر دے تیرے جیسے کوٹھڑے
 پانی گر جائے زرہ زرہ
 لے لیتی ہے اجڑوں کی گرمی
 آباد پہاڑ پر ہیں اُن کو
 سرسبز وہ رہتے ہیں ہمیشہ
 پچھلے میل سے پر نہیں تو ادبنا
 رہتا دگر نہ میل پر ہی
 تیرے رنگوں کو عقل ہے رنگ
 سوچو تو ہونکشف حقیقت
 سرخی زردی ہے اور سیاہی
 ترکیب وہ پاتے ہیں انہیں سے
 پیدا رنگت میں ہو گی سبزی
 ہو جائیگا رنگ خاصاً ددا
 بن جائیگا رنگ کا کریری
 پیدا رنگت بھی چمپسی ہو

تینوں کو اگر ملائے گا
رنگت ایسی سننے نرالی پڑ
جو چیز جہاں سے آگے گھومے
ہے ضعف نظر نصیب انساں
پایوں پہ کیے تمام مل کر
خورشید کی بس ہی جو حالت
گردش میں ہے لیکن اس کی تیزی
لیکن ہیں شعاعیں غیر شبیہ
پھیلی ہوئی ہیں فلک پہ ساری
پڑ جاتا ہے جس کا عکس تجھ پر
خورشید کے ہیں یہ کھیل سارے
بخشی ہے تجھے نرالی رنگت
القصد ہے تو کچھ ایسی صنعت
جو غور کر لگا ہو گا تاں کل
نظرت انسان کی ہے ایسی
دوڑاتا ہے عقل کے وہ گھوڑے
ہر چیز کا گھونچ ہے لگاتا
کرتا ہے کبھی زمین کی سیر
ہو جاتی ہے جتنی واقفیت
لیکن آخر میں چل کے ان
پیدا ہوتی ہیں ایسی باتیں پڑ
اُس دم عقل سلیم والے
سچ پوچھو اگر تو فی الحقیقت

اس رنگ کا نام کچھ نہ ہوگا
کچھ کہہ نہ سکیں مگر سپیدی
گو اس پہ ہوں رنگ سو طرح کے
ہو جاتے ہیں سارے رنگ پنہاں
آتے ہیں نظر سپیدی کیسر
اس میں ہر قسم کی ہے رنگت
آتی ہے نظر فقط سپیدی
رنگ و روغن میں مختلف فیہ
آتی ہیں نگاہ تک ہماری
ہو جاتا ہے تو اُسی کا ہمسر پڑ
ہیں رنگ برنگ تیرے ٹکڑے
نظریں ہیں جہاں کی نحو حیرت
طاہر ہے خدا کی جس سے قدرت
سبحانہ کے ما خلقت باطل
کرتا ہے تلاش ماہیت کی
ممکن ہوتا ہے جتنا اُس سے
ہر شے کے خواص آزماتا
ہوتا ہے کبھی کبھی فلک طیر
بڑھتی ہے اُسی قدر طبیعت
رہ جاتا ہے ششدر اور حیراں
کچھ بھی آیتیں نہیں سمجھ میں
ہو جاتے ہیں معترف خدا کے
ایمان اُسی کا ہے سلامت

اس طرح خدا کو جس نے جانا
تلائے یہ فلسفی تو کوئی پڑ
رنگ اتنے کہاں سے اس میں ہے
گردش جو زمین کھار ہی ہے
قوت پرکشش کی اس میں کیسی
گرمی پڑتی ہے پڑنے دیکھتے
ہوتی ہے ہوائے گرم ہلکی پڑ
ان سب کا جواب فی الحقیقت
فطرت ہر چیز کی جدا ہے
لیکن فطرت بنانے والا
یار رب تیرا ہے جلوہ ہر سو
چھنے نیرنگ ہیں جہاں کے
جو کچھ چاہا وہ کر دکھایا
صنعت کا تیری نہیں ٹھکانا
چاہے تو ابھی فنا ہو عالم
کچھ طرہ ہے تیرا کارخانہ
صنعت کا تیری شمار بھی ہو
تو ہی اول ہے تو ہی آخر
اپنی قدرت کے کارخانے

پہلے سمجھا تو بعد مانا
خوشید میں ہر کہاں کی گری
کس طرح یہ جلوہ اُس نے پائے
آخر اس کا سبب کوئی ہے
اُس نے کس سے یہ چال سیکھی
کیوں اڑتا ہے پانی بکے ذرے
ہے وجہ ضرور اس کی کوئی
بس یہ ہر کسے ہے یہ اُن کی فطرت
سب مل کے زمانہ چل رہا ہو
ہے کون سوائے خلق تعالیٰ
ہر گل میں ہی ہے تیری خوشبو
تیری قدرت کے ہیں کرشمے
کن سے کوئین کو بنا یا
دشوار ہے تیرا بھید پانا
ظاہر ابھی دوسرا ہو عالم
جینا مرنے کا ہے بہانہ
پوشیدہ بھی آشکار بھی ہے
تو ہی باطن ہے تو ہی ظاہر
سچ تو یہ ہے کہ تو ہی جانے

گویا یی عندلیب کیا ہے

خانی مرے سب تری عطا ہے

محمد عبدالوہاب عندلیب

حیدر آباد سی

کوہِ لبنان

یہ نام اگرچہ ایک پہاڑی کا ہے مگر حقیقت میں اس کو دلچسپوں کا وطن کہنا چاہئے جس کے دلچپ واقعات سے غالباً ناظرین محظوظ ہونگے۔
شہر بیروت واقع شام (ملک عرب) کی آبادی کے اختتام پر اس پہاڑ کی آبادی اور بلندی آغاز ہوتی ہے۔

ڈی۔ بیچ۔ بی۔ دبیروت، ریلوے لائن کے ذریعہ سے جو فیچ کمپنی کی ہے اس پہاڑ پر سے گزر کر شہر دمشق کو جاتے ہیں۔
نہایت قدیم زمانہ سے لبنان کے سبزہ زار دلکشی اور طراوت کے باعث شہور زمانہ ہیں۔

چنانچہ مشہور شاعر نے اس پہاڑ کی نسبت کہا ہے
وعقاب لبنان وكيف يقطعها لبنان كاعقاب كيونكر اس کو طر کر سکتا ہے
دھی الشتاء وصيفه شتاء
بجائیکہ یہ پہاڑ ہمیشہ سرد رہتا ہے اور
اسکی گرمی بھی سردی ہے۔

تحدن عرب صفحہ ۱۴۹ سطر ۱۶، ۱۷ میں اس کی نسبت مرقوم ہے۔
”لبنان کے پہاڑ نہایت بیش بہا کڑی کے جنگلوں سے ڈھکے ہوئے ہیں ان پر بلوط دیودار اور پمیل وغیرہ کے درخت بکثرت تھے۔“
اب اس ریلوے لائن کی بدولت لبنان کی آبادی نے اور وسیع شکل اختیار کر لی ہے اور اس کی دلچسپیاں زیادہ آسانی کے ساتھ
ہیسا ہو گئی ہیں۔ شہر دمشق سے بیروت تک (۲۶)، ریلوے اسٹیشن ہیں
سو لوہوں اسٹیشن موسوم بہ جدتیا شتور اسے اس پہاڑ کا آغاز ہو پوری
(۴)، گھٹنے میں ریل چڑھ کر اترتی ہے۔

گھاٹ

اجی۔ آئی۔ بی ریلوے جب بمبئی کے قریب کھنڈالہ گھاٹ تک پہنچتی ہے تو دو انجن ریل کے ڈبوں کو لگائے جاتے ہیں مگر یہاں صرف ایک ہی مختصر گز تو سمجھیں دس بیوں کا ریل کو لیکر چھٹا اترتا ہے۔ مجھے اس موقع پر انجن کی رفتار اس قدر گھٹا ہے کہ یہ معلوم ہوئی جو اپنے سوار کو لیکر ناز و انداز سے چلتا ہے۔ اس پہاڑ پر بجائے دو بیوں کے ریل کی تین بیوں ہیں۔ درمیانی ناپائیدار پٹری زمین پر جانی گئی ہے جو شل اڑھ کے ہے جس کو برگ کے ذریعہ سر دکتے جاتے ہیں۔

سرنگلیں چار سرنگلیں بھی پہاڑ میں ہیں جن کے اندر سے ہو کے ریل گزرتی ہے۔

نقطہ

سطح زمین سے جب پہاڑ اور اس کی چوٹی پر نظر کی جاتی ہے تو پہاڑ کے چھتارے درختوں سے بھر اور سفید درختیں جنگلوں کی چمک دمک آنکھوں کو خوش آئند طراوت بخشتی ہے۔ اور پہاڑ کی چوٹی ابرو دکھائی ہوئی معلوم ہوتی ہے نظر کو صرف دھواں دکھائی دیتا ہے اور کچھ نہیں۔

ریلوے اسٹیشن اس پہاڑ پر دس ریلوے اسٹیشن ہیں جن کے ناموں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) جدتیا شتوراد (۲) مرگیا (۳) عین صوفرا (۴) بھدو (۵) علی

(۶) عاریا (۷) جمپور (۸) بھدرا (۹) حدت (۱۰) بیروت
مسافت پہاڑ کو اتر چڑھاؤ کی مسافت ۴۷۱، کیلو میٹر (تقریباً ۴۷۱
ہزار گز) ہے ایک کیلو میٹر مساوی ہے ایک ہزار میٹر کے

اور ایک میٹر تین فٹ ۲ ۱/۲ انچ کے مساوی ہے۔

زرنگان زرنگی گورنمنٹ کی جانب سے یہ پہاڑ رعایا کو بغرض آبادی دیا گیا ہے مگر ان کو زرماگزار کی معاف ہے صرف

کر ڈر گیری کا محمول لیا جاتا ہے۔

زرخیزی | تمام پہاڑ۔ انگور۔ انجیر۔ شہتوت۔ انار کے دھتوں سے سرسبز ہے جس میں جا بجا خوشنما چھوٹے چھوٹے شکوے منظر کا لطف دو بالا ہو جاتا ہے۔ ہندو دکن کے پہاڑوں پر جس طرح گھاس اگتی ہے اس طرح اس پہاڑ پر انگور کی بلیں ہیں۔

آباوی زبان | عیسائی۔ یہودی۔ ترک یہاں آباد ہیں۔ عیسائی زیادہ مدارس وغیرہ ہیں۔ کل اقوام کی زبان عموماً عربی ہے۔ اور تعلیم کے لئے مدارس موجود ہیں۔

اسٹیشن کا منظر | جس وقت ریل کی اسٹیشن پر ٹھہرتی ہے تو نوجوان مردوں عورتوں اور طلباء کا مجمع نظر آتا ہے جو ریل سے اترنے اور اس پر سوار ہونے کے علاوہ ریل اور سافروں کا تماشہ دیکھنے بھی جمع ہوتے ہیں قدرت کی فیاضی نے جس طرح اس پہاڑ کو سرسبزی اور زرخیزی کا بے مثل نمونہ بنایا ہے۔ اسی طرح وہاں کے باشندوں کو جن دلکشی سے بھی پورا حصہ دیا ہے جس کے بغیر اس منظر کی دلکشی پوری نہیں ہو سکتی تھی سچ تو یہ ہے کہ گورے گورے خوبصورت نوجوان مردوں عورتوں کی چیل چیل اس موقع پر پرستان کے اس خیالی لطف کی زندہ تصویر بن جاتی ہے جس کا ہمارے قیصروں میں محض سراب نظر آتا ہے۔

میوہ جات | میوہ جات اپنی کثرت کے باعث یوں سمجھے کہ بے قدر ہیں کالیوں کی نسبت مشہور ہے کہ جب وہ اپنے وطن سے آکر ہندوستان میں میووں کی گرانی دیکھتے ہیں تو ان کو سخت تعجب ہوتا ہے اور کہنے لگتے ہیں کہ یہ میوے تو ہمارے جانوروں کے کھانے کے ہیں اسکی صداقت ہم کو لبنان۔ دمشق دبیروت جا کر معلوم ہوئی۔ ریل کے چلتے وقت انگور کے خوشے اور انجیر دھتوں اور بیلوں سے توڑ کر مفت ریل کے ڈبوں میں

پھٹتے رہتے ہیں۔ بازار کے علاوہ اسٹیشنوں پر سیوہ جات انگور۔ انجیر شہتوت انار۔ کثرت سے خوبصورت عورتیں اور بچے لاتے اور اڑاں بیچتے اور ان کی خریدی پر اس قدر منت و لجاجت کرتے ہیں کہ شاید ہی کوئی سخت دل ہوگا جو ان کے خریدنے سے موہ نہ پھیر لے۔ انگور۔ انجیر شہتوت کی حالت وہاں حیدر آباد وکن کے سیتا پھل کی سی ہے۔

پرندے شکار و بچہ گئے ہوئے اور بال دپر سے صاف شدہ پرندے اسٹیشنوں پر فروخت ہوتے ہیں۔

قہوہ خانے عرب میں قہوہ خانوں پر انسانی زندگی کا دار و مدار ہے چنانچہ اس پہاڑ پر بھی نہایت خوشنما اور آراستہ قہوہ خانے موجود ہیں۔

ہوٹل ترکی زبان میں ہوٹل کو لوکنڈہ کہتے ہیں اور اس پر عرب کر کے عربی میں بھی لوکنڈہ کہتے ہیں۔ ریلوے اسٹیشن پر لوکنڈہ بھی نہایت آراستہ اور اکا کرایہ بھی مثل ممبئی مدراس وغیرہ کے ہوٹلوں کی گراں نہیں ہے۔ کہانے کا انتظام لوکنڈہ میں نہیں ہے صرف سونے اور دیکر ضروری حوائج کا انتظام ہے جس کے تعلق روزانہ فی کس (۱۰) سے (۱۵) تک فیس ہوتی ہے۔

بازار ات بازار ات میں چارچہ ہمہ اقسام۔ پیپر۔ روٹی چھلی۔ شراب بسکٹ۔ ترکاری۔ گوشت۔ زیتون۔ مرغ۔ انڈے ارزراں فروخت ہوتے ہیں۔

مسجد اس بلند پہاڑ پر ایک خوشنما مسجد بھی ہے جو اس پہاڑ کی بلندی پر اپنی نئی اسلامی ظاہر کر رہی ہے۔

پولیس سر دی سیوہ جات کی کثرت اور عیش و عشرت کا جملہ سامان ہیل ہونے سے ریل چلتے وقت پولیس ریل کے اطراف کے ڈنڈ وکو

پیکر انجن سے لیکر اخیر ڈبہ تک گشت کرتی اور ہڈی کے پاس بھر جانے کو دیکھتی ہے
گاڑوں کے ڈبہ تک پہنچ کر دوسرے بازو سے شروع کر کے پھر انجن تک جاتی ہے۔
پہاڑ کے آمار اور چڑھاؤ کی حالت میں ٹرکی پولیس جس جو انگریزوں سے گشت
کرتی ہے وہ قابل تعریف ہے۔

سڑک | ریلوے لائن کے علاوہ اس پہاڑ پر عمدہ سڑکیں بھی تیار ہیں ضیہ
دو اسپرنگیاں اور بائسکلین دھڑکی نظر آتی ہیں۔

جس تاریخ کو ریل پر میں نے سفر کیا وہ ۹ شعبان ۱۳۸۷ ہجری تھی میوہ جات کا
موسم۔ انگور۔ انجیر کبریت پہاڑ کے دہن میں گرمی تھی مگر جیسے جیسے ریل چڑھتی شروع ہو
سردی زیادہ ہونے لگی پہاڑ کی چوٹی پر ترشج کی حالت تھی دلچسپ اور دلنشین سفر ہے
دل و دماغ کو وہ لطف و سرور حاصل ہوتا تھا جس کا اندازہ وہی لوگ جو وہاں کر سکتے
ہیں جنھوں نے اس کو دیکھا ہو۔

اکثر مقامات پر نہیں روتاں ہیں۔ بعض مقامات پر ملکوں کے دریدے سے
پانی پہنچایا گیا ہے غرض کہ تمام پہاڑی ترین تفریح کا ہے

اس منظر کو دیکھ کر دل بھی چاہتا تھا کہ چند روز اس پہاڑ کی سیر کی جائے۔
دور دراز ملکوں سے تفریح کے لئے مسافر آتے ہیں کہیں بیاح ہو رہا ہے کہیں گراٹھوں
تائیں بھر رہا ہے۔ کہیں باغوں کی ہلہاٹ کہیں بازاروں کی جھڑ بھاڑ۔

کاشتکار سی و باغبانی کے کام بھی خوبصورت موزون اپنے ہی ہاتھوں سے
کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جن کو قدرت نے بالخصوص اس منظر کی دلچسپی کے لئے
پیدا کیا ہے فقط

قاوہ مرتضیٰ حسین۔ نائب محاسب کورٹ آف وارڈز

غزل کفی

قیامت کی کشش جو تیرے دور وار آنکھوں میں۔ کھینچ آتی جو جاں طالب ید آنکھوں میں۔

کبھی دست جو ماتی و توہین را آواز آواز
ہو بخند رضوں جیب و گریبان آتش اپنی
سرکش نظر ہے راندن اک تیغ کا جلوہ
سمجھتے جو جسے تم مردک و وہ راک کہ ہے
وہ آنکھوں آنکھوں میں کہے کی باتیں از رو
کوئی دیکھے تہار کو دیکھنے والی کی گفت
ہزاروں ایک سو ایک جمی آنکھیں تم پہنچ
اسے دولت کی پروا ہو نہ بدنامی کا اندیشہ

غزل نامی

نہیں کوئی دولت ہے جیت بڑھکر
سدا تم رہو صلح اور آشتی پر
خبر لیجئے بیکسوں کی ہمت
غم اپنے پرے کا ہر آن کہنا
مصیبت میں کام آدھم ہر کسی کے
ہو غافل خبر دار دنیا ہے فانی
کسی سے مصیبت کا اظہار کرنا
کہاں اُس کے پانگ ہو کوئی دولت
کسی پرستم کر کے پھر جسم کرنا
اثر خاک ہو گا نصیحت کا آنکی
کیا وقت بھر مات آتا نہیں ہے
وہ چٹائے تیلے ہاتھ مل کر اپنے
سراسر وہ غفلت میں سو رہے ہیں

نہیں کوئی راحت ہے رحمت سے بڑھکر
نہیں ہے جہاں میں کچھ الفت بڑھکر
نہیں کچھ جہاں میں مردت بڑھکر
یہ ہر عین عشق کی نعمت سے بڑھکر
بھی حق پرستی ہے طاعت سے بڑھکر
خرابی نہیں کوئی غفلت سے بڑھکر
مصیبت یہ ہے ہر مصیبت سے بڑھکر
نہیں کوئی دولت قناعت سے بڑھکر
یہ رحمت ہے لاریں رحمت سے بڑھکر
نصیحت ہے جکی نصیحت سے بڑھکر
یہی وقت اب ہے غنیمت سے بڑھکر
جو کرتے ہیں اسراف قدرت سے بڑھکر
جو کہتے وطن کو دین جنت سے بڑھکر

اتار سے جو ہیں چشم ابرو دگر کرتے
یہی غنیمت ہے غنیمت سے بڑھکر
جو کرتے ہیں ظاہر میں شیریں کلامی
محبت ہے ان کی عداوت سے بڑھکر
رہو رات دن صحبت نیک میں تم
نہیں کوئی تاثیر صحبت سے بڑھکر
مجھے فخر ہے سارے یاروں میں نامی
کہ ہرگز نہیں کوئی صولت سے بڑھکر

غزل شہید

یا آتے ہیں جو دن آرام کے
ہائے رہ جاتا ہوں دل کو تھام کے
مضطرب بے خانماں دشت زدہ
نام ہیں یہ عاشق ناکام کے
حضرت واعظ ہیں عاشق حور کے
یہ بھی نکلے آدمی کچھ کام کے
جس طرف لیجا بیٹکا جائیگا
ساتھ ہیں اب تو دل ناکام کے
دل شکستہ کی تسلی کے لئے
ساقیا رہنے دے ٹکڑی جام کے
ہم دعا کے واسطے پیدا ہوئے
یہ تو کہیے آپ ہیں کس کام کے
کیا غضب ہے وہ ہیں قائم مزاج
طو رہیں سب گردش ایام کے
جذب دل میں گر اثر کچھ بھی نہیں
کیوں چلے آئے کلبجہ تھام کے
دل کو توڑا جام ساقی توڑ کر
دل کے ٹکڑوں میں ہیں ٹکڑی جام کے
اب خدا ہی دے رہائی زلف سے
پھٹتے ہیں قید می کہیں اس دام کے
کون رکھے دستوں سے اپ امید
سب ہیں اسے دل اپنے اپنے کام کے

مہر کے اٹھے اس کے در سے شہید

ایک ہی ہو تم بھی اپنے نام کے

سید عہد می علی

نمائش

الہ آباد

تمنا انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ اس لئے وہ تمنا سے پر صرف بہت کرنے سے کبھی نہیں تھکتا۔ اور چونکہ انسانی ترقی کا تقاضا ہے کہ ہر ادنیٰ سے ادنیٰ چیز سے بھی کوئی نیکوئی مفید ہو سکیگا جائے اس لئے عقلمند انسان کھیل کھلاشوں میں بھی کچھ ایسا اہتمام کرتے ہیں کہ دل لگی اور زینہ کے ساتھ ساتھ کوئی فائدہ بھی حاصل ہو جائے۔

الہ آباد جو اس وجہ سے شہرت رکھتا ہے کہ اس کی سرزمین برتین دریا لنگا بننا اور سروتی چوٹی کی طرح بھرا ہے بہتے ہیں۔ آج کل ایک طرز تمنا بنا ہوا ہے۔

وہاں کلیم و سیمبر سہروان سے ایک عظیم الشان نمائش مکمل گئی ہے۔ اور اپنی نوعیت و عظمت کے لحاظ سے اس مہدی کی سب سے بڑی نمائش کہی جاتی ہے اسکی جلالت اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کفایت شعار گورنمنٹ انگریزی کالج پندرہ لاکھ روپیہ اس پر لگا اٹھ چکا ہے۔ جسے ہرے رومار و راجگان ہندس کی رونق کو بڑھانے میں مصروف ہیں۔ ریلوے کمپنیوں نے نمائش دیکھنے والوں کے ساتھ کرایہ میں تخفیف کر دی ہے۔ مقامی گورنمنٹ نے ملازمین کو خاص طور پر کچھ کچھ رخصت دی ہے کہ جا کر نمائش دیکھیں۔

کوشش کی گئی ہے کہ قسمر کی دل لگی اور دلچسپی کے سامان فراہم ہوں اور زیادہ فراہم ہوں ٹھیٹر۔ سرکس کشتی۔ باسکو پیڈو ٹوکراف والے اپنی اپنی کمپنیاں لے کے پہنچ گئے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ محل الہ آباد کا جوں بہار پر ہے۔ شہر کی آبادی چوکی ہڑہ گئی ہے۔ مکانات اور اثاثے خور و نوش بہت ہنگامے ہو گئے ہیں۔ شہر کے گرد و نواح میں دیروں اور غنیوں کا ایک دوسرا شہر بس گیا ہے۔ اور بل کی پٹری نمائش کے احاطہ تک لائی گئی ہے۔

یہ نمائش دراصل پیداوار و مسموم کی نمائش ہے لیکن اس کے ساتھ ہی صنعت و تجارت
 حیوانات، نوادہ بند و روپ دامر کیہ۔ برق و بخار، کھیل کود، شکار کرکٹ۔ فٹ بال۔ ہاکی، یو
 شطرنج وغیرہ کی نمائش بھی اس کا نیمہ سنائی گئی ہے۔ راجوں، مہاراجوں، فیروہماں کے
 نایاب و تاریخی ذخیرے بھی سجائے ہیں۔ اس صدی کی حیرت انگیز ایجادیں ہوائی برداز بھی دکھائی
 جائیگی، ہوائی جہازات، ہڈ و سہرے اڑنے لگنے کے ”اکس ریز“ ایک عجیب و غریب تجربہ بتایا
 جائیگا جس کی برقی شعاعیں جسم انسانی میں نفوذ کر کے اندرونی امراض کو کھینچ کر دیتی ہیں
 اس شلیفون کی بھی نمائش ہوگی جس کو ذریعہ سے کسی مطلوب کی صورت نظر آسکتی ہے، میچروں کا
 وہ آلہ بھی رکھا جائیگا جس سے علوم ہوگا کہ غلط پانی سے میچر پیدا ہو سکے، مگر ایسا پھیلا یا اگر
 ہیں گندے پانی پر ان میچروں کے اندر سے تیرتے ہیں اور وقتاً فوقتاً میچروں کی شکل میں
 تبدیل ہو ہو کر ہوائ میں ملتے جاتے ہیں۔ دوریلو سے انجن بھی ہیں جن میں ایک انجن وہ ہر جو
 سب سے پہلے ہندوستان کی سرزمین پر چلا تھا۔ ایک گائے کا سر بھی ہے جو باقی کے سر کے برابر
 ہے۔ پشاور سے ایسے انجنس راجا جوئے آئے ہیں جن کا وزن آدھی یا ایک چھٹا تک ہو گیا وہ
 نہیں یہ صنعت دنیا میں کم نظر آئیگی اس پر ہندوستان کو خیر کرنا چاہیے، مٹھنوکے کارخانہ
 کا غندنے ایک تکرار ہو کر آج بھی برہما اہل کمپنی نے اس کو بنایا ہے جس پر ظاہر ہوتا ہے کہ
 برہما کو اندر کر سنو پر بنایا جاتے ہیں۔ بنے تار کی تار کی عجائبات بھی دکھائی جارہی ہیں
 جس کا سلسلہ میدان نمائش میں سٹرل ٹیلگریف آفس کو دیکھنا، تمام کیا گیا ہے، بجلی کی روشنی
 اور دیگر انجنیری کاموں کے آلات وغیرہ کو جلا کر معائنہ کرانے کے اعلان سامع ہو چکے ہیں، نہیں
 یقین دلائیگا، ہر کہ لوگوں کو موٹر کاروں، بائیسکلوں، ہوائی کشتیوں وغیرہ کو پر زور دست
 کر نیکی بہت کچھ معلومات حاصل ہو جائیگی۔

ڈاکٹر محمدت اللہ اوپر و فیروہماں ہوتی وغیرہ نے اپنے شہور آفاق تہذیبی کے کرب
 دکھانے کا وعدہ کیا ہے۔ اول الذکر نے حسب ذیل کرب دکھانے کا اہتمام دیا ہے۔

(۱) دو موٹر کاریں، ۲۰ گھوڑوں کی قوت کی روکنا (۲) دو لوہے کی بجھروں کو نوڑنا (۳) ایک
 بڑی ہاتھی کو جسم پر سوار کرنا (۴) ایک بہت بڑی میچر کو جسم پر رکھنا (۵) دو بیل گاڑیوں کو جو

آویسوں سے بھری ہوئی ہوگی جسم پر سوزنا ۶۱، ایک کسی سن کی بہائی کو سینہ پر رکھنا اور ۲۰ پچھلے کے ہتھوروں سے ایک لوہے کی گرم سلاخ کو کھنکھانا وغیرہ۔

نمائش کے طبقات حسب ذیل میں

۱، طبقہ زراعت ۲۶ طبقہ جنگلات، ۳، طبقہ بابت ۴، طبقہ آبپاشی ۵، طبقہ فنون لطیفہ ۶، فنون معنی آرائشی ۷، طبقہ فلزات و سنگ ۸، چوب ۹، اشیاء و کھکاری جو ریاضت و آرائشی۔ ۱۰، طبقہ فنون جاپان ۱۱، طبقہ تعلیمات ۱۲، طبقہ تعلقہ استورات۔

علاوہ بریں جو امرات کا بھی ایک طبقہ ہے جس میں مختلف اقسام کی قیمتی جو امرات فروز سے سجائے جائینگے۔

طبقہ جنگلات میں بہت سے جانور گیندے جیتے۔ شیر۔ ہرن وغیرہ اس طور پر ترتیب دیے جائینگے کہ گویا اپنے قدرتی محیط میں زندہ ہیں۔ چار شیر شکار شدہ اس منہ بنی کے ساتھ دکھائے جائینگے کہ زندہ معلوم ہونگے۔ پرندوں کا بھی ایک طبقہ قرار دیا گیا ہے جس میں سیکڑوں قسم کی مرغیاں ہنگے۔ مرغیاں اور نایاب پرچیاں موجود ہونگی۔

نمائش کا پروگرام حسب ذیل ہے

۱، پنجشنبہ یکم دسمبر ۱۹۶۹ء	آرائشی و لائٹ تالے لگائے جیں۔
۲، شنبہ ۲ دسمبر ۱۹۶۹ء	دوسرا پو پو لوٹا۔
۳، اتوار ۳ دسمبر ۱۹۶۹ء	شرعی ہوگا پو پو لوٹا زائینٹ آخری تماشائے غالباً شنبہ ۱۹۶۹ء
۴، پیر ۴ دسمبر ۱۹۶۹ء	آج ۹ جنوری ۱۹۷۰ء کو ہوگا
۵، جمعہ ۵ دسمبر ۱۹۶۹ء	۱۱، دوشنبہ ۱۹ جنوری ۱۹۷۰ء نفیس ہندوستانی تماشے شروع ہونگے۔
۶، شنبہ ۶ دسمبر ۱۹۶۹ء	۱۲، دوشنبہ ۲۲ جنوری ۱۹۷۰ء شنبہ ۲۸ جنوری ۱۹۷۰ء
۷، اتوار ۷ دسمبر ۱۹۶۹ء	۱۳، جمعہ ۱۱ دسمبر ۱۹۶۹ء تمام ہندوستان کو پلوٹوں
۸، پیر ۸ دسمبر ۱۹۶۹ء	۱۴، اتوار ۱۴ دسمبر ۱۹۶۹ء
۹، جمعہ ۹ دسمبر ۱۹۶۹ء	۱۵، شنبہ ۱۵ دسمبر ۱۹۶۹ء
۱۰، اتوار ۱۰ دسمبر ۱۹۶۹ء	۱۶، پیر ۱۶ دسمبر ۱۹۶۹ء
۱۱، جمعہ ۱۱ دسمبر ۱۹۶۹ء	۱۷، شنبہ ۱۷ دسمبر ۱۹۶۹ء
۱۲، اتوار ۱۲ دسمبر ۱۹۶۹ء	۱۸، پیر ۱۸ دسمبر ۱۹۶۹ء
۱۳، جمعہ ۱۳ دسمبر ۱۹۶۹ء	۱۹، شنبہ ۱۹ دسمبر ۱۹۶۹ء
۱۴، اتوار ۱۴ دسمبر ۱۹۶۹ء	۲۰، پیر ۲۰ دسمبر ۱۹۶۹ء
۱۵، جمعہ ۱۵ دسمبر ۱۹۶۹ء	۲۱، شنبہ ۲۱ دسمبر ۱۹۶۹ء
۱۶، اتوار ۱۶ دسمبر ۱۹۶۹ء	۲۲، پیر ۲۲ دسمبر ۱۹۶۹ء
۱۷، جمعہ ۱۷ دسمبر ۱۹۶۹ء	۲۳، شنبہ ۲۳ دسمبر ۱۹۶۹ء
۱۸، اتوار ۱۸ دسمبر ۱۹۶۹ء	۲۴، پیر ۲۴ دسمبر ۱۹۶۹ء
۱۹، جمعہ ۱۹ دسمبر ۱۹۶۹ء	۲۵، شنبہ ۲۵ دسمبر ۱۹۶۹ء
۲۰، اتوار ۲۰ دسمبر ۱۹۶۹ء	۲۶، پیر ۲۶ دسمبر ۱۹۶۹ء
۲۱، جمعہ ۲۱ دسمبر ۱۹۶۹ء	۲۷، شنبہ ۲۷ دسمبر ۱۹۶۹ء
۲۲، اتوار ۲۲ دسمبر ۱۹۶۹ء	۲۸، پیر ۲۸ دسمبر ۱۹۶۹ء
۲۳، جمعہ ۲۳ دسمبر ۱۹۶۹ء	۲۹، شنبہ ۲۹ دسمبر ۱۹۶۹ء
۲۴، اتوار ۲۴ دسمبر ۱۹۶۹ء	۳۰، پیر ۳۰ دسمبر ۱۹۶۹ء
۲۵، جمعہ ۲۵ دسمبر ۱۹۶۹ء	۳۱، شنبہ ۳۱ دسمبر ۱۹۶۹ء
۲۶، اتوار ۲۶ دسمبر ۱۹۶۹ء	۳۲، پیر ۳۲ دسمبر ۱۹۶۹ء
۲۷، جمعہ ۲۷ دسمبر ۱۹۶۹ء	۳۳، شنبہ ۳۳ دسمبر ۱۹۶۹ء
۲۸، اتوار ۲۸ دسمبر ۱۹۶۹ء	۳۴، پیر ۳۴ دسمبر ۱۹۶۹ء
۲۹، جمعہ ۲۹ دسمبر ۱۹۶۹ء	۳۵، شنبہ ۳۵ دسمبر ۱۹۶۹ء
۳۰، اتوار ۳۰ دسمبر ۱۹۶۹ء	۳۶، پیر ۳۶ دسمبر ۱۹۶۹ء
۳۱، جمعہ ۳۱ دسمبر ۱۹۶۹ء	۳۷، شنبہ ۳۷ دسمبر ۱۹۶۹ء
۳۲، اتوار ۳۲ دسمبر ۱۹۶۹ء	۳۸، پیر ۳۸ دسمبر ۱۹۶۹ء
۳۳، جمعہ ۳۳ دسمبر ۱۹۶۹ء	۳۹، شنبہ ۳۹ دسمبر ۱۹۶۹ء
۳۴، اتوار ۳۴ دسمبر ۱۹۶۹ء	۴۰، پیر ۴۰ دسمبر ۱۹۶۹ء
۳۵، جمعہ ۳۵ دسمبر ۱۹۶۹ء	۴۱، شنبہ ۴۱ دسمبر ۱۹۶۹ء
۳۶، اتوار ۳۶ دسمبر ۱۹۶۹ء	۴۲، پیر ۴۲ دسمبر ۱۹۶۹ء
۳۷، جمعہ ۳۷ دسمبر ۱۹۶۹ء	۴۳، شنبہ ۴۳ دسمبر ۱۹۶۹ء
۳۸، اتوار ۳۸ دسمبر ۱۹۶۹ء	۴۴، پیر ۴۴ دسمبر ۱۹۶۹ء
۳۹، جمعہ ۳۹ دسمبر ۱۹۶۹ء	۴۵، شنبہ ۴۵ دسمبر ۱۹۶۹ء
۴۰، اتوار ۴۰ دسمبر ۱۹۶۹ء	۴۶، پیر ۴۶ دسمبر ۱۹۶۹ء
۴۱، جمعہ ۴۱ دسمبر ۱۹۶۹ء	۴۷، شنبہ ۴۷ دسمبر ۱۹۶۹ء
۴۲، اتوار ۴۲ دسمبر ۱۹۶۹ء	۴۸، پیر ۴۸ دسمبر ۱۹۶۹ء
۴۳، جمعہ ۴۳ دسمبر ۱۹۶۹ء	۴۹، شنبہ ۴۹ دسمبر ۱۹۶۹ء
۴۴، اتوار ۴۴ دسمبر ۱۹۶۹ء	۵۰، پیر ۵۰ دسمبر ۱۹۶۹ء
۴۵، جمعہ ۴۵ دسمبر ۱۹۶۹ء	۵۱، شنبہ ۵۱ دسمبر ۱۹۶۹ء
۴۶، اتوار ۴۶ دسمبر ۱۹۶۹ء	۵۲، پیر ۵۲ دسمبر ۱۹۶۹ء
۴۷، جمعہ ۴۷ دسمبر ۱۹۶۹ء	۵۳، شنبہ ۵۳ دسمبر ۱۹۶۹ء
۴۸، اتوار ۴۸ دسمبر ۱۹۶۹ء	۵۴، پیر ۵۴ دسمبر ۱۹۶۹ء
۴۹، جمعہ ۴۹ دسمبر ۱۹۶۹ء	۵۵، شنبہ ۵۵ دسمبر ۱۹۶۹ء
۵۰، اتوار ۵۰ دسمبر ۱۹۶۹ء	۵۶، پیر ۵۶ دسمبر ۱۹۶۹ء
۵۱، جمعہ ۵۱ دسمبر ۱۹۶۹ء	۵۷، شنبہ ۵۷ دسمبر ۱۹۶۹ء
۵۲، اتوار ۵۲ دسمبر ۱۹۶۹ء	۵۸، پیر ۵۸ دسمبر ۱۹۶۹ء
۵۳، جمعہ ۵۳ دسمبر ۱۹۶۹ء	۵۹، شنبہ ۵۹ دسمبر ۱۹۶۹ء
۵۴، اتوار ۵۴ دسمبر ۱۹۶۹ء	۶۰، پیر ۶۰ دسمبر ۱۹۶۹ء
۵۵، جمعہ ۵۵ دسمبر ۱۹۶۹ء	۶۱، شنبہ ۶۱ دسمبر ۱۹۶۹ء
۵۶، اتوار ۵۶ دسمبر ۱۹۶۹ء	۶۲، پیر ۶۲ دسمبر ۱۹۶۹ء
۵۷، جمعہ ۵۷ دسمبر ۱۹۶۹ء	۶۳، شنبہ ۶۳ دسمبر ۱۹۶۹ء
۵۸، اتوار ۵۸ دسمبر ۱۹۶۹ء	۶۴، پیر ۶۴ دسمبر ۱۹۶۹ء
۵۹، جمعہ ۵۹ دسمبر ۱۹۶۹ء	۶۵، شنبہ ۶۵ دسمبر ۱۹۶۹ء
۶۰، اتوار ۶۰ دسمبر ۱۹۶۹ء	۶۶، پیر ۶۶ دسمبر ۱۹۶۹ء
۶۱، جمعہ ۶۱ دسمبر ۱۹۶۹ء	۶۷، شنبہ ۶۷ دسمبر ۱۹۶۹ء
۶۲، اتوار ۶۲ دسمبر ۱۹۶۹ء	۶۸، پیر ۶۸ دسمبر ۱۹۶۹ء
۶۳، جمعہ ۶۳ دسمبر ۱۹۶۹ء	۶۹، شنبہ ۶۹ دسمبر ۱۹۶۹ء
۶۴، اتوار ۶۴ دسمبر ۱۹۶۹ء	۷۰، پیر ۷۰ دسمبر ۱۹۶۹ء
۶۵، جمعہ ۶۵ دسمبر ۱۹۶۹ء	۷۱، شنبہ ۷۱ دسمبر ۱۹۶۹ء
۶۶، اتوار ۶۶ دسمبر ۱۹۶۹ء	۷۲، پیر ۷۲ دسمبر ۱۹۶۹ء
۶۷، جمعہ ۶۷ دسمبر ۱۹۶۹ء	۷۳، شنبہ ۷۳ دسمبر ۱۹۶۹ء
۶۸، اتوار ۶۸ دسمبر ۱۹۶۹ء	۷۴، پیر ۷۴ دسمبر ۱۹۶۹ء
۶۹، جمعہ ۶۹ دسمبر ۱۹۶۹ء	۷۵، شنبہ ۷۵ دسمبر ۱۹۶۹ء
۷۰، اتوار ۷۰ دسمبر ۱۹۶۹ء	۷۶، پیر ۷۶ دسمبر ۱۹۶۹ء
۷۱، جمعہ ۷۱ دسمبر ۱۹۶۹ء	۷۷، شنبہ ۷۷ دسمبر ۱۹۶۹ء
۷۲، اتوار ۷۲ دسمبر ۱۹۶۹ء	۷۸، پیر ۷۸ دسمبر ۱۹۶۹ء
۷۳، جمعہ ۷۳ دسمبر ۱۹۶۹ء	۷۹، شنبہ ۷۹ دسمبر ۱۹۶۹ء
۷۴، اتوار ۷۴ دسمبر ۱۹۶۹ء	۸۰، پیر ۸۰ دسمبر ۱۹۶۹ء
۷۵، جمعہ ۷۵ دسمبر ۱۹۶۹ء	۸۱، شنبہ ۸۱ دسمبر ۱۹۶۹ء
۷۶، اتوار ۷۶ دسمبر ۱۹۶۹ء	۸۲، پیر ۸۲ دسمبر ۱۹۶۹ء
۷۷، جمعہ ۷۷ دسمبر ۱۹۶۹ء	۸۳، شنبہ ۸۳ دسمبر ۱۹۶۹ء
۷۸، اتوار ۷۸ دسمبر ۱۹۶۹ء	۸۴، پیر ۸۴ دسمبر ۱۹۶۹ء
۷۹، جمعہ ۷۹ دسمبر ۱۹۶۹ء	۸۵، شنبہ ۸۵ دسمبر ۱۹۶۹ء
۸۰، اتوار ۸۰ دسمبر ۱۹۶۹ء	۸۶، پیر ۸۶ دسمبر ۱۹۶۹ء
۸۱، جمعہ ۸۱ دسمبر ۱۹۶۹ء	۸۷، شنبہ ۸۷ دسمبر ۱۹۶۹ء
۸۲، اتوار ۸۲ دسمبر ۱۹۶۹ء	۸۸، پیر ۸۸ دسمبر ۱۹۶۹ء
۸۳، جمعہ ۸۳ دسمبر ۱۹۶۹ء	۸۹، شنبہ ۸۹ دسمبر ۱۹۶۹ء
۸۴، اتوار ۸۴ دسمبر ۱۹۶۹ء	۹۰، پیر ۹۰ دسمبر ۱۹۶۹ء
۸۵، جمعہ ۸۵ دسمبر ۱۹۶۹ء	۹۱، شنبہ ۹۱ دسمبر ۱۹۶۹ء
۸۶، اتوار ۸۶ دسمبر ۱۹۶۹ء	۹۲، پیر ۹۲ دسمبر ۱۹۶۹ء
۸۷، جمعہ ۸۷ دسمبر ۱۹۶۹ء	۹۳، شنبہ ۹۳ دسمبر ۱۹۶۹ء
۸۸، اتوار ۸۸ دسمبر ۱۹۶۹ء	۹۴، پیر ۹۴ دسمبر ۱۹۶۹ء
۸۹، جمعہ ۸۹ دسمبر ۱۹۶۹ء	۹۵، شنبہ ۹۵ دسمبر ۱۹۶۹ء
۹۰، اتوار ۹۰ دسمبر ۱۹۶۹ء	۹۶، پیر ۹۶ دسمبر ۱۹۶۹ء
۹۱، جمعہ ۹۱ دسمبر ۱۹۶۹ء	۹۷، شنبہ ۹۷ دسمبر ۱۹۶۹ء
۹۲، اتوار ۹۲ دسمبر ۱۹۶۹ء	۹۸، پیر ۹۸ دسمبر ۱۹۶۹ء
۹۳، جمعہ ۹۳ دسمبر ۱۹۶۹ء	۹۹، شنبہ ۹۹ دسمبر ۱۹۶۹ء
۹۴، اتوار ۹۴ دسمبر ۱۹۶۹ء	۱۰۰، پیر ۱۰۰ دسمبر ۱۹۶۹ء

۱۰۱۔ دوشنبہ ۱۳ فروردی ۱۹۱۱ء۔ آل انڈیا مسلم لیگ بمبئی
تعلیل کرسمس میں انڈین کانگریس کا اجلاس ہو گا
میں اس وقت بھی ناسخ کرنا میں تمام آزادیوں کی
شروع ہو گا۔

نمائش میں بعض رتی جوانی صنعت و حرفت از اندامات بھی تجویز کئے ہیں چنانچہ سٹریو پوڈیل
 و ایک ہزار روپیہ کا انعام پیش کیے گئے تو یک چکر لپہہ بند و ستانی کھانا پکانے کا ایسا چرہا ا بجا و کر
 محکمہ تحت مات رویے سے راز نہ ہو۔

ہاتھ لگا کر عمدہ پڑنا سوار کو بھی انعام دیا جائیگا۔ نیز ایک نفر فی تعداد میں ایک سو تیرہ گنا
بے جواز امیدہ مینے اور والوں کے کل جلا سکے۔

خائیں میں جانوروں کو ساتھ ریلوے کیمپوں اور بھی رعایتیں کی ہیں چنانچہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور پبلک ٹرانسپورٹ کونسل نے جب ذیل انتظام کیا ہے۔

کرمس کی تعطیلات کی رعایت کو علاوہ اول اور دوم درجہ کے سافروں کو بارہ دن کر لئے صرف ایک طرف کا کرایہ دینے پر آمد و رفت کا ٹکٹ ملے گا۔ انٹر سٹیٹ دور سانی، درجہ والوں کو پانچ پانی فی میل کو حساب و مجموعہ کر لئے آمد و رفت کا ٹکٹ ملے گا۔ تیسرے درجہ کے آمد و رفت کا ٹکٹ ڈیوڑھا کرایہ دینے پر ملے گا۔ اس درجہ کے سافروں کر لئے خاص کارٹوں کا انتظام کیا جائے گا ان لوگوں کے ٹکٹ نمائش کی بھی ریلوے کرٹ کے ساتھ وصول کر لے جائینگے۔ ان لوگوں کو الہ آباد میں قیام کے لئے صرف ۳ دن لینگے۔ اوسانے جانے کا کرایہ چار روپیہ سے زیادہ نہ ہو سکے گا۔ نئی کیٹی انتظام نمائش کی طرف سے قیام کا بھی انتظام کیا گیا ہے تین روپیہ دو روپیہ پر بند و سٹاپو لہر اکھڑہ میں بلنگ۔ روشنی گرم پانی وغیرہ کا انتظام کیا جائے گا۔ نو تین پر وہ شین جو دور ڈیوڑھے لے کر جائینگے۔ نوکرین ڈیوڑھ کر کا کرایہ ۸ روڑہ لے لیا جائے گا کھانسی فریٹ علی۔ دینی ہوگی قیام کا ۸ کے قریب ملے گا۔

ہمارے ملک میں بھی بعض ذی استطاعت اور خوش باش میں مختلف الغنون تماشا کو دیکھنے شریف ایسا جنگ اور
نے جا رہے ہیں ان کو اسد عاقر کہہ اس تماشا کی اس ملک کی سپیدی کا کوئی مفید ہوتی سیکھیں اور ایسی
مسلوٰت تہرہ لڑتے ہیں کہ ان کے ملک کو کوئی فائدہ پہونچے تاکہ ان کا وہ روپیہ جو تماشائی کو دیکھنے میں صرف
ہنگامہ اور بھل صرف ہوا وہیں سے ہر انسان کا اطلاق نہ کر سکا کہے۔

خانیقا کے خانیقہ میں شریک ہو کر لڑائیوں کو سرکار و دربار کی رعایت دی رہی یا خود الی گز

کو ملا کر اپنی طرح چھند رستان کی سہ کرنے کا موقع حاصل ہو سکے۔ اوپر

ہوئے۔ مکانات نمائش وغیرہ کیلئے مولوی میر کاظم علی صاحب صدر، مہتمم تھا
 اور سٹرا سٹریلی مکانات نکل انجینئرز تعین کئے گئے۔
 یہاں انتظار کے بجائے تھے کہ حیدر آباد کا پولیسنگل مطلع مکہ رہو گیا۔
 متعدد ذمہ دار عہدہ داران ریاست سبکدوش کر دیے گئے۔ شرف علی
 اپنی اپنی فکر پر لگی اور اسی وجہ نمائش کی کامیابی کے متعلق خطرہ پیدا ہو گیا
 مگر نواب مدار المہام سرکار عالی اور نواب معین المہام سہادر مال نواب علی علی
 کی توجہ سے تمام مشکلات آسان ہو گئیں اگرچہ دن بہت ہوئے رہ گئے تھے
 تاہم کل انتظامات مکمل ہو گئے۔ تین اول تعلقہ دار اور متعدد عہدہ داران
 بدلہ نمائش کے کام پر تعین کئے گئے۔

۸۔ حمادی الثانی ۱۲۸۲ھ مطابق ۲۸ دسمبر ۱۸۹۲ء ایسوی کو
 نیر کلسنسی سر آسمانجاہ نے بمعیت سٹریٹو ریلوڈن نہایت دہوم دام
 کے ساتھ سہ پہر میں اس نمائش کا افتتاح کیا۔ اگرچہ اعلیٰ حضرت اقدس
 بنفس نفیس اس کا افتتاح فرمائے والے تھے مگر نصیب و شتمنا علت
 مزاج کی وجہ رونق بخش نہ ہو سکے۔

نمائش گاہ کے دو حصے کئے گئے تھے ایک حصہ میں تین سو دکانیں
 جو اسات قیمتی حساب اشیائے خوردنی وغیرہ کی لگی ہوئی تھیں اعلیٰ حضرت
 اقدس و اعلیٰ مدار المہام سرکار عالی۔ معین المہام مال۔ امراء کیار
 ملازمان نمائش کے کتب نصب تھے۔

دوسرے حصے میں وہ تمام سامان جو سرکاری اہتمام سے تیار کیا
 گیا تھا یا جگہ مالکوں نے فروخت کے لئے روانہ کیا تھا رکھا گیا تھا۔ اور نیز
 سامان تفریح وغیرہ بھی اسی حصہ میں موجود تھا تمام مصنوعات ملک
 سرکار عالی جناب تذکرہ اس کتاب میں ہو چکا ہے موجود تھے۔ پیداوار
 ملک سرکار عالی بھی رکھی گئی تھی۔ مصنوعات محاسب ایک جدا حصہ میں

شاہبانی کے سرکاری کارخانے کا تیار شدہ مال ایک ایک حصہ میں رکھا گیا تھا۔
نواب عابد نواز جنگ بہادر نواب عابد الملک بہادر بہاراج آصف نواز و نت بہادر نے
قدیم اور تاریخی نوادرات اور کیباب اشیاء سکوں وغیرہ کے ذخیرے اپنے اپنے
اہتمام سے جدا جدا خیموں میں بغرض نمائش رکھے تھے۔ حیدر آباد اسپتنگ کل
ایک مقام پر لہنی گرنی کا سامان رکھا تھا۔ لکھنؤ۔ کانپور۔ اگرہ۔ جلیپور
جو دہلیور۔ پٹنہ۔ بنگلہ۔ مراد آباد۔ بمبئی وغیرہ سے وہاں کے تاجروں نے
بغرض فروخت مال روانہ کیا تھا۔ وہ بھی اسی حصہ میں رکھا گیا تھا۔

تہیڑ۔ قلعہ بازی۔ کشتی وغیرہ کے تماشے بھی ہوتے رہتے تھے۔
دوسری قسم کے نمائشات مثل تیرکاری وغیرہ کو لئے ایک ایک دن جدا
مقرر کیا گیا۔ کم و بیش بیس لاکھ روپیہ مال کا جمع ہوا تھا۔ مگر اس میں
زیادہ قیمت جو اہرات کی تھی۔ سب انتظام تھا مگر یہ لحاظ فروخت مال یہ
نمائش پوری کامیابی حاصل نہ کر سکی کیونکہ اعلیٰ حضرت اقدس و اعلیٰ مملکت راج
کی وجہ سے کسی دن بھی نمائش میں رون افروز نہ ہو سکے تھے علاوہ ازیں مال
کی قیمت ڈوگنی چوگنی بلکہ دس گنی رکھ دی گئی تھی کل مال جو قبول اشیائے
خور و نوش فروخت ہوا اسکی مقدار ایک لاکھ روپیہ تھی۔
ایم پیسٹری نے دو کالون سے لے کر ایک لاکھ روپیہ کا اور سرکاری ایشال سے لے کر

مال خریدا

بارہ دن تک دھوم دھام کے بعد نمائش گاہ بند ہو گئی۔ چونکہ اس وقت
متحدہ جات تیار ہو رہے تھے اس لئے کاریگروں کو تقسیم نہ ہو سکے۔
نمائش برخواست ہوئی کے بعد سید محمد حسین صاحب نے ایک تفصیلی رپورٹ
سرکار میں پیش کی اور ایک مختصر یادداشت پبلک کی اطلاع کے لئے شائع کی۔
اسی زمانہ میں ہزار کسٹنس ستر سا نجاہ بہادر وزارت سے مستفی ہو گئے
اور اسکے تھوڑے ہی عرصہ بعد سید محمد حسین صاحب کا بھی انتقال ہو گیا جس کی

وجہ سے قمعون کے تقسیم کی نوبت ہی نہ آئی اور نہ یہ اعلان ہو سکا کہ انعامات کی مستحق کون کون تھے۔ سنا جاتا ہے کہ ابھی تک معتمدی مالگزاری سرکار عالی کے دفتر میں وہ اسی حالت میں رہے ہوئے ہیں جس طرح وہ وہاں داخل ہوئے تھے۔

یہ ہی سنا جاتا ہے کہ ایم ٹیلری جنہوں نے نمائش سے مال خریدا تھا وہ دیوالیہ ہو گئے اور مال کی پوری قیمت ادا کر سکے۔ اور اسکی بدولت سرکار عالی کو اپنے شاہی خزانہ سے کارنگروں کی قسم ادا کرنی پڑی۔ جو مال نمائش میں فروخت نہ ہو سکا تھا وہ کم قیمت پر سراج کر دیا گیا اور جو کمی ہوئی اس کی تلافی بھی خزانہ سرکاری سے کی گئی۔ کارنگروں کو حسابات کے تصفیہ کی وجہ سے عرصہ تک اپنی رقوم وصول کر سیکے گئے انشفا کرنا پڑا۔ اور اسکی وجہ آنکھوں میں دھندلتیں برپا نہ سکیں۔

نمائش کے کل اخراجات کم و بیش ایک لاکھ روپیہ ہوئے جس میں سے دولت اس مال کی خریداری میں صرف ہوا جو کارنگروں سے تیار ہوا تھا باقی رستم اخراجات نمائش میں صرف ہوئی ٹکٹ گزاری۔ اور مال کے فروخت سے تقریباً سات ستر ہزار روپیہ وصول ہوئے جو معنوعات ملک سرکار عالی چکاگو میں روانہ کئے گئے تھے اس میں حسب ذیل شیاں شریک تھے۔

ریلنگی اوئی فالین۔

بیدری برمن۔

جانڈی کے زیورات اور برتن

ہتیار

یارچے

متفرق سامان

بعض بعض شیاں پر تھے اور ساری ٹکٹ نمائش کا : میں نے اور وہ سرکار عالی

کو وصول ہوئے بلکہ معلوم نہ ہو سکا کہ کن چیزوں پر انعامات ملے۔ نہ کوئی رپورٹ سرکار عالی کو اس کے متعلق ہوئی چکا گو کی نمائش کے بعد عرصہ تک کوئی نمائش نہ حیدرآباد میں ہوئی نہ کسی دوسرے ملک میں۔ البتہ ایک غیر سرکاری نمائش مصنوعات ہندوستان اور پوربہر علی خاں صاحب متوطن دہلی نے ۱۹۹۱ء میں بمقام حیدرآباد اس شہر کے ایک محلہ میں کی تھی جس میں اب کمشنر کوٹہری حکم ہے اس نمائش کا افتتاح ہنر اکسٹنسی سرورالامراہا دے کیا تھا۔ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت اقدس دہلی بھی رونق افروز ہوئے تھے۔ یہ ایک معمولی قسم کی نمائش تھی اور اسکو بھی کوئی نمایاں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

نشاۃ عیسوی میں پیرس کی مشہور و معروف اور یادگار زمانہ نمائش ملی سرکار عالی نے اپنے معمارانہ سے یہاں کی بعض اچھی اچھی چیزیں بھی روانہ کیں جن میں پارچے، ٹوٹا، پٹھا، طلائی نقوشی برتن، بیدری سامان، اسلحہ، قالین اور ایک چھوٹا قفریہ وغیرہ تھے۔ ان مصنوعات کی خریدی اور دہلی میں سرکار کے لئے صرف ہوئے۔

یہ شہیاروانگی سے بیشتر سرجاج و اشکاکا نوک رپورٹر گو رنٹ آف انڈیا کو معاہدہ کرایہ کی گئی۔ اوہوں نے اس وقت یہ لکھا تھا حیدرآباد سے جیشیاروانہ کی گئی ہیں اور ان میں یہ چیزیں جو نمائش پیرس کے واسطے منتخب کی گئی ہیں میرے نزدیک بہ درجا بہتر ہیں اور ایسی کہیں نہیں روانہ کی گئی تھیں۔ مذکورہ بالا اشیاء میں اسٹیل کی چیزیں پیرس میں فروخت ہو گئیں۔ باقی چیزیں واپس آئیں اذکو ہراج کر دیا گیا اس سے صالح وصول ہوئے یعنی کل تین سو یا تین سو روپیہ کا مال فروخت ہو گیا۔ لٹا و کے قیمت کی چیزیں جو آریسنی سامان کے طور پر کام میں لائی گئی تھیں وہ ختم نہایت گاہ پر دستیاب نہ ہو سکیں۔ بعض پارچے اور خراب قدہ شیشا قیمتی حاصل آئندیا آفس میں رکھ لئے گئے۔ تعزیر پیرس میں کسی شہر میں کوٹھ

دیدیا گیا۔ بعض ریشمی اور سوئی یا سجے انگلستان کے امپریل ایٹیلٹ اور
 ساتھ کنٹکشن میوزیم کو منجانب اعلیٰ حضرت تھوڑے دے گئے۔
 تمذبات و انعامات کی جو نمائش میں لے کوئی فہرست دستیاب نہیں
 نمائش گاہ دہلی۔ سنگرام میں دربار کے ساتھ جو نمائش۔

لاڈلہ زین نے کی بھی اس میں سرکار عالی نے بھی مال روانہ کیا۔
 اور اس کے اہتمام کے لئے مسٹر بسنچی سانبی کشن کر وٹر گیری مقرر کئے
 گئے تھے۔ نیز مسٹر برسی براون اسسٹنٹ ڈائریکٹر نمائش نے اور جابا
 میں آکر بطور خود کچھ سامان جمع کیا تھا۔ بعض تاجہ دس نے بھی
 تھوڑا مال روانہ کیا تھا قلم و سرکار عالی سے جو کچھ سامان روانہ ہوا تھا
 اور جو انعامات اس پر لے او کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

پیرائے ہتھیاروں۔ کا ایک عمدہ ذخیرہ حاجی حسین
 عرب نے فروخت کے لئے بطور خود روانہ کیا تھا۔ اس میں سے
 طلائی و نفروئی قبضہ کی تلوار اور خنجر پر درجہ اول کا انعام اور ایک نفرو
 تمذہ حاجی حسین کو دیدیا گیا۔

حاجی حسین ایک اولوالعزم عرب ہے جو عمدہ سے حیدر آباد میں مقیم
 ہے اور حیدر آباد کے قدیم ہتھیار اور مصنوعات نیز ہندوستانی نوادرات
 کو فروخت کرتا رہتا ہے اسکے گاہک زیادہ یورپین ہیں۔

دو بڑے ڈھال جن میں سے ایک برطلائی اور ایک برنفروئی کو قوت
 گیری کا کام کیا ہوا تھا۔ سرکار کی جانب سے روانہ کی گئیں۔ ان کو
 ایک حیدر آبادی کارگر میراجی نے بنایا تھا اور ان پر انعام درجہ اول اور
 نفروئی عطا ہوا۔

سرکاری طور سے جو ہتھیار اور کو قوت گیری کے ہتھیار روانہ کئے گئے
 اس میں ایک جمبیہ کے قبضہ پر اعلیٰ درجہ کا کام کیا ہوا تھا۔

نقدوی ظرف - ہی تھوڑے سے روانہ کئے گئے تھے جن میں صرف ایک گلاب پاش قیمتی دیکھ کا تذکرہ رپورٹ نمائش میں درج ہے جو ازراگ آباد کا بنا ہوا تھا اور نمائش میں پیش شدہ گلاب پاشوں سے جداگانہ وضع کا تھا -
بدری ظروف - پہلو سرکاری طور پر روانہ کئے گئے اور کچھ حاجی حسین عوب نے پیش کئے تھے - حاجی حسین کا سامان زیادہ نفیس اور قابل تعریف تھا - اس نے پرانا مال اور نیا تیار شدہ سامان دونوں کو پیش کیا تھا -
 پرانے سامان میں گشتیاں - حقے - صراحیاں - آفتابے - اوگالداں -
 تھالیاں - لوشے تھے ان ظروف پر اکثر برشمش کے دستوں کا نقشہ آمارا
 گیا تھا جو قدیم بدری برتنوں میں علی العموم نظر آتا ہے - بعض پر نقدوی نقشے
 ستاروں یا حلیب کے تھے - ان ظروف پر اسکو انعام درجہ اول اور تمغہ
 نقدوی دیا گیا سنے تیار شدہ بدری صراحیاں ہی پیش ہوئیں اور ان پر اسکو
 انعام درجہ سوم اور تمغہ برنجی ملا - ان صراحیوں کی قیمت محض ۵ روپے تھی -

سرکاری طور سے جو سامان روانہ ہوا تھا اس میں رامنا کی بنائی ہوئی صراحی پر جسکی قیمت ۵ روپے تھی صرف سارٹیفکیٹ حمد کی ملا - اس صراحی پر انکو زنی میل اتاری گئی تھی -

جوبی چیزوں میں مدرسہ صنعت و حرفت اور ازراگ آباد سے کچھ شیا
 جن پر خوبصورت بیجی کاری علاج سے کی گئی تھی اور جو مغربی طرز پر بنائے گئے
 تھے نمائش پیش کئے گئے نہیں ایک دستاؤن کے رکھنے کا گلاس ہی تھا اسکی
 قیمت ۵ روپے تھی - اسکے تین رخ پر برنجی تیرہ مندرند سے جڑے گئے تھے
 اسکو لارڈ کرزن نے خرید لیا - اور مدرسہ کو اسکی ساخت پر انعام درجہ
 سوم و تمغہ برنجی ملا -

چرمی اور پروں کے اشیا میں چند ازراگ آباد کے بنے ہوئے مور کے

ہیون کے نیلے روانہ کئے گئے تھے۔ راجپور کے جوتے ہی تھے۔
 چوہلی اشیا زنگ روغن شدہ۔ حیدر آباد اور راجپور کی کشتیاں
 خوان۔ یہ نیلے زنگ و روغن شدہ نمائش میں موجود تھے۔ حیدر آباد کی
 کارگریہا کے بنائے ہوئے خوش وضع نیلے ہون پر جنگی قیمت سے نفی
 اور کشتیوں پر جنگی قیمت سے تھی سرٹیفکٹ عہدگی ملا۔ اسی کارگری کے
 ہات سے دربار دہلی میں لیڈی کرزن کی خوابگاہ کے لئے ایشیائی سیال
 تیار کرائے گئے تھے۔

زرین ریشمی یاریج۔ اور زنگ آباد سے مدرسہ صنعت و حرفت
 نیز محمد حبیب و محمد لطیف و محمد عبدالغزیز کے کارخانوں میں بنے ہوئے
 کمخواب کے تھان سرکاری طور پر نمائش میں روانہ کئے گئے تھے اور وہ
 دیکھنے والوں کی توجہ خوش نمائی اور ملکی رنگت کے باعث خاص طور پر
 مائل کر رہے تھے۔

بٹن کی زرین گراں بہا خوش وضع نفیس زرین ساڑیوں کا
 تذکرہ اس سے پیشتر ہو چکا ہے۔

مذکور بالا پارچوں پر حسب ذیل انعامات ملے۔
 انعام درجہ اول و تمغہ افتخاری بابا سیٹھ کو بٹن کی زرین ساڑی کے لئے
 انعام درجہ سوم و تمغہ برہمنی مدرسہ صنعت و حرفت اور زنگ آباد کو
 کمخواب کے لئے۔

مخلوط یاریج۔ ہمد و غمہ کے متعلق سر جارج واٹ نے جو تفصیل
 رپورٹ میں شائع کی ہے اس کے کچھ حصہ کا ترجمہ اس مقام پر درج ہونا
 مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اور زنگ آباد۔ ہندوستان بہر میں ہمد و غمہ کی تجارت کا بہت بڑا
 مرکز ہے اگرچہ ترجہ پاملی میں ہی اسی قسم کا مال کثیر مقدار میں تیار ہوتا ہے

اور اس کو بیشتر موجودہ حالت سے بڑھ کر فروغ حاصل تھا۔ ایک محدود مقدار میں خالص ریشمی عمروں بھی تیار ہوتے ہیں۔ اور رنگ آباد کے علاوہ سورت احمد آباد بنارس میں بھی عمروں تیار ہوتے۔ اور رنگ آباد سے ہموں حسب ذیل کارخانوں سے آتا تھا۔

دوسرے صنعت و حرفت اور رنگ آباد۔ سے کثرتِ تھان آئے تھے جن میں سے اکثر ریشمی تھے۔ محمد حبیب تاجر اور رنگ آباد نے متعدد تھان روانہ کئے تھے ان میں دو زیادہ نفیس تھے۔ فضل حسین اور رنگ آباد نے ۱۱۔ تھان داخل کئے تھے۔ ۱۔ میں ایک حبکی زمین نیلی مٹی اور حبلی کے سفید بھول سرخ و سبز پتوں کے پیل بوٹے بنائے گئے تھے زیادہ اچھا تھا عبدالعزیز اور رنگ آبادی نے ۱۶۔ تھان پیچے تھے اس کے ایک عمدہ تھان کی زمین سرخ بیل سبز بوٹے زرد اور گلابی تھے۔ دوسرے تھان کی زمین بھلی بوٹے سبز گلابی۔ اخوانی تھے۔ اسیر الدین اور رنگ آبادی کے پاس سے ۸۔ تھان آئے ان میں ایک بہت بھر گیا تھا۔ محمد لطیف اور رنگ آبادی نے ۸۔ تھان روانہ کئے جن میں ریشمی وادنی بھی تھے اور دو حوالی تھے اسکے طرز سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ پور میں اولی ماروں سے بنائے گئے ہیں۔

اکھڑا رنگ نہایت بڑھ گیا تھا مگر طرز بہت عمدہ تھی۔ اور رنگ آباد میں جن نمونوں پر عمروں بنایا جاتا ہے اس کو پنجاب کے شالباؤں نے جلدہ دار کو مذاق زمانہ حال کے مطابق بنانے کے لیے اختیار کر لیا ہے ۴ × ۴ × ۴ × ۴ کے بے موقع نہ ہو گا دکن کے ہموں یا فون نے یہی ظاہر کر دیا ہے کہ وہ خاموشی کے ساتھ یہ نہیں دیکھ سکے کہ ان کے قدم عمدہ طرزوں کو اس طرح کشمیری چیکے چیکے والین بلکہ وہ خواہاں ہیں کہ اس تجارت میں پورا حصہ لیں پورٹ سے معلوم نہیں ہوتا ہے کہ مخلوط پارچوں کے لئے کوئی اہم مقررہ نصاب نہیں۔ اور وہ کس کو ملا۔ غالباً کوئی اہم اسکے متعلق نہیں دیکھا

جالی پر کشیدہ کا کام۔ نمائش میں بکثرت چیزیں حیدر آباد کے کشیدہ کی
روانگی نکلیں۔ جو محمد برہان الدین کی بنائی ہوئی تھیں ایک سیاہ جالی پر سفید رنگی
یہ بھول تھوڑی تھوڑی جگہ پر بنائے گئے تھے۔ یہ کام ہو ہو بنگال کی جامدانی کے
کام سے مشابہ تھا فرق صرف یہ تھا کہ یہ کام ایسی جالی پر تھا جو ہاتھ سے بنی
نہیں گئی تھی۔ ایک جالی کے تہان پر ترچا کام اس طرح کیا گیا تھا کہ گوبلیں
اڑی ترچہ پیسلی ہوئی تھیں۔ جالی کے پیش شدہ چیزوں میں سب سے عمدہ
وہ تھے جنہیں کامدان کا کام جالی پر عمدگی سے کیا گیا تھا اور اس کی طلائی نقوش
تار کم و بیش اسی طرح استعمال کئے گئے تھے جیسا کہ رنگین ریشم یا اون پر کئے جاتے
ہیں۔ ایک مگڑ کی زرین جالی پیش ہوئی تھی جس کی قیمت ۱۰۰۰۰ تھی اور
اوسکو محمد برہان الدین نے تیار کیا تھا۔

لیس مسٹر براٹ ایک مشتری لیڈی نے حیدر آباد میں اپنے شوہر کے کام
کردہ مشن میں ایک مدرسہ لیس بنانے کی تعلیم دینے کے لئے قائم کیا تھا اور
وہاں کی بنی ہوئی چند اشیا بھی داخل نمائش ہوئی تھیں۔
قالین۔ اگرچہ نمائش میں انگلستان اور مہاراجہ ٹیپو کے پاس سے مستعار
ہوئے قالینوں کی خاص تعریف ہوئی تھی مگر نئے بنے ہوئے قالین حیدر آباد
سے پانچ چھ روانہ کئے گئے جو غالباً محاسن کے تیار شدہ تھے اور ان کے پیل بولوں
میں بھی وہی خصوصیت رکھی گئی تھی جو پیش کی سائروں میں رکھی جاتی ہے۔
مدرسہ صنعت و حرفت اورنگ آباد میں تیار شدہ اولی دو قالین روانہ کئے گئے
جو قابل تعریف اور عمدہ نمونہ پر بنائے گئے تھے اور ان سے آئندہ نرمی کی
امید ظاہر ہوتی تھی۔ افسوس ہے کہ ان نئے قالینوں نے مقابلہ میں کوئی ٹھکانہ
حاصل نہیں کیا۔

نگہی گوٹا کشاری وغیرہ۔ حیدر آباد اورنگ آباد کے تیار شدہ نمائش
میں موجود تھے۔ جس میں اورنگ آباد کا تیار شدہ مال زیادہ دلچسپی دیکھا

گیا تھا اور یہ بہ نسبت اور مقامات زیادہ نفیس قیمتیں یاد رکھنا۔
 مذکورہ بالا مشاہدہ تھے جو فروخت کے لئے آئے تھے شہادتے ستعار کے
 حصہ میں حیدر آباد سے صرف ہزار اسکنسی ہزار اچھ مدرالہام سرکار عالی بخوبی
 ظروف بدوی روانہ کیا تھا۔

اس تائیس کی سب سے بڑی سپرستی اعلیٰ حضرت بندگاہ عالی نے فرمایا
 تھی اور بہت ساسا مان خرید فرمایا تھا جس میں حسب ذیل چیزیں خصوصیت
 کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

نمائش گاہ میں بمبئی و مدراس کے اسکول آف آرٹس سے دو چوٹی کمرے بنکر
 آئے تھے جن میں ہنرمندی کے ساتھ وہاں کے قدیم طرز تعمیر کو ظاہر کیا گیا تھا۔
 پچھہ دونوں کمرے خرید لئے گئے جو دہلیور سے ایک چہرہ دکھاتا تھا جو مرمر اور دوسرے
 قیمتی زرد و سرخ پتھروں سے تراشکر بنایا گیا تھا اور جو دہلیور کے طرز تعمیر کو ظاہر
 کرتا تھا۔ ریاست کے عمدہ سماروں نے اس کو بنایا تھا۔ اور خاص طور پر تائیس
 میں پسند کیا گیا تھا یہی خرید گیا۔

بمبئی میں بنی ہوئی ایک مسند کی کٹر می کا اسکرین جس پر تین تصویریں بنائی
 گئی تھیں۔ ایک سو سال کا قدیم اعلیٰ ترین زرین ووشالہ موسوم بہ شاہ پسند
 قیمتی سمیٹا ہوا مسکو ڈھاکہ کے ترانہ قداس نے پیش کیا تھا۔

دہلی دارگہ کے کارنگروں کے بنائے ہوئے تین بنایت نفیس زردوزی و
 کارچوبی پارچے۔

اگرچہ اس امر کی تفصیل کہ ہندوستان کے کن کن مقامات کے کن کن
 چیزوں پر کیا انعامات ملے معنوعات ہند کے تذکرہ میں کیا جائیگی۔ مگر اس امر کے
 انداز کے لئے کہ حیدر آباد کے کارنگروں کا کیا تجربہ ہے یہاں صرف انعامات
 درجہ اعلیٰ یعنی طلائی تمغوں کی تفصیل کی جاتی ہے۔

اشیاء و فلزی

برنجی دسی اشیاء کے لئے
نقدی خرید و بیع کار کے لئے
اسکول آف آرٹس میسور کو
سابا پوساکن ٹونگو برہما کو
مانگ بن مانگ دکن رنگون کو

اشیاء سنگی

ایک سنگی مکان کے کچھ حصے کے لئے ریاست بہرہ پور کو۔

اشیاء شیشہ و کھلی

کوئی چیز قابل انعام درجہ اعلیٰ نہ تھی۔ اور جس چیز پر انعام دیا گیا وہ فنون لطیفہ میں شمار کی گئی تھی۔

اشیاء چوبلی

ایک چوبلی مکان کے لئے بجا ایک

راجپوت سردار کے طرز رہائش کو

خام نہ کرتا تھا اور بہ قیمت

کلکتہ زمین میوزیم کے لئے خرید لیا

ایک چوبلی مکان کے دیوہوں کے لئے

برمی ساہوادی کے لکڑی کو محسوس کیے

چوبلی زرخیز کے لئے جو براتی طرز رہائش دلاتا

خسڈن کے کاسکٹ کے لئے

میسو اسکول آف آرٹس لاہور کو
مانگ بنیں ہوگان ساکن رنگون کو
اسکول آف آرٹس بمبئی کو
ریاست میسور کو

اشیاء علاج - سینک وغیرہ

اشیاء علاج کے لئے۔

فقیہ حیدر اگھونا تھہ داس ساکن ملک

علاج کے کاسکٹ کے لئے۔

اسکول آف آرٹس تروندرم (ٹرانکوور)

اشیاء چوبلی رنگ و غن شدہ

کوئی انعام درجہ اعلیٰ نہیں ملا۔

پارچہ چوے

کھواب کے لئے
 ہنگوا انداس گویا ناختہ ساکن بنارس کے
 اشیائے کار جو بی وزیر دوزی
 زرین دوشالہ کے لئے جو کشمیر کا بنا
 تیرہ کیا ناختہ داس ساکن ڈہاکہ کو
 ہوا تھا اور جسے اعلیٰ حضرت نے خرید
 فرمایا۔

مکن کے کام پر
 کشمیری زریں دوشالوں کے لئے
 کدرا ناختہ رام ناختہ ساکن لکھنؤ کو
 ہنر بانیش ہمارا جہ کشمیر کو۔
 قالین
 کشمیر مینو فیا کزننگ کمپنی سری نگر
 اگر سٹرل جیل

فنون لطیفہ
 ایک لڑکی کے مجسمہ کے لئے
 مسٹر کے متر ساکن ممبئی کو
 مسی کے مجسموں کے لئے
 بھگونت سنگھ ڈیڑھ ٹیل اسکول لکھنؤ
 اس مختصر تفصیل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ریاست حیدرآباد سے کوئی
 چیز ایسی بیش نہیں کی گئی جو درجہ اعلیٰ کی سمجھی جاسکتی ہو۔ حالانکہ کچھ عرصہ پیشتر
 بعض جنرین اعلیٰ ترین قسم کی سمجھی جاتی تھیں۔ اور کچھ حالت جیسی کچھ قابل
 توجہ تھے وہ مزید توجیح کی محتاج نہیں۔

نمائش گاہ حیدرآباد۔ اعلیٰ حضرت
 بند گانگالی کے جشن ہماوں
 چہل سالہ مبارک کی یاد گاریں ایک نمائش سرکار کی جانب سے باغ عام
 میں کھولی گئی۔ اس نمائش کے قیام میں عالیجناب ہمارا جہ مدارالہام سرکار کا
 کی کوششوں کو خاص دخل ہے۔ اس کے مصارف کے لئے ایک لاکھ روپیہ کوٹھڑ
 سے دیا گیا۔ ڈائریکٹری بورڈ بہاؤت شاہ راول تعلقہ دار کا تقرر کیا گیا۔ پانچ
 چھ ماہ پیشتر سے اسکی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ انتظام کیا گیا کہ مصنوعات

وسید و القمرد و مصفی کے علاوہ بیرونجات کے مال کی بھی نمائش کی جائے۔ کھیل
 ٹماشری اور تفریح کا سامان میسایا گیا جائے جسے کو فغ کے آلات زراعت دکھائے
 جائیں ۲۔ جنوری ۱۸۹۰ء مطابق یکم ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ ہجری کو اسکا افتتاح کسٹمنری
 ہماراجہ مدارالمہام سرکار عالی نے ایک بڑی تقریر کے بعد جس میں مصنوعات
 ملک سرکار عالی کے متعلق بہت کچھ ہمدردانہ خیالات ظاہر کئے گئے تھے کیا
 نمائش علاوہ بکثرت کھیل تماشوں کھانے پینے اور قمار بازی کا دوکانوں کے
 دو حصص پر مشتمل تھی ایک وہ حصہ جو سرکاری اہتمام سے تیار کر لیا گیا تھا۔
 دوسرا وہ حصہ جہاں مختلف تاجروں نے اپنی دوکانیں بنائی تھیں بچھلا
 حصہ اڈریس مال میں تھا اس میں چار قسم کا سامان جمع تھا۔
 ۱۔ مصنوعات جو سرکاری اہتمام سے تیار کر رکھے گئے تھے۔
 ۲۔ نوادرات جو امرا و شایقین کے پاس سے لیکر رکھے گئے تھے۔
 ۳۔ وہ نوادرات و مصنوعات جو نمائش میں سرکاری اہتمام سے فروخت
 کے لئے آئے تھے۔

۴۔ دوکانات جہاں معمولی تاجرانہ اپنا ذاتی مال فروخت کر رہے تھے۔
 سرکاری اہتمام سے جو مصنوعات تیار کر رکھے گئے تھے وہ اسی لئے جنکا
 تذکرہ اس سے پیشتر ہو چکا ہے مگر ساتھ ہی یہ معلوم ہوتا تھا کہ جو چیزیں
 ایشیا کے عام طور پر سامان کی تیاری میں کوئی خاص اہتمام نہیں کر لیا گیا۔
 نہ کوئی ماہر فن نے اس کے متعلق کاریگری و نکو مفید مشورے دیے۔ محاسب
 سرکار عالی و مدارس صنعت کا سامان البتہ خاص توجہ کا بنا ہوا معلوم ہوتا تھا
 قسم دوم کا سامان راجہ راس راہاں بہادر و راجہ شیوراج بہادر نواب
 شمس الملک بہادر نواب سلطان الملک بہادر وغیرہ کے پاس سے آتا تھا جنہیں
 تصاویر کتابیں۔ قالین۔ ہتھیار۔ اسٹا۔ اور دوسری چیزیں
 تھیں نواب شیخ خلیف بہادر کا زرہ بکتر قدیم زمانہ کا فوجی یونیفارم نواب

سرہانجاہ مرحوم کا پلنگ جسکے گرد چار سورتیں بٹیکھے جھلکتیں اور باجا بکاتی تھیں
سیرشا کر علی صاحب کے کمالات خطاطی۔ مولوی عبدالغنی صاحب کا جہل مند
خسروی۔ کاسکٹ جس میں چل سالہ سالگرہ مبارک کی مبارکبادی کا اؤٹرس
رعایانے گزرا تھا پچاسی سے دیکھنے والے مصنفین حیدرآباد کی تصانیف مع
فوتو بھی قریب سے جاتے گئے تھے۔

ششم سوم کے سامان میں کتابیں تصاویر جاگیرات سالار جنگ علاؤد جا
بایکجاہ دستاویز ہمارے مصنوعات زنانه دستکاریاں ہتیار پرانی چینی کے ترن
انگریزی علاقہ سے آما ہوا متفرق سامان قابل ذکر ہیں۔ فلمی کتابیں بکتر
فروخت کے لئے آتی تھیں زنانه دستکاریاں اور زمانہ حال کے مذاق کی
دائیکٹریل پینٹنگ تصاویر بھی نہایت کثرت سے تھیں اور مذاق سیم
اور ترقی کا ثبوت دیر ہی تھیں۔

جونا جرو داینامال فروخت کر رہے تھے اونکا سامان نہایت درجہ قابل
تعریف اور بہت کچھ نئی تھی اور اوس مال کی بدولت نمائش کی رونق قائم
رہی تھی۔ ایسی ۴۲ دکانیں تھیں اوس میں ۶ حیدرآباد والوں کی
دکانیں اور باقی ہندوستان کے تاجروں کی تھیں اہل حیدرآباد کی دکانوں
میں ایک حیدرآباد اسپیننگ انڈونگ مل کی بھی جس میں چولی سوتی جوتی مایچ
فروخت ہوتے تھے۔ ایک دو اونگ آباد کے ہمرو اور جاسمہ دار کی دو دکان
ایک دکان بیٹیل برادر اس کی جس میں مغربی وضع کا اعلیٰ ترین چونی فرنیچر
تھا۔ باقی مارٹوا ریون کی دکانیں جسمیں زیادہ تر بنارس سی ریشمی دزین پاور
جواہرت۔ طلائی۔ نقروی ظروف تھے۔

بیرون قلم و سرکار علی کے باشندوں نے جو دکانیں قائم کی تھیں انکی
تفصیل حسب ذیل ہے

مقام	تعداد و کانات	تفصیل سامان	کیفیت
مدرس	۲	جواہرات گھڑیاں تقریری و طلائی ظروف -	ایک دوکان مشہور جوہری ٹھاکر انڈسٹریز کی تھی جس میں ایک لباس کا لبر جو شیہ سلطان اس جہانی کی ملکیت سے تھا قابل دید دوسری دوکان غوث محی الدین کی تھی جس میں چند قدیم گھڑیاں تھیں -
بیمبئی	۵	ولایتی بلواری سامان - جواہرات - ریشمی دوزین پارچے - قالین	بلواری سامان کی دوکان ایک مسلمان کی تھی اور وہ زیادہ مقدار میں فروخت ایک دوکان میں ایک ایرانی قالین قیمتی ۵۰۰ روپے کا تھا -
کلکتہ	۱	جواہرات	یہ دوکان راسے بہادر بدیری کی تھی جس میں یا قوت اور مہرتیوں کے زیورات زیادہ تھے ایک ہار کی قیمت ۵۰۰ روپے لاکھ روپے تھی -
سیلون	۱	جواہرات - نیکنے - موتی -	
دہلی	۱۰	جواہرات اور زر و دھاتی کام	

- کاشی بہا سامان -
 چکن کا مدانی - جامدانی
 سٹی کے کھلونے تھے -
 رضائی کی فردیں - سب
 چیزیں نفیس اور قیمتی
 تھیں -
 زرین درشیمی ساڑیاں
 کمنواب
 اعلیٰ ترین سنگ بشب
 کی اشیاء - جواہرات -
 زرد و زری پارچے -
 برہمنی کھلونے - فرنیچر وغیرہ - یہ دوکان ایک مسلمان کی
 اور قدیم تیار - تھی اوس میں ایک نایاب
 تلوار قیمتی بھی تھی -
- گینہ ۴
 آنوس کی لکڑی کا بنایا
 نفیس اور قیمتی فرنیچر -
 امرتسر ۳
 اونی و ریشیمی پارچے
 زرین شالیں - نقودی
 خروٹ - قدیم جینی کے
 برتن پرانی نقادیر -
 جوبلی فرنیچر - عمدہ اکیرن
 مراد آباد ۱
 مراد آبادی ظروف
 یہ سب سامان دوڑے ہوئے روپیہ کی مالیت کا تھا - مذکورہ بالا سامان کے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

منبر صحیفہ جلد

ایڈیٹوریل ایک خط اور اس کا جواب

دوستِ شفقتی و مکرّمی جناب اڈیٹر صاحب۔ السلام علیکم۔ رسالہ صحیفہ نمبر ۱۱۱ جلد نمونہ ۱۱۱ اور پینچا اور پینچل تین روز میں سرسری نظر سے دیکھا۔ واقعی رسالہ نہایت خوب ہو اور ہر ایک مضمون اس کا ایک نہ ایک پچاسی ضرور رکھتا ہے اور ٹائٹل پینچ پر جو تحریر ہے کہ علمی، اخلاقی، تمدنی، تاریخی، ادبی، مذاق و معلومات کو ملک میں پھیلا کر اور ترقی دینا مدد دینے کے لئے شائع ہوا ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ ایک پشیم گوتی ہے۔ جو ہر ذہن ایک وقت ضرور پوری ہو کر رہے گی۔ نظم و شعر کی جو بیاں دلی و کھنکھوتے کسی طرح دیکھا نہیں ہیں۔ بڑی خوشی اس بات کی ہے کہ اس کے اکثر نامہ نگار حیدر آبادی ہیں۔ کیا عجیب ہو کہ حیدر آباد کا یہ ایک اکیلا رسالہ ایک استاد کا شرف حاصل کرے اور بہت سے اس کے شاگرد اس ملک میں ترقی پا کر اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کریں۔

مجھے بڑا افسوس اس امر کا ہے کہ بوجہ کاروبار سرکاری میں اس قدر عدم اہمیت ہو کہ مجھے کسی وقتی اخبار تک کے مطالعہ کا موقع نصیب نہیں ہوتا ہے۔ ایتنا مفید و کم باب لکھی رسالہ کے دیکھنے کا وقت نہیں مل سکتے محروم رہو چکا۔ کیا کیا جامعہ مجبوری ہے بقول شخصے روزگار کے ساتھ سب کچھ ہے۔

اگر آئندہ کبھی موقع ملے گا۔ تو ضرور اس کی خریداری کا شرف حاصل کر دوں گا۔ لہذا
سر دست جو جو بات بالا مجھے معاف رکھا جائیگا فقط س۔ ا۔ نس۔ دوم تعلقہ دار
اس خط کا جواب میں صحیفہ کے صفحات پر اس غرض سے لکھتا ہوں کہ بعض اور بھی قدرتا
علم و فن اور ہمدردان ملک و ملت نے بھی قریب قریب ایسے ہی الفاظ میں خطوط لکھے ہیں
سب کو فرداً فرداً جواب دینا طول عمل ہے۔
جناب بندہ! علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

رسالہ کی نسبت آپ نے جن الفاظ میں اپنے خیالات ظاہر فرمائے ہیں وہ بعد
تشکر یہ کہ مستوجب ہیں اور بہت حوصلہ دلانیوئے آپ نے رسالہ کا ایک نمبر ملاحظہ فرمایا
اس کے اغراض و مقاصد کو پوری طرح دریافت فرمایا ہے۔ اور عجب نہیں کہ آپ کو یہ
بھی معلوم ہو گیا ہو کہ آپ کے تذکرہ اوصاف کو رسالہ میں پیدا کرنے اور اہل حیدر آباد
تصنیف و تالیف کا شوق ڈالنے کیلئے رسالہ چلانے والے کو کیا کچھ مشکلین پیش آتی ہوگی اور
کیا کچھ مصیبتیں نہ پہنچی ہوگی۔ اگر آپ کی نظر غائر سے رسالہ کے گہرے مغیرہ بھی گزری ہوتے تو آپ کو
انہی طرح روٹن ہو جانا ملک کی آب و ہوا بھی ایسے رسالوں کو بھولنے پہنچنے کیلئے بالکل
موافق نہیں ہے۔ ملک والے بجا اس کو کہ اپنے فائدہ کی کسی چیز کو نہ رکے گا جو اس سے کہیں اس کا
بربادی کے رہے ہو جاتے ہیں۔ اور ان کا یہ فعل کچھ تو بالارادہ ہوتا ہے اور کچھ بلارادہ۔
اور یہ صرف اس وجہ سے کہ ان کے خیالات میں پوری روشنی نہیں سمائی ہے۔ اور ابھی ان میں
نیک و بد کی تمیز کا مادہ پوری طرح نہیں پیدا ہوا ہے۔ ابھی وہ واقف نہیں ہوئے ہیں کہ تعلیم کو
ملک و قوم کو کیا فائدہ پہنچ سکتے ہیں اور پریس کی قوت سے کیسے مفید نتائج مترتب ہو سکتے ہیں
ابھی ان کو خبر نہیں ہے کہ کسی قوم کا ابھونا اور ترقی کنزائرن تعلیم پر منحصر ہے۔ اور علوم و فنون کی کرم
بازاری اور زبان و لہجہ کی نگہداشت نیز قومیت اور ملک پر پڑ کا پیدا کرنا پریس کی بات میں ہے
اور بس یہ وجہ ہے کہ آج دنیا میں جس قدر ممالک تہذیب یافتہ اور برسر عروج کہلاتے ہیں
وہ سب تعلیم کی پرستی کو لازماًت میں سے سمجھتے ہیں۔ اور پریس کی قدر وانی کو واجبات میں لکھتے
ہیں۔ لیکن ابھی ہمارے دماغ تک ان باتوں کی بو نہیں گئی ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ صحیفہ آج

پانچ سال سے ذوق علمی کی اشاعت میں رات دن ہلک ہو چھٹی اُس کی اشاعت ہنوز پانچ سو
انتجا فرمیں ہو سکتی ہے۔

لیکن اب بحث یہ کہ جو لوگ آپ کی طرح عالمی دماغ اور روشن خیال ہیں اور جن کو ملک کی
ترقی پر خوشی ہوتی ہو اور جو تعلیم کی قدر کر سکتے ہیں ان کو کیا فرامیض ہونے چاہئیں۔ آیا تعلیم پر پس
اُن پر بھی کچھ حقوق عاید ہو سکتے ہیں یا وہ بالمشکل دوسری خبر اشخاص و افراد کو ان فرامیض اور ذمہ داریوں
سے ملوچ جاسکتے ہیں۔ آیا وسائل تعلیم و اسباب اشاعت علم کی اعانت اُن پر بھی واجب ہو یا نہیں۔
یہ اظہار ہے کہ جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ اگر دونوں برابر
ہو جائیں تو ملک میں اس سرزمین پر ہلک جی سویرا ہو جائے۔ اس کو دو فکری افعال اُنکا
میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہونا چاہئے۔ اور وہ فرق کیا ہو سکتا ہے اس کا فیصلہ میں آپ پر ہی چھوڑ
دیتا ہوں۔ اور اُس کے بعد آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ اس فرق کے ظاہر ہو جانے کے بعد آپ کیسے
حضرت کے کیا فرامیض ہونگے اور کسی ذریعہ اشاعت علم کے آپ سے خواستہ گارہ اعانت ہونے پر
آپ کی جناب سے اُس کو کیا جواب ملنا چاہئے۔

اس قدر گزارش کر دینے کے بعد مجھے صرف دو ایک ذیلی باتوں کا جواب دینا باقی رہ
جاتا ہے۔ میں مانتا ہوں کہ کاڈی بار سرکاری کی کمائی یعنی انجام دہی کے بعد دوسری مشاغل کے لئے
وقت بہت کم مل سکتا ہے لیکن آخر کچھ تو مل ہی جاتا ہے۔ چنانچہ تین دن میں سرسری نظر ہی سے
کیوں نہ ہو لیکن آپ رسالہ کو دیکھ کر ضرور چکے ہیں۔ پس اگر روزہ نہ یہی تعطیلات میں ہی آپ اس کو
ملاحظہ فرمانا چاہیں تو اس کے تین جزو ایسے پیچیدہ ہیں کہ ختم نہ ہو سکیں۔ علاوہ بریں یہ بھی ضرور
نہیں کہ آپ پورے رمضان کو تمام و کمال ملاحظہ فرمائیں۔ پچھپ اور ضروری مضامین کو بھی
معاذہ فرمائیں گے۔ اگر بدرجہ تنزل یہ فرض کر لیا جائے کہ جناب کا اوقات گرامی صحیفہ کو کچھ بھی
حصہ نہیں مل سکتا۔ تو کیا اسکی خریداری بطور اعانت رسالہ بھی جائز نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ آپ کو اس
کو کوئی فائدہ نہ پہونچے لیکن یہ کیا کم ہے کہ اس کو آپ سے فائدہ پہونچے گا۔ اور استفادہ کے بجائے
افادہ کا مفہوم پورا ہو گا۔

میں امید کرتا ہوں کہ آپ میرے اس جواب پر جو صرف قومی درد و قریب ہو کر لکھا گیا ہے
اور جو بہت کچھ عنایت و التفات کا مستحق ہے غور و غوض کی نگاہ ڈالیں گے اور نہ صرف خود صحیفہ کی خریداری
قبول فرما کر غور و غشت نہیں کر لیں بلکہ اپنی احباب و اغراض کو بھی اسکی خریداری کی جانب توجہ دلائیں گے کیونکہ

جیتا کہ آپ جیسے معارف شناس اور حب قوم کے سرشار اس قسم کی اعانت و معاونت پر کربتہ
نہو جائیگے تعلیمی کشتی کا کنارہ لگا کر نکلے گا۔ اور نہ ہر مرد و عورت کھائے نظر آئیگی والسلام خیر ختام
خاکسار ازلی محمد اکبر علی

آخر اس کا سبب کیا ہو کہ جو شخص خود جس پائے کا ہوتا ہے دخواہ کسی خندہ سی شہیت ہو
ہو یا علمی یا جسمی یا کوئی اور اس کی اولاد اس پائے کی نہیں نکلتی۔ اور کل یہ بھی دیکھا جا رہا ہے
کہ جن لوگوں کی تعلیم و تربیت پر لاکھوں روپیہ اٹھایا جاتا ہو اور جن کو ملک کے باہر بھیجتے
بھیج کر رکھا یا اور رکھا جاتا ہے وہ بھی ملک و قوم کے لئے کچھ فائدہ ثابت نہیں ہوتے نہ تعلیمت
ظاہر کرتے ہیں۔ وہ ایک مستثنیٰ مثالوں سے بحث نہیں عام طور پر گفتگو کی جاتی ہے کہ خاص بہار
قوم میں جو افراد بہت سی آرزوں اور حسرتوں کے بنی چکے جاتے ہیں۔ اُن سے وہ آرزوئیں
بالکل نہیں پوری ہوتیں جن کی امید باندھ لی گئی تھی بلکہ امید کے خلاف وہ اور ہی عالم میں جاتے
ہیں۔ نفساں کے بجائے رفاہ اُن میں گھر کر لیتے ہیں اور وہ اپنے وجود سے بھٹائی کر بجائے
برائی ہو جانے لگتے ہیں۔ اور عمدہ مثال بننے کی جگہ پر انہوں نے بناتے ہیں۔

اس کا سبب یہ خیال میں آتا ہے اور غالباً یہی ہو کہ اول تو ہر شخص اپنی اولاد کی اصولی طور پر
تعلیم و تربیت نہیں کرتا۔ اور پھر اگر کرتا بھی ہے تو وہ اشیاء قومی اور ہمدردی لگائی ہے بہرہ ہر روز
جہاں لاکھوں روپیہ اپنی اولاد کی ہیو دی پر خرچ کر لے دیا اُس سے انسان نہیں ہو سکتا کہ اس نے غلط
دسواں حصہ قوم کے چوکی تعلیم میں دی اور پریس کی اعانت پر صرف کر دی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گواہوں کی
اولاد پر وہ لکھنے قابل نیا ہو سکیں قومی برائیاں اور سوسائٹی کی خرابیاں جو بالکل غلطی ہوئی ہیں
اور مشکل ہو شخص ہوتی ہیں۔ اُس کی اولاد میں جگہ پڑ جاتی ہیں۔ اور ہر دور کان ملک رفت
نہم شکی طرح وہ بھی عام قومی رنگ میں ڈوب جاتی ہے۔ قوم کو سدھارنے اور سوسائٹی کو درست
کرنے سے ہی چرنا دراصل اپنی اولاد کے حق میں برا کرنا ہے۔ جب تک عام قومی تعلیم اور قومی پر
کی پرستی نہ کی جائیگی جس سے تمام ملک کو فائدہ پہونچے گا اور خیالات میں یک رنگی پیدا ہوگی
اس وقت تک کوئی بہتری صورت پذیر نہیں ہو سکتی۔

اس نازک مسئلہ کو ہم نے یہاں بالکل مختصر طور پر بیان کیا ہے۔ انشاء اللہ کسی
موقع پر تفصیل سے بحث کی جائیگی۔

بیدر

سلاطین بریدہ

بیدر میں سلطنت بریدہ کے تخت تاجدار گزرے ہیں۔ ان میں سے صرف علی شاہ کا مقبرہ بہت ہی عالیشان اور لائق دید ہے سابق بادشاہوں کی قبریں گوید ہی میں ہیں لیکن ان کا پتہ نہیں مل سکا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام بریدہ شاہوں کی مختصر حالت نگاہی جائے تاکہ ناظرین بیدر کی تاریخ سے مجملہ واقف ہو جائیں۔

قاسم بریدہ

سلطان محمد ثانی کا زرخیز غلام تھا۔ جو ایام طفولیت میں گرجستان سے خواجہ جہاں محمود کاواں کے ذریعے منگوا لیا گیا تھا۔ بادشاہ نے اس کی تعلیم و تربیت اعلیٰ پیمانہ پر کی تھی۔ اور اس کو لائق اور قابل بنا کر پہلے عہدہ کو توالی اور پھر ۹۸۰ء میں خدمت وزارت سے سرفراز کیا تھا۔ وزیر ہونے کے بعد اس نے اپنی مستقل حکومت قرار دینے کی کوشش کی اس لئے امرائے فکر کر کے اسے معذور کر دیا۔ اور خواجہ جہاں محمود کاواں کو پھر وزارت و لائی گئی۔ قاسم بریدہ خدمت سے علیحدہ ہو کر حسب حکم سرکار اپنے جاگیرات قندھار، اوسہ و ادگیر کی جانب جانے کو توجہ لایا مگر سابقہ غرت و تکنت کو حاصل کرنے کی کوششیں جاری نہیں بالآخر ۹۸۹ء ہجری میں سازش کر کے محمود کاواں کو قتل کر دیا اور پھر بادشاہ چاہا ایتنا اعتبار جاکر وزارت پالی۔ اور خود غرضانہ کارروائیوں سے سلطنت کو کمزور کر کے ۹۹۰ء ہجری میں دارالحکومت کو روانہ ہوا۔

امیر برید

قاسم برید کا بیٹا تھا۔ اور نہایت فیرس اور اس قدر چال بازی تھا کہ مورخین نے اس کا نام ”روباہ و کن“ رکھا ہے۔ سلطان محمود شاہ ثانی بہمنی نے قاسم برید کو بعد اُسے خدمت وزارت سے سرفراز فرمایا مگر یہ بجائے اس کے کہ خیر خواہی اور ایمانداری میں اپنی فراست و دانائی کو صرف کرتا۔ مختلف جیلوں اور ناگفتہ بہ عیاریوں سے سلطنت کے تمام امور کلی و جزوی پر حاوی ہو گیا۔ اور اس کے حصے خیرے کر ڈالے ایک زمانہ تک سلطنت بہمنیہ کے وزیر کو برائے نام بادشاہ بنا کر خود مختاری کی۔ اور بالآخر ۳۹۱ ہجری میں امیر برید ”برید شاہ“ بن بیٹھا اور پھر عادل شاہی امر اسے سازش کر کے اسماعیل عادل شاہ کی سند حکومت پر بھی قابض ہونے کی ٹھانی۔ مگر وہ چونکہ گیا اور بیدر پر دس ہزار فوج کے ساتھ چڑھائی کر کے مختلف ملکوں سے ۳۹۲ ہجری میں اُسے گرفتار کر لیا۔ اور بیدر پر قابض ہو کر اس کا انتظام مصطفیٰ خاں شیرازی کے سپرد کیا۔ مگر پھر ۳۹۳ ہجری میں امیر برید کو معافی دیدی۔ اور وہ ۳۹۴ ہجری تک بے خوف و خطر بادشاہ بنارہا اس کے بعد دولت آباد کے بالا کھاٹ پر انتقال کیا۔ لاش بیدر کو لائی گئی اور بریدیوں کے احاطہ میں دفن کی گئی۔ جو شہر سے ایک میل کے فاصلہ پر جانب غرب واقع ہے۔

علی برید

امیر برید کا بیٹا تھا۔ ۳۹۵ ہجری میں تخت نشین ہوا۔ ہزار ہوشیار اور دیو لکھ شخص تھا۔ عادل شاہوں نے جب اس پر متواتر حملے کرنے شروع کر دیے تو بیدر کی حفاظت کے لئے فیصل شہر کی تخت ضرورت محسوس ہوئی۔ اس وقت سیاہ اور مضبوط پتھر اتنی تعداد میں فوراً جمع نہیں ہو سکتا تھا جو فیصل کے لئے کافی ہو سکے۔ کیونکہ بیدر اور اس کے اطراف میں سرخ اور نرم پتھر کے سوائے دوسرے کچھ ہوتا نہیں اس لئے اس نے تمام علماء و فقہاء کی طلبی کی۔ اور اُن سے پوچھا کہ دوزندوں کی حفاظت

اولیٰ ہے یا مردوں کی سب نے بالاتفاق کہا کہ زندہ کی حفاظت نہایت ضروری
بلکہ فرض ہے۔ فقوے یا تہی علی برید نے تمام گنبد مقبرے تروادیے اور فصل شہر
بنوادی اس تہی کی کثیر التعداد زیارت گاہوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جنکے
ٹوٹے ہوئے مال مصالح اور اکثر چیتھر۔ ایک عظیم الشان شہر کی تفصیل کتنے کافی ہو سکے۔
علی برید کا مقام زمانہ جنگ و جدال میں گزر اہندوؤں کی شہور اور زبردست
ریاست ”ویجا نگر“ اس کے ماتھوں تباہ ہوئی اور مسلمان بادشاہوں میں بٹ گئی
۵۴ سال نہایت شان و شوکت سے حکومت کر کے عیشہ ہجری میں اس نے انتقال
کیا اس کا گنبد بہت ہی عالیشان اور قابل دید ہے۔ کرسی بہت اونچی ہے۔ اور اس کے
چاروں رخ ایسے کھلے ہوئے ہیں کہ ہمیشہ صاف اور تیز ہوا بلار وک ٹوک آتی رہتی
ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی قسم کا کوڑا مقبرہ کے احاطہ میں کھرنے نہیں پاتا مزار پر صاف
و ترغاف سنگ موسیٰ کا خوشنما تعویذ رکھا ہوا ہے اور پائین پر عربی اور طغراوی خط
میں کلمہ طیبہ منقوش ہے۔ دونوں بازوؤں میں تین اور گنبد کے باہر مگر چوترا ہوئی
جانب غرب ۱۵۵، زمانہ قبریں ہی ہوئی ہیں شہور ہے کہ یہ علی برید کی دو قبریں
مقبرے کی دیواریں بلند ہیں اور ان کے بالائی حصہ پر مندرجہ ذیل اشعار
چینی تے لکھے ہوئے ہیں۔ حروف سفید ہیں۔ اور زمین نیلگوں۔

لے ہم نفساں تاہل آہ بہرین	وز بایے در افتاد و دغوں شد جگر من
دے تازہ گلے بودہ ہم اندر چمن باغ	امروز فردیخت ہمہ بال و پر من
یاران و عزیزاں بہر خاک میں کیند	وار خاک بہر پسند نشان و خبر من
گر خاک جہاں جلد بہر غرابال بہریند	حقا کہ نیابند نشان و اثر من
ز قہم بہ چنان جائے کہ باز آمد نہ میت	ہم نہایت امیدے کہ کس آید بہرین
عطار دلی دارم و از در و بخون غرق	حقا کہ نیابد و وہاں در نظر من
در دنیا کہ بے ماہرے روزگار پڑ	بہر دید گل و چشمت گند فوجہا
کسانیکہ از ما بنیب اندر اند	بسیا یند و بر خاک ما بگزرند

تفرج کنوں در ہوا و جو س
کرا جاویداں ماندن اسید ماند
داسن کشاں کہ میر و دام و زریز
خاکت در آخوین رود آنفس نیزیم
بانی اس گنبد گردوں سشال
مطلع آخر کہ تار بخش بنا سست
شاہ سریر ملک دیں علی برید
آسودہ در بہشت شد آمد تک آغیب
گنبد کے سامنے ایک عالیشان عمارت ہے۔ جو کتب خانہ کے نام سے مشہور
رکھتی ہے اس کے بالا خانہ کے درجے سنگ موسی کے ہیں اور دیکھنے سے تعاقب
رکھتے ہیں جس کے متصل ایک چھوٹی سی مسجد اور ایک مسافر خانہ بھی ہے۔

ابراہیم برید
علی برید کا بڑا بیٹا تھا۔ جس نے تخت نشین ہوا۔ اس کے
چھوٹے بھائی قاسم برید ثانی نے مخالفت کی۔ اور ملک کو تباہ و برباد کیا
ورپے ہوا مگر اس کا استیصال بہت ہی خوبی سے کر دیا گیا۔ ۹۹۹ ہجری میں
اس نے انتقال کیا۔

قاسم برید ثانی

ابراہیم برید لاد لدمرا۔ اس نے اس کے بعد قاسم برید تخت و تاج کا
مالک بنا عادل شاہی سلطنت سے اس نے بگاڑ کر لی۔ اور اس کے فرار شدہ ہو کر
دلاور خان کو اپنے پاس پناہ دی۔ اس لئے وہ اس کے ورپے ہو گئی تھی مگر
حسن اتفاق سے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکی۔ ۹۹۹ ہجری میں اس کا انتقال ہوا۔

علی برید ثانی

قاسم برید کا بیٹا تھا۔ اور اس کے بعد تخت نشین ہوا۔ اس کا اکثر زمانہ جنگ

جدال میں گزرا۔ ابراہیم عادل شاہ اور محمد علی قطب شاہ نے بالاتفاق اس پر چلکیا تھا۔ اس نے نظام شاہ کی مدد سے مقابلہ تو کیا مگر شکست پائی اور پھر خیزرون کے بعد نسلہ ہجری میں انتقال کیا۔

امیر برید ثانی

اس کے بعد اس کا بیٹا امیر برید ثانی تخت نشین ہوا۔ یہ سید عیاش تھا ارکان دولت نے جب کاروبار سلطنت کو درہم و برہم ہونے دیکھا تو اس کی جگہ ”میرزا علی“ نامی ایک شخص کو تخت نشین کر دیا امیر برید نے فرار ہو کر بھاگ نگر میں پناہ لی اور

میرزا علی

نہایت کامیابی کے ساتھ سلطنت کرنے لگا۔ نسلہ ہجری میں اس نے بغرض اتحاد و ارتباط اپنی بیٹی عادل شاہ کے عقد میں دی۔ مگر بجائے اتفاق کے اس سے اور بھی منافقت پیدا ہو گئی۔ صرف اس وجہ سے کہ شیکو پہ جہیز میں دیے کا اور دیکھا گیا تھا اور وہ ایسا نہیں ہوا محمد عادل شاہ نے بید پر پڑھائی کی اور میرزا علی اور ولی پڑھائی کے مخلص کو گرفتار کر کے بیجا پور روانہ کیا اب بیدر سلطنت بیجا پور کے قبضہ میں آگیا اور ملک مرجان شیریں دہاں کا قلعہ ارمقر کیا گیا۔ نسلہ ہجری میں قلعہ بیدر اور ننگیہ علیہ الرحمہ نے اس سے لے لیا اس کے بعد نسلہ ہجری تک عالم گیر قلعہ بیدر پر قابض رہے اور نسلہ ہجری سے وہ سلطنت آصفیہ کے زیر حکومت پر فقط محمد عبدالوہاب غزلیہ حیدر آبادی

تاریخ بیدری

کھول آنکھ اب تک کیا سو رہا ہے وہ کچھ اٹھ کے غافل کیا ہو رہا ہے
کیوں وقت اپنیوں کھو رہا ہے وہ بھی نہ کھو دے دن جو رہا ہے
غافل کہاں تک تیری غفلت کب تک ہینگلی تیری یہ حالت
کرتا نہیں تو توبہ انا بت آئے اجل تو پھر کسی مہلت

عہ حیدر آباد کا قدیم نام یہی ہے۔ یہاں سے بیدر ۵۰۰ فیٹ بلند ہے۔ ۱۲۔

کیا ہے یہ دنیا دار فنا ہے یہ بے بقا ہے یہ بے وفا ہے
 طینت میں اس کی مکر و دغا ہے خلقت میں اسکی غرور یا ہے
 یا دغا اگر سب کا وہ رب ہے کوئی جہاں میں اُس جیسا کب ہے
 بندے کو زیبا پاس ادب ہے یہ بات سچ ہے رب ہی تو سب ہے
 کب تک جو گے اک دن مرد گے اچھے رہو گے نیکی کرو گے
 سعدی یہ الزام کرتا دھرو گے جیسا کرو گے ویسا بھرو گے
 سعدی حیدر آبادی

غزل خواجہ محمد وحید الدین خاں عدیل

ایسی شش تو عشق میں پروردگار ہو جس پر ہوں میں شمار وہ مجھ پر شمار ہو
 میری طرف سے کیوں دل نازک یہ بانو چشمِ عدو میں یار کی دل کا غبار ہو
 تیرنگہ یار اگر وار پار ہو دل بقرار ہو نہ جگر بقیہ ار ہو
 اس سے دد چار ہو کبھی اُس کو دوا ہو ہر دل غزین کے بھی بے اعتبار ہو
 کیفِ مے وصال سے وہ میری بخوی کہنا وہ اکا اب تو ذرا ہوشیار ہو
 کہہ دو کہ آج آئینے قصہ ہی چک گیا انگڑا اتنی بات پہ کیوں بار بار ہو
 برباد ہو زلزلہ تیغِ نظر کی خاک گردش میں چشمِ مست کی اپنا مزار ہو
 دُعاؤں حسرتوں کو اگر میں زمین میں آ آ آسماں مزار کے اوپر مزار ہو
 تو آئے یا نہ آئے ترا اختیار ہے آنکھیں ہوں میری اور ترا انتظار ہو
 ہم اب ہر عرضِ حال بھی کرنے سے باز ہے کہہ دو نظر اٹھا کے اگر شر مار ہو
 یہ بعدِ وصل ہجر کے مدے تری نہا یار ب بہار ہو تو جو پیشہ بہار ہو
 چھپ چھپکے فاش یہ دہِ عشاق کی در پر دہر دہر دہ ہو کہ تم پردہ دار ہو
 میں چاہتا ہوں اُس کو جو جا کر بچھے میں اُس پہ ہوں شمار جو تجھ پر شمار ہو
 یہ کیا ملکِ جمیک گئی بجلی چلک گئی تیر نظر وہ ہے جو کلچے کے پار ہو
 میں یقیناً جس کی محبت میں ہوں عدیل وہ جو فنا بھی میری طرح بے قرار ہو

حیات تمدن مسلمانوں کا فاتحانہ تعلق دکن سے



اگرچہ مشرقی و مغربی سواہل پر ابتدائی اسلامی صدیوں میں ہی اسلامی نور کی شعاعیں اپنا پورا اثر پھیلا چکی تھیں، جیسا کہ صحیفہ میں شرح طور سے علم بند ہو چکا ہے، لیکن ساحلی شہروں سے آگے وسط دکن میں عرب مسلمانوں کی سوشل ترقی کے اثر نظر نہیں آتے جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا تجارتی اثر سواہل تک محدود تھا۔ اتوارم مابعد وینیکزوں وغیرہ کی بھی یہی حالت ہے، یہ حال دکن نے اسلام کو سواہل کی طرح عربی پراس تجارت کے ذریعہ سے نہیں جانا بلکہ شمالی ہند کی طرح تاریخی فاتحین کی تلواروں کے سایہ میں اس کو پہلے پہل اسلام کی صورت نظر آتی۔

فاتحین اسلام کی کس پہلو سے نظر ڈالنی چاہئے

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فاتحین اسلام کے اعمال و اعمال کی تنقیح کا اصلی معیار بتایا جائے جس پر غور کرنے کے بغیر ایک عام خطرناک غلطی پیدا ہو گئی ہے اور جس نے یورپ سے زیادہ ماڈرن ہندوستان میں افسوسناک نتائج پیدا کئے ہیں۔ سر ولیم مور کے یہ الفاظ اس خطرناک غلطی کو نہایت اوجھا کر ساتھ ظاہر کرتے ہیں ”اسلام کا دھوم دو بھا اس پر موقوف تھا کہ اور ملکوں پر ہمیشہ دست تعدی و راز کیا جائے اور اس دین کا تمام عالم میں شائع ہونا اور اس سلطنت کا ساری دنیا میں قائم ہونا اس پر منحصر تھا کہ یہ دین بزرگ شریعہ قبول کرایا جائے“ یہ تمام خرابی اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ مذہبی اور تمدنی مختلف حیثیتیں مخلو کر دی گئیں۔ جہاں ان دونوں حیثیتوں کے نمایاں ہونے پر ذرا بھی نظر اٹھائے سے کام لیا جائے تو پھر فوراً حقیقت کھل جاتی ہے۔ اور ان دونوں جداگانہ

میشیتوں کو ملا دینا انتہا درجہ کا سفالطہ ہے جسکو انصاف پسند نظر بھی روا نہیں رکھ سکتی کس قدر ظلم ہے کہ مسلمان فاتحوں کے تمدنی اور سیاسی اعمال کے جانچنے میں بجائے تمدنی و سیاسی مہول کو ٹھونڈا رکھنے کے مذہبی نظریے کا مہ لیا جائے اور دیگر اقوام عالم کے فاتحین سے مقابلہ کرنے کے عوض ان کے اعمال کی ایسی جانچ کی جائے جو کچھ ان کے لئے موزوں ہو۔ تاریخ اسلام پر ایک اجمالی نظر ڈالی جائے تو اس سے اس فرق کی پوری تشریح ہوگی۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا نشان میں یہ دونوں صفتیں جمع تھیں تبلیغِ عامہ رسالت کی بدولت نوعِ انسانی کے فرد اکمل ہونے کے ساتھ ہی آپ دنیاوی حاکم بھی تھے۔ پس بے شبہ آپ کی والا نشان زندگی پر ہر پہلو سے نظر ڈالی جاسکتی ہے۔ انسانی کمال کا جو اعلیٰ ترین نمونہ حضرت علیہ السلام کی والا نشان زندگی میں موجود ہے اس کی کوئی نظیر نہیں غزوات الرسول علیہ السلام پر سہ سید نے مفصل بحث کر کے ثابت کر دیا ہے کہ ”یہ تمام لڑائیاں ایسی تھیں جو مطلقاً ملکی انتظام میں اور امن و امان کے قائم کرنے میں واقع ہوتی ہیں اور دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس نے ملکی انتظام ہاتھ میں لیا ہو اور اس کو اس قسم کی لڑائیاں پیش آئی ہوں ان لڑائیوں کی نسبت یہ کہنا کہ زبردستی سے ہتیاروں کے زور سے مسلمان کرنے کے لئے تھیں ایک ایسا غلط قول ہے جسکو کوئی ذی ہوش بھڑاس کے کہ دل میں تعصب بھرا ہو سچ تسلیم نہیں کر سکتا۔“

خاتم المرسلین علیہ السلام کے بعد خلفاء راشدین میں بھی یہ دونوں صفتیں یعنی دنیاوی حکومت بلحاظ دروازہ افزوں ترقی۔ زمانہ رسول علیہ السلام میں زیادہ اور مذہبی لحاظ سے اتباع رسول علیہ السلام بدرجہ اتم موجود تھیں۔ اس سستی دور خلافت میں بھی فاتحانہ حیثیت کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے جس پر شک و شبہ کی کوئی گنجائش ہو لیکن بان نے نہایت شد و مد سے دکھلایا ہے کہ عصرِ خلافت راشدہ کے

فتوحات کس قدر صلح بخش تھیں اور علامہ شبلی کی حقوق الذمیین اور الفاروق نے اب اس بارہ میں کوئی بات تصفیہ طلب باقی نہیں رکھی ہے خلافت راشدہ کو بعد یہ دونوں صفتیں علیحدہ ہو گئیں اور پھر ایسا کوئی موقع نہیں آیا کہ یہ دونوں پورے طور سے باہم ملی جوں بے شبہ مابعد خلفاء اسلام بھی مسلمان اور حاضی اسلام تھے مگر وہ کوئی خاص مذہبی رتبہ نہ رکھتے تھے جس سے ہم ان کے افعال کی جانچ خالص مذہبی اصول پر کریں ان خلفاء اور دیگر سلطان اسلام کے اعمال و افعال کی جن میں اچھے برے سب ہی قسم کے تھے خالص مذہبی تنقید ایسی ہی بے جوڑ ہو گی جیسی فلسطین اعظم کے افعال بحیثیت پہلے فرمان روا کے سچی اصول و مقصدین مسیح علیہ السلام کو بالکل متضاد ہیں! ابوریحان بیرونی نے بھی کتاب الہند میں ایک جگہ ضمتنا ان دینین فوکانا فرق ایاکت اور دیانت کے الفاظ سے ظاہر کیا ہے۔ مذہبی امارت ان علماء امت کے مات میں رہ گئی جو امارت سے الگ اپنی بے ریا خلصاً خدمات انجام دے رہے تھے اور سلطنت کے افعال و اعمال سے براہ راست ان کو کوئی تعلق نہ تھا۔ ان ہی بزرگان دین کی بے ریا مخلصانہ کوششیں تھیں جن کی بدولت اسلام کی مذہبی حیثیت برقرار رہی اور ان ہی کی مساعی جمیلہ کا مبارک اثر سواصل میند پر بھی اور اق صحیفہ میں قلمبند کیا جا چکا جو تمدنی و سیاسی حیثیت جو امر و سلاطین اسلام میں تھی اس لحاظ سے ہم کو ان کی زندگی پر نظر ڈالنی چاہئے اور دیگر اقوام اور حکمرانوں کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنا چاہئے جو ان سے پہلے یا ان کے بعد گزرے۔ ان ہی فاتحین اور حکمرانوں کی نسبت موسیٰ بن ہاشم نے بیش بہا فرق نکالا ہے ”جب ہم عربوں کی تاریخ کو بغور پڑھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ملک گیری و توسیع کی ہوتی تھی یا تو یہ کسی ملک کو قیام کرنے کے ارادے سے فتح کیا کرتے تھے یا محض فوج کے ساتھ گزر جاتے تھے پہلی صورت میں

وہ ہمیشہ باشندوں کی دلجوئی کرتے اور کل ملک گیر ان سابق کے طریقے کو برخلاف مفتوحہ اقوام کو پوری آزادی مذہب و رسوم و رواج و قانون کی دیتے اور اس کے عوض ان سے ایک خفیہ سا جزیرہ لیتے فتوحات عرب کی یہ صورت تمام مصر، اندلس میں پیش آئی۔ لیکن وہ سری صورت میں جبکہ وہ ملک میں قیام کرنا نہ چاہتے ان کی طرز باطل ہی علیحدہ ہو کر رہی تھی یعنی مثل اور ملک گیروں کے یہ بھی مفتوحہ ممالک کو محض ایک مال غنیمت سمجھتے اور جس قدر مال و متاع ان کمالات لگتا لے لیتے اور جو نہ لے جاسکتے اُس کو غارت کر دیتے۔ یہ اخیر طریقہ انھوں نے اطالیہ و فرانس میں اختیار کیا۔“

موسیوی بان کے اس بیان کی اس قدر تشریح مناسب معلوم ہوتی ہے کہ مسلمان روادار حکمرانوں کی سی نظیر تو بالکل معدوم ہے۔ رہے ان کو فاتحین و ملک گیر اگرچہ یہ بھی مثل اور ملک گیروں کے ہوا کرتے تھے مگر یہ ضرور ہے کہ ان سے پہلے گزرے ہوئے فاتحین کی نسبت ان کے نظام ملک گیری کبھی ہو ہی ہوئے اور درحقیقت ظالم ملک گیروں کا شمار مسلمانوں میں چند مستثنیٰ صورتوں کے سوائے عام طور پر نظر بھی نہ آئیگا۔ اگر مقتضائے حالات ان میں سختی تھی تو بر موقع نرمی بھی کچھ کم نہ تھی۔

اس معیار کے قائم کرنے سے فتنایہ ہے کہ اسلام فاتحین اسلام کے تمام افعال کا پورا پورا ذمہ دار نہیں ہے۔ جو کام فاتحین اسلام نے کیا وہ سیاسی و تمدنی ضرورتوں کے لحاظ سے تھا اور جو تصویر اسلام کی ان فاتحین کے ذریعہ سر نظر آئی وہ اس کی مکمل تصویر نہیں قرار دی جاسکتی۔ بہر حال جس طرح خالص عربوں کی ترقی حیرت انگیز سرعت کے ساتھ تھی اس قدر انکا تفرق بھی جلد تھا لیکن اسلام کسی خاص قوم و ملک سے مخصوص نہ ہونے بلکہ عالم گیری مذہب ہونے کی بدولت غیر عرب اقوام بھی اس کے قیمتی حلقہ گوش بن گئے اور انہی غیر عرب اقوام نے عرب ناموروں کے فنا ہو جانے کے بعد محمود نور الدین و صلاح الدین

جیسے پچھلے دین دار حامیان اسلام کو دنیا کے رد پر دہشیں کیا۔
اسلام کے عالم گیر اور فطری ہونے کی دلیل اس سے زیادہ کیا جاسکتی
ہے کہ وہی تانا تاری جھوٹوں، زندقہ اور خالک میں ملایا بہت جلد اسلام اور اپنے ہی پاؤں
سے خاک میں ملائے ہوئے اسلامی تمدن کے زبردست محافظ بن گئے لیکن مسیح
انھوں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ایسے عرب اُستاد باقی نہ رہے تھے۔ جو ان
دشمنوں کی (جو قدیم عربوں سے زیادہ دشمنی تھے) صحیح صحیح تلقین کر کے ان کو
انہی ہی طرح پورا شایستہ بنا دیتے۔

اسی سے ان تاناریوں کی نسبت عربوں کے خلف الصدق ہونے
میں محققین یورپ کو تامل ہے۔ بہر کیف یہی تاناری اسلامی تمدن کے
محافظ تھے۔ اور ان ہی تاناریوں کی غلطی قوم کو یہ فخر حاصل ہوا کہ

سلطان علاء الدین جلی خان دکن

کے اسلامی فاتح دکن ہونے کی بدولت تاریخ میں اپنا
نام یادگار چھوڑ جائیں جو تاناری نہیں ملک کی فوخیز سلسلوں کے ہات میں دی جاتی
رہی ہیں ان میں علاء الدین کی صفت ”تند مزاج و خوشخوار“ کے ساتھ لازمی
کر دی گئی ہے جس سے یہ بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے کہ ایسی تعلیم اپنے فوخیز پڑھنے
والوں کے دل میں کیا اثر پیدا کر گئی۔ یہ تصانیف اس خیال کو پیدا کرتی ہیں کہ
ہندو ریائیں اس دامن کے ساتھ بے کھٹکے حکومت کر رہی تھیں کہ دفعتاً ایک
خوشخوار عالم نے بلا وجہ ان پر حملہ کر کے ان کو فنا کر دیا!

جدید تحقیقات نے یہ طے کر دیا ہے کہ کسی ملک میں کسی فاتح کی آمد اس
ہوتی ہے جبکہ اس ملک کی حالت اس قدر زبون ہو گئی ہو کہ بغیر اس کے
چارہ نہ رہے۔ تمدن عرب میں اس اصول کو بشد و مد ثابت کیا گیا ہے
درحقیقت اس وقت بھی دکن کی یہی حالت ہو گئی تھی مولیٰ اسباب منزل

نے جو سب اقوام و ائم کو ایک ہی نگاہ کرم سے دیکھنے کے عادی ہیں دکنی قدیم با عظمت سلطنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے۔ ان میں انتظامی طاقت بیدار مغزی۔ روشن ضمیر ہی۔ زمانہ کی ضرورتوں سے باخبر ہی سب مفقود ہو چکی تھی اس طرح خود دکن اس وقت کسی ایسے فلاح کی آمد کا منتظر تھا جو تمام بد نظمی دور کر کے ایک ضابطہ قائم کرے۔

یہ فلاح وہی تھا۔ علامہ الدین جس کی ولولہ انگیز طبیعت کو لئے فتح دکن کے اسباب ہیا کر رہی تھی۔ شمالی ہند میں اسلامی تمدن مستحکم طور سے قائم ہو چکا تھا تو ایک الواغزم طبیعت کے لئے (جو راز سیاست کے لئے باخبر ہو کہ کسی زبردست فوج کیلئے ہر وقت کچھ نہ کچھ کام موجود رہنا چاہئے ورنہ مرکز حکومت خطرہ میں ہو جائیگا۔ یا دوسرے الفاظ میں فار و ڈیو یا سی یا امپیریل ازم کی حامی ہوں اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ وہ دکن کا رخ کرے۔ چنانچہ تاریخ ضیاء برقی میں علامہ الملک کو تو ال شہر اور علامہ الدین کا جو مکالمہ درج ہے اس میں اس کی پوری تصریح ہے پس ایسی حالت میں یہ الواغزم فلاح ہی تندر مزاجی و خوشخواری کے طعنہ کا کیوں مورد بنی۔ دنیا کا کوئی کشور کشتا ایسا نہ ہو جس کی طبیعت میں تیزی نہ ہو اور ناممکن ہے کہ کشور کشتائی کے وقت خونریزی نہ ہونے پائے کیا ماقبل و مابعد فاتحین تین مزاجی و خونریزی سے بری الذمہ ہو سکتے ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ آریں قوم نے دکن کو در آؤڑ کے مات سے (جو آریں نسل سے بالکل علیحدہ اور ان کے پہلے دکن میں تمدن کے بانی تھے۔ اور جن کی مختصر تاریخ صحیفہ میں بھی لکھی جا چکی ہے) بغیر خون بہنے کے حاصل کر لیا تھا؟

علامہ الدین کی سچی سچی تصویر ضیاء الدین برنی نے کھینچی ہے جس میں اس کے دونوں رخ بنایت صفائی کے ساتھ ظاہر کئے گئے ہیں (عہد علامہ کی تاریخ فرشتہ نے اسی سے لی ہے،

صحیفہ کے اوراق علامہ الدین کی مکمل لائف کے متحمل نہیں ہو سکیں گے ہم ان فتوحات علانیہ کا بیان اس ابجاز کے ساتھ لکھینگے جس ابجاز کے ساتھ لی بان نے عربوں کے فتوحات قلم بند کئے ہیں۔

علامہ الدین کی کامیابی کے دیہی معمولی اسباب تھے کہ اس کی جبری بہادر فوج کے روبرو دشمنی راجاؤں کی فوج صرف برائے نام تھی اور اس لئے جب علامہ الدین نے سب سے پہلے دیوگرٹھ دولت آباد پر چڑھائی کی تو اسکی کوئی قومی غرر محنت نہ ہوئی اور بہت کچھ کسی غور نیرمی کے اس کا جلوس شاندار اس معمول شہر دیوگرٹھ میں پہنچ گیا جس نے کئی صدیوں سے کسی حملہ آور فاتح کے قدم نہ دیکھے تھے اور جس پر اس پہلے فاتح کی یادگار میں اب تک آصفی جعندہ لہرا رہا ہے۔

اُس وقت ضرور بہت سی گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ کسی قدر لوٹ بھی ہوئی۔ لیکن تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ہے جبکہ کوئی فاتح کسی شہر میں داخل ہو اور کچھ نہ کچھ گرفتاریاں اور لوٹ مار نہ ہوئی ہو۔ لیکن اس معمولی بات کے علاوہ اور کوئی ایسا کام نہیں ہوا جس سے علامہ الدین کی ”خونخواری“ کی صفت ظاہر ہوتی ہو۔ شہر فتح ہو جانے کے بعد رام دیو نے قلعہ میں پناہ لی اور آخر صوبہ ایلمپور کے سیر دکر دینے پر مسلح ہو گئی۔

فاتح نے واپس جاتے ہوئے بمقام ماناک پور سازش سے اپنے چچا جلال الدین بادشاہ وقت کو مراد والا جو اس فتح کی مبارکباد دینے کے لئے دہلی سے اسکے استقبال کو آ رہا تھا اور علامہ الدین شاہ دہلی کا انکارہ بیٹے لگا بیٹھ پتر جس کے حاصل کرنے کے خیال سے اس نے دیوگرٹھ کی دور دور آڑ شہر سرخ کی تھی۔ اس کی آرزو کے مطابق اس کے سر پر سایہ ننگن نظر آیا۔

اس میں کون شہید کر سکتا ہے کہ جلال الدین کے نسل کے جانے کا واقعہ اس قسم کا نہایت ہی قابل نفرت واقعہ ہے جس کے سیکڑوں نظائر سے

تاریخوں کی تاریخ سیاہ ہو رہی ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس جرم کا اہل بائوٹ خود سوسائٹی کی حالت ہے۔ وہ چتر سفید مائل کرنا چاہتا تھا اور درحقیقت اس کا مستحق تھا جبکہ ولیعہد سلطنت ارکلی خاں اور ملکہ جہاں کی مخالفت اس کو اپنی زندگی سے ہی ہراساں رکھتی تھی۔ سنت اللہ نے جلال الدین کو مغز الدین کے قتل کا بدلہ دیدیا اور جلال الدین کے قتل کا بدلہ بھی آئندہ ہو گیا۔ ”سلطان مغز الدین اگر غریب بجز خون رست نشنید ہی کہ گنگا از خون جلال الدین بچہ لون ست“

اُمّی علاء الدین نے تخت پر بیٹھنے کے بعد ثابت کر دیا کہ وہ درحقیقت جانی کا مستحق تھا۔ ترکوں کے سلطان سلیمان قانونی کی طرح وہ نہ صرف میلان جنگ میں بہادر سپہ سالار تھا بلکہ اس کی حالت میں نہایت مضبوط و دبیر۔

سلطان سلیمان قانونی اور اکبر اعظم کے آئین و قوانین کی طرح قوانین علانی بھی کچھ کم قابل ستائش نہیں ہیں۔ ہم اس کے قوانین و انتظامات کا ذکر وہ علم کر گئے اس موقع پر صرف نتوحات علانی کی مختصر تاریخ قلم بند کی جاتی ہے جب گجرات اور گھنسیات اس کی عملداری میں شامل ہوئے تو

گھنسیات سے کافور اس کے ہاتھ لگا جس نے آئندہ فتوحات دکن میں بھی امیدیں پوری کیں۔

کافور کے ابتدائی حالات نامعلوم ہیں لیکن بہر حال اس نے بہت جلد اپنی بہادری و فدا داری کے ثبوت پیش کر دیے۔ اور سلیمان شاہ کی بغاوت کے وقت جبکہ علاء الدین خطرناک طور پر زخمی ہو گیا تھا ملک کافور نے جواب ملک کافور فرار وینا رہی۔ بن گیا تھا صلح ہو کر جرم مراد شاہی کی جاں بازی کو ساتھ مخالفت کی۔ اور اس طرح اس کو جہات دکن کے لئے ایک ملکی حالات سے پورا باخبر موزوں سپہ سالار مل گیا جس سے بہتر اور کوئی افسر دربار علانی میں نہ تھا۔ درحقیقت یہ ایک عجیب بات سمجھی جائیگی کہ فوج دکن کے لئے ایک خواجہ

کا انتخاب کیا جائے جس کو ماتحت ایک لاکھ کی عظیم اٹھان جرار فوج ہو۔ اور اس کو سایہ بان۔ لال سراپردہ کے شاہی امتیازات عطا کیے جائیں۔
ملک کا فور کے اٹھان میں جواب ملک نائب کہلایا جاتا تھا خواجہ حاجی بابا عرض ملک مامور کیا گیا جس کی صفت نیک مرد۔ سلیم الطبع بیان کی گئی ہے۔
کا فور کا پہلا حملہ تشنہ میں ہوا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ رام دیو نے عبد نامیہ شریط کی قیصل میں تین سال سے مہینہ رقم پتی کش نہیں کی تھی اور نیز اس کے کرن گجرات کے راجہ کی تائید کر کے کوہستان مکھانہ میں اس کو تدم جمانے کی اجازت دی تھی۔

کا فور نے قیصل بدایات علاء الدین ثابت کر دیا کہ اس کا مقصد لوٹ نہیں ہے بلکہ اس پر پیل ازم کی توسیع۔ اور بلخاؤ آسائش کل ہندوستان میں ایک ضابطہ قائم کرنا۔

مورخین وقت نے تصریح کی ہے ”ملک نائب چون بدکن درآمد کنندہ آن ولایت را در ظل حمایت و شفقت خویش جائے دادہ از امور سے نہ پسندید و مانند تباہ شیر صبح کا ہی شربت کا فوری بکام تشنہ لبان آں دیار ریختہ ہو گئی عریث و سپاہ را بطبع و شفا و ساخت افسوس ہے کہ ایسے اہم نکات کو ہی جو ان فتوحات کے پہل روح و رواں ہیں اور قانون ارتقاء عمل کے لحاظ سے ہی چیزیں قابل تذکرہ ہیں یورپین تصانیف میں نظر انداز کر کے نئی نسل کے سامنے تاریخ کا ایسا نمونہ پیش کیا جاتا ہے جس سے بجز فساد و طبائع کے اور کوئی ثمرہ ترتیب نہیں ہو سکتا۔ کا فور نمایاں فتح کے بعد رام دیو کو ساتھ لیکر دربار علانی میں حاضر ہوا۔ علاء الدین نے جس عزت کے ساتھ رام دیو سے ملاقات کی اس سے اس کی قومی شہادت مل سکتی ہے کہ علاء الدین کوئی بد مزاج و درشت خوشخص نہ تھا بلکہ اکبر کے پیشتر اس کو اپنی عالی ظرفی کا نمونہ دکھلانے والا تھا۔ رام دیو کے ساتھ پورے شاہانہ لوازم برتے جاتے تھے بقول مورخ ”و خلایق در گاہ کیا

ادب و شاہ فیہا و ذکاوت شاہی علامت چتر سفید کے استعمال کی اسکو اجازت دی گئی۔
 رائے راباں کا خطاب دیا گیا۔ دیوگرہ اور اس کے متعلق قدیم علاقہ کی حکومت
 بحال رکھی گئی۔ قصبہ فوسا رسی۔ واقع گجرات پاؤ شاہ کی طرف سے عطا ہوا
 ایک لاکھ تین سو نقد سے تو اسے کی گئی۔ اور اعزاز سے تمام سررشتہ داروں اور
 بچوں کے ساتھ (بغیر کسی کو بطور ضمانت رکھ لینے کے) واپس جانے کی اجازت ملی
 علاقائی الطاف خسرو نے رام دیو کو بھی مدت العمر تحت و تاج علاقائی کا ولی
 و غدار و دوست بنا دیا یہ تباہی برتاؤ فتوحات و کن کے یادگار تاریخی واقعات میں

سے ہے۔ محمد تقی میں کونوں کیا ہوں

منظر ہوں خدا کا یہ قدرت سب بنا ہوں
 گو بہتی موجوں میں۔ رہ گئے منسا ہوں
 عشر ہی بیا کر کے دکھا دوں جو میں چاہوں
 لکھے کا بھگتنا۔ مری قسمت میں کھاجوں
 راحت سے نہ راحت ہے نہ تکلیف نہ تکلیف
 ثانی نہ تھا رہا ہے نہ تم سے کوئی ممکن
 آنکھوں میں جگہ پاتا ہوں ارباب نظر کی
 اللہ سے مدد ہوشی صہبائے محبت
 ہر شخص مجھ دیکھ کے جو جاتا ہے غافل
 چلے میں نہ آؤں گا۔ دغا مجھ سے نہ کھیلو
 تاثیر ہے یہ بے ہمد و با ہنگی کی پڑ
 موجود کا موجود ہوں۔ معدوم کا معدوم
 سنت سے کہا میں نے کہ اب تو مجھے چاہو
 بانہ غیہ مراد در سخن ہے کہ بلا فکر مگر با نزع
 محمد عبد الملی با نزع

آپ اپنا تاج شاہوں میں اسرار خدا ہوں
 پھر بھی نہیں معلوم۔ کہیں کون ہوں کیا ہوں
 مٹی کا تویتلا ہوں۔ مگر ایک بلا ہوں
 قسمت جو دکھاتی ہے۔ وہی دیکھ رہا ہوں
 بندہ ہوں ہر اک حال میں رہی بنا ہوں
 اب تم ہی بتاؤ تہذیب چاہوں کہ نہ چاہوں
 اللہ! میں کس شیخ کا نقش کف یا ہوں
 گر کر کے اٹھا ہوں کہ بھی اٹھا اٹھا کر اہوں
 کیا میں بھی کسی کی نگہ ہوش رہا ہوں
 تم چال کے گہرے ہو تو میں سچم سوا ہوں
 میں سب سے ملتا ہوتا ہوں پھر سب سے جدا ہوں
 ہستی کا نمونہ ہوں کہ تصویر منسا ہوں
 بولے مری مرضی تمہیں چاہوں کہ چاہوں
 الفاظ چلے آتے ہیں۔ میں بول رہا ہوں

رباعیات حج و عید

قسمت کے دھنی میں حج کے جانے والے	اللہ کے گھر عید منانے والے
محروم اور آخر فرسنت استغاثت بر بھی	غفلت میں ہو کر کیا لمحو زمانے والے
مسکین اور سونگے کرشمہ کیا بنوائے	بے شک ثبوت کہہ جانے والے
رکتے ہیں کہیں لاکھ زمانہ روکے	اللہ کے گھر جانے ہیں جانے والے
کعبہ کی زیارت کا شرف پاتے ہیں	حرام سے ایک رنگ نظر آتے ہیں
تعظیم سے کہتا ہے عید پر اگر لیک	دل جا جوں کے زبان سر ملجا نہیں
دشواری ہو کر کیا شفیق ہو آسانی کیا	مخلص کو کمی کیا ہے فراوانی کیا
مرضی الہی ہو جو راضی ہو علیہ صل	فرزند کی کیا پھر اپنی قربانی کیا
ہاں عظمت باری سے دل پہنچے ہیں	وہ عید کے دن گل کی طرح کھلتے ہیں
بس جاتا ہے خوشبو کی اخوت و دلیغ	دل ملتے ہیں سب کے سب گلے ملتے ہیں
کب عید کو بھی زخم بکھر سکتے ہیں	کب خچہ پڑمردہ دل کھلتے ہیں
پھیلا ہے لہانوں میں اس درجہ نفاق	دل ملتے نہیں ہیں گو گلے ملتے ہیں
ہے عید کہ بھیت کی فراوانی ہو	اور تجھ سے گلے ملنے کی آسانی ہو
اللہ کی قسمت کہ یہ دن بھی ملے	جی چاہتا ہے کہ دل کی قربانی ہو
اللہ جو پورا کوئی ارمان کرے	ذرا کہ بھی خوشید کا ہمان کرے
ہجو رہے اس وقت کی حالت پوچھو	جب عید گلے ملنے کا سامان کرے
ہے عید کوئی تحفہ لاشانی دو	دوست محبت میں بھی کچھ پانی دو
ملے ہو گلے جان نقد کر دے	تم بھی تو تسلی کوئی قربانی دو
رہنے بھی دو میزوں پر اگر لیک	کیا ہرج جو کھانے میں سب ایک ہیں
بس کافی ہے اتفاق اعمال میں	سب ایک ہی ہو جائینگے گریک ہیں

محمد تقی الدین علی حیدر آبادی

سلوئی عید

عید کا نام لیا اور باچھیں کھل گئیں۔ دل کھل گیا۔ دل کی گرہیں کھل گئیں۔
دل کے راز کھل گئے۔ (کھلنے کے لئے، سینے کھل گئے، مصافحہ کرنے کے لئے، بندھے ہوئے بات کھل گئے، روپیہ خرچنے کے لئے، خزانہ کے موزے کھل گئے، الغرض ابر نشاط چھا گیا اور غم کی ساری بدلیاں کھل گئیں۔

مسلمانوں کے مذہبی پہلو کو حقیقی معنوں میں خوشی منانے کے لئے عید الفطر کے بعد سلوئی عید کا موقع ملتا ہے۔ کہ اس روز دین حنیف ابراہیمی کو یاد دہانی نے انیائے نفس و اطاعت الہی کے کڑے امتحان میں کامیاب ہونے کے لئے پُر نور چشم دراحت قلب۔ جگر گوشے (یعنی حضرت اسمعیل علیہ السلام) کو قربانی میں خود اپنے ہات سے نچ کر دیا۔ جس کے صلہ میں حوصلہ آزمائش کی بارگاہ سر باپ کو تو ظلیل اللہ کا خطاب ملا۔ اور بیٹے کو ذبیح اللہ کا

اس تقریب ہمایوں کی یاد تازہ رکھنے کے لئے ہم مقلدان ملت ابراہیمی بکرے یا گائیا اونٹ وغیرہ کی قربانی کا حکم ہوا۔ جس کی آواز باوجود زمانہ کی جودہ صدیوں کی مخالفت ہو اس کے مانع ہونے کے اب تک برابر ہمارے ہر کانوں میں گونج رہی ہے۔ اور ہم دو کا نہ شکر ادا کرتے ہی گھر پہنچتے اور راہ خدا میں استقلال کے ساتھ قربانیاں دیتے ہیں۔

قربانی کے جانور۔ کئی کئی دن پہلے سے۔ شرائط کے مطابق دیکھ بھال کے فراہم کئے جاتے ہیں۔ اور انھیں یوم قربانی تک اچھی طرح رکھا جاتا اور دل بھر کے کھلایا پلایا جاتا ہے۔ جن خاندانوں میں بیٹے بیٹی کی نسبت یا کوئی اور رشتہ ہوتا ہے۔ ان میں ان جانوروں کا بطور حصہ اور رسم کے باہمی تبادلہ عمل میں آتا ہے۔ اور پھر اس تکلف کے ساتھ کہ گلے میں سبز دھوا کا اور پیٹھ پر

لال کپڑا باندھا جاتا ہے۔ اور رستہ چلتے وقت جانوروں کے آگے آگے تاشے بجائے جاتے ہیں۔

قربانی کے گوشت وغیرہ کی نسبت حکم ہے کہ کہیں مالدار دزدی اشاعت اپنے غریب بھائیوں کو جنھیں مفلسی کی بدولت گوشت کی سی نعمت عظمیٰ روز روز کھانے نہیں ملتی ہے بھول نہ جائیں۔ بلکہ پہلے اُس کا ایک حصہ اُن میں تقسیم کر لیں۔ پیچھے خود کھائیں۔ کھال بھی جہاں تک ہو سکے کسی خیر کام میں لگائیں۔

نبات غور فرقہ کی جانب سے۔ اس موقع پر یہ احترام ضرور درج ہو جا کہ جانداروں کی جانیں تلف کرنے اور اُس کا نام راہِ خدا اور خشنودی خدا کی قربانی رکھنے والا مذہب بلاشبہ بے رحم اور بے اصول مذہب ہے۔ جب گوشت ہی سرے سے انسانی غذا کے قابل نہیں تو گوشت کھانے اور گوشت بائٹنے کے لئے جانوروں کو ازنا کب کوئی پسندیدہ کارروائی ہو سکتی ہے۔

۱۔ جس طرح ہندوستان میں برہمنوں کا فرقہ ہر قسم کا گوشت کھانے سے مذہبی ممانعت سبب پرہیز رکھتا ہے اسی طرح یورپ و امریکہ میں بھی ایک فرقہ ایسا موجود ہے جو جاندار کو بیچ کرنے اور اُن کا گوشت استعمال میں لانے سے احتراز رکھتا ہے۔ یہ سببوں اور بقولاتِ یززدگی گزارتا ہے۔ اس فرقہ کے پیروں کو ”یجی ٹیرین“ کہا جاتا ہے جس کا خیال ہے کہ گوشت انسانی غذا نہیں ہو سکتا جس طرح شراب انسان کیلئے زہرِ بدیع ہے گوشت صحت انسانی کے لئے مضر ہے۔ ان لوگوں کا قول ہے کہ اول تو جانداروں کی جان لینا ظلم و رحم و انصاف اور ایک قسم کی درندگی ہے پھر انسانی معدہ گوشت کی سی ثقیل غذا کو ہضم بھی نہیں کر سکتا۔ نہ انسان کو نظرت نے ذخیرہ کرنے کی طرح، ایسے قدرتی اوزار دیئے ہیں جس ثابت ہو کہ گوشت انسان کے چبانے کی چیز ہے اس لئے بہتر ہے کہ ایسی مضر چیز سے خدا کیا جائے اور جانوروں کی جانیں ہفت نہ کھوئی جائیں ۱۲

اس اعتراض کا جواب تو یہ ہے کہ انسان ہے لیکن خوف ہے کہ غریب
 ”دیوچی ٹیرین“ نباتات سے کہ تو یہ کہ ایسا اور پتھر مٹی نہ کھانے لگ جائیں
 جان اور روح جس چیز کا نام ہے وہ حسرت ایک قسم کی حرکت ہے۔ اور یہ حرکت
 نباتات میں بھی ایسی ہی موجود ہے جسے حیوانات میں۔ بلکہ بعض بعض جمادات
 میں بھی اس کا دھوپا یا گیا ہے۔ یا فی سبیلہ عقیق البھر وغیرہ بھی جاندار
 ثابت ہوئے ہیں۔ بہری ہری ترکہ ایں کو جڑ سے اکھیرنا اور چوٹے پر پکاپکا
 کے فرے لے لے کے کھانا کسی طرح ذبح جاندار اس سے کم نہیں۔ یہ ان نیسٹوں
 کی دانشمندی ہے کہ حیوانات کے تمام افعال و آثار کو نباتات میں نہ پا کے
 تصور کرتے ہیں کہ نباتات میں جان نہیں۔ ہرے درخت۔ ہرے پتے بہری
 ڈالی۔ تازہ پھول۔ تازہ پھل۔ ان سب کو کاٹ کے دیکھو۔ دودن کے
 بعد خشک ہو جائیگے۔ ظاہر ہے کہ ان کی جان لے لی گئی۔

جس طرح جانداروں کی پیدائش نطفہ سے وقوع میں آتی ہے۔ اسی
 طرح نباتات کی تخم سے ہوتی ہے۔ جس طرح بچے پیدا ہوتے ہیں اور بڑھتے ہیں
 اسی طرح پودے اگتے اور بڑھتے ہیں۔ جس طرح جانوروں کی ایک عمر ہوتی
 ہے اسی طرح نباتات کی بھی ایک عمر ہے۔ جس طرح جانوروں کو ذبح کرنے سے
 موت لاحق ہوتی ہے اسی طرح نباتات کو جڑ سے اکھیرنے یا کاٹ دینے سے
 موت عارض ہوتی ہے۔ جس طرح جانوروں میں خفگی ہوتی ہے اسی طرح بعض
 نباتات میں بھی یا گئی گئی ہے۔ اس کے کیا معنی ہیں کہ جانوروں کو تو ذبح نہ کیا
 جائے اور ان کا گوشت استعمال میں لایا جائے لیکن سبز نباتات کو جڑ کر
 کاٹا جائے اور آگ پر پکایا کر کھایا جائے اگر جانداروں سے ہمدردی ہے تو نباتات
 نے کیا گناہ کیا ہے کہ ان پر نگاہ رحم نہیں ڈالی جاتی۔

اس میں شبہ نہیں کہ ”دیوچی ٹیرین“ کی ہمدردی و رحم گسری فطرت
 کی ہمدردی و رحم گسری سے ضرور بڑھ چکے ہے کہ اُس نے تو دوحش و سباع کی

گٹھی میں گوشت خوری ڈال دی اور انھوں نے گوشت خوری کو زندگی قرار دیا۔ لیکن اس کا کیا علاج ہے کہ موجودات عالم میں ایک کو دوسرے کا دلچسپ بقا ہی قرار دیا گیا ہے۔ اگر انسان گوشت کھانا چھوڑ بھی دے تو حیوانات دوسرے حیوانات کو کھانا نہیں چھوڑ سکتے۔ اگر حیوانات کو بھی چھوڑ دیں تو نباتات کو ضرر کھاٹینگے۔

نباتات جمادات کو اپنی غذا بناتے ہیں۔ اور جمادات ہر قسم کے مردہ حیوانات و نباتات و جمادات کو اپنی خوراک بنا لیتے ہیں۔ مٹی ہر قسم کی چیز کو کھاکر مٹی بنا دیتی ہے۔ مٹی، پانی، بخارات کو نباتات کھاتے ہیں۔ نباتات کو حیوانات حیوانات کو انسان۔ اور ایک انسان کو دوسرا انسان۔ ایک (مردہ) قوم کو دوسری (زندہ) قوم۔ تا وقتیکہ یہ سلسلہ نہ توڑا جائے دیگی تیر بن کے اعتراضات و پابندی کا علم ٹوٹتا رہیگا اور انھیں کامیابی نہ ہوگی۔ یہ بھی کیا خزع کی بات ہے کہ تیر۔ کتے وغیرہ کو تیر اور مضبوط دانت دے گئے ہیں کہ گوشت اور ہڈی ان کی غذا ہے۔ انسان کو ایسے دانت نہیں دیئے گئے اس لئے گوشت انسان کی غذا نہیں ہو سکتا۔ کیوں صاحب؟ انسان کو ایسے دانت کب دیئے گئے ہیں جیسے گائے، بیل، بھینس، بکری وغیرہ کو۔ یہ جانو بقولات اور گھاس وغیرہ کھاتے ہیں۔ تو انسان کو بقولات بھی حرام ہو گئے۔ کیونکہ گھاس چاول۔ چنا وغیرہ چبانے کی قابلیت انسان کے دانت میں نہیں ہے۔ جب انسان کو عقل جیسا کبھی نہ گھسنے والا نہ ٹوٹنے والا دانت عطا کیا گیا ہے جس سے وہ ہزار مختلف قسم کے دانت (اوزار) بنا لیتا ہے تو ایسے دانت کے نہ ملنے کی کیا پردا ہے۔

رہا یہ کہ گوشت ہضم نہیں ہوتا اور مضر مادے پیدا کرتا ہے۔ یہ ایک طبی اعتراض ہے۔ اگر جواب شاید ڈاکٹروں کے رجسٹروں سے مل سکے کہ گوشت خوروں کے معدے قوی ہوا کرتے ہیں یا ضعیف۔ اور ان کا ہضم درست

رہتا ہے یا ہمیشہ بگڑا ہوا۔ الغرض ہمارے فطری مذہب نے تو ”لحم طری“ کی سی مونہ سے نہ چھٹنے والی نعمت کے استعمال کرنے اور جانوروں کو بیچ کر کے کام میں لانے سے ہمیں منع نہیں کیا ہے۔ حالانکہ دوسری مفسرینوں اور فسفاؤں اور اشیا کو قطعاً ہم پر حرام کر دیا ہے۔ اور یہی اُس کے مذہب الہی و ملت فطری ہو سکی بڑی دلیل ہے۔

عید کی خوش گواری کیفیت بیان کرتے کرتے ہم دور بھل گئے۔ نویں بیچ سے عید الفصحی کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اس روز عمدہ عمدہ کھانے پکائے جاتے ہیں ایصال ثواب کیا جاتا ہے۔ روزے رکھے جاتے ہیں۔ اور مسلمان کے دلچ خوشی کا ایک عجیب عالم طاری رہتا ہے۔ مسرت کی برقی لہر رگ و پے میں دوڑتی رہتی ہے۔ چہرے شگفتہ۔ دل کھلے ہوئے۔ بات پاؤں عمدہ کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ دن اگر بیچ پوچھا جائے تو مسلمانوں کا سب سے بڑا دن ہے۔ اس دن ایک نہایت ہنتم بالشان کارروائی عمل میں آتی ہے یعنی ایک نہایت مقدس روحانی دربار سرزمین عرب کے سب سے زیادہ قدیم تاریخی بابرکت اور معظم شہر مکہ میں منعقد ہوتا ہے۔ اس دربار کا صدر نشین وہ ہنشاہ عالی مقدار ہے جس کے آستان جلال پر بڑے سے بڑے پادشاہ اور فقیر سے فقیر گداکار تہہ مساوی ہے۔ اور پادشاہی و گداوائی اُسی کی شہیت سے عمل میں آتی اور تقسیم ہوتی ہے۔ ہر شے ہر ذرہ ہر موجود اُسی کے عتبہ عالیہ پر جبہ سائی کرنا اور اُسی کی بارگاہ میں اپنی تمام حاجتیں لاتا ہے وہ شاہ شاپا کون ہے وہ وہی عالم الغیب والشہادہ۔ قادر و قدیر۔ مالک الملک والملک صاحب العز والجلوت ہے جس کے حکم سے ہمارا قلم رواں اور ہمارا تنفس جاری ہے۔ اُس کے دربار میں داخل ہونے کے لئے امیر غریب، بوڑھے جوان، عورت مرد، کسی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ ہر شخص بے روک ٹوک داخل ہو سکتا ہے نہ کوئی حاجت ہے نہ کوئی دبان صرف ٹکٹ داخلہ کا موجود نہ ہونا ضرور ہے

اور وہ غلوں میں نیت ذرا سفر ہے اور بس دربار میں داخل ہونے سے پہلے ایک ہشتی چشے (دغرم) میں بنانے سے مسلمانوں کے تمام گناہوں اور نغزوں کی گروہ بالکل مٹ جاتی ہے اور وہ پادشاہ کو نذر دینے سے پہلے بالکل پاک و صاف ہو جاتے ہیں۔ اسی بار میں دنیا کے دور دراز شہروں اور ملکوں کے مسلمان ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں جوش و غرم و عقیدت سے بھرے ہوئے دل لے کے داخل ہوتے ہیں۔ اور جس وقت نفع و شمع و ضیوع کی نذر داخل کر کے باہر نکلتے ہیں اور بارگاہ جمال کے گرد اگر دلوں کرتے ہیں تو خوشنودی خدا کے خلعت اور رضائے مصطفیٰ کے منے حاصل کر کے شاداں و فرحانِ عالم کا ٹوٹے ہیں۔

اس مہر کہ طلیل انسان دربار کو پر شکوہ و پر رونق بنانے کے لئے نہ کوئی راز کام میں لاتی جاتی ہے۔ نہ لاؤشکر شکوایا جاتا ہے۔ نہ کھیل ناٹے مہیا کئے جاتے ہیں۔ نہ کوئی اور سامان دلچسپی بہم پہنچائے جاتے ہیں پھر بھی ہر سال ہزاروں لاکھوں مسلمان ہیں کہ دنیا بھر کے مختلف دور دراز دیار و امصار سے خشکی و تری کوٹے کر کے آتے اور سرمایہ نواب کما کے لیجاتے ہیں خدا ہر شخص کو اس دربار میں پہنچنا اور مقرب حضرت شاہنشاہی بننا نصیب کرے۔

جید رآباد میں دن کے دو بجے کے قریب اس روحانی مقدس دربارِ حج کے اغراض میں توپیں سر کی جاتی ہیں۔ اس وقت تصور کی دو دہیں اٹھا کے سر زمین عرب کی سب سے بڑی زیارت گاہ کو غور سے دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ مسلمانانِ عالم کا بہت بڑا اجتماع ایک رنگ اور ایک ہیئت میں بلا کسی وجہ امتیاز کے خوشنودی الہی حاصل کرنے کے لئے سعی کر رہا ہے۔ اس وقت اس دربار کی شرکت سے محروم رہنے والوں کا حال کچھ دہی خوب جان سکتا ہے جو دارائے غیب و دانائے راز ہے۔

دوسرے دن صوبے ہی نماز عید کی تیاری اور قربانیوں کی گڑ بڑ شروع

ہو جاتی ہے۔ چونکہ یہ نماز بہ نسبت عید الفطر کی نماز کے کسی قدر جلد ادا کی جاتی ہے۔ اس لئے غسل اور لباس پوشی میں سرعت ملحوظ رہتی ہے۔ نو بجے کے کل میں سجدوں اور عید گاہ میں خلوص دل اور صفائی نیت کے ساتھ دو گانہ شکرانہ ادا کیا جاتا ہے۔ اور مسلمان ایک دوسرے سے گلے مل مل کے یہ شعر پڑھنے لگتے ہیں۔

عید قرباں آمدہ قرباں کنسید

محمد حق نعت نبی ہر آں کنسید

بہت بڑی خوشی اور نہایت سچی مسرت کا باعث یہ ہے کہ ہماری ریاست سر اپا ہیمنت میں نہ صرف مسلمان مسلمان ہی باہم گلے ملتے اور خوشیاں منا کر ہیں بلکہ ہندو مسلمان بھی ایک دوسرے سے پیچے دل سے گلے مل مل کے یہ شعر پڑھتے ہیں۔

عید الضعیفی میں ملے گلے دوستوں ہی آپ

اور اپنے بغض و کینہ کو قربان کیجئے

دنیا بھر کے کسی خطہ اور کسی حکومت میں کہیں دو مختلف قوموں کا یہ میل ملاپ اور یہ اتفاق و یکا نکت نہیں نظر آ سکتی سوائے خطہ دکن کے۔ جس کو خدا ہر آفت و ہر مصیبت سے ہمیشہ کے لئے محفوظ و مامون رکھے۔ یہاں ایک دوسرے میں نہ کوئی کد و کاوش ہے نہ فساد و برہمی نہ حقوق کے لئے مار کٹائی نہ قربانیاں پر انسانی قربانیاں۔ نہ عہدوں کے جھگڑے نہ زبان کی بحث و تکرار۔ نہ کسی اور امر پر جنگ و پیکار۔ اور یہ محض نتیجہ ہے اُس حق رسانی اور ساداتِ شیر و ہوی اور یکساں مبنی اور عام رحم گسری کا۔ جو یہاں کے بیدار دل، لیاقت پسند، خیر رساں، بے تعصب، اور رہایا نواز بادشاہ کی جبلت کا خاصہ غیر منفک بنی ہوئی ہے۔ اور جس کے آثار ذرہ ذرہ سے عیاں اور نظرہ قطرہ سے آشکار ہیں۔ اسی کا اثر ہے کہ ہمارا ملک اس عام مسلح نام کا ماسن دلچسپ ہے اور ہمارا

ملک والے دنیا بھر کی آفتوں سے قطعی طور پر معاف کر دے گئے ہیں۔ آتما ہندی
 آسمانی بلاؤں اور زمینی حادثوں سے بھی ہم بالکل نچیت اور بے فکر ہیں اور
 جانتے تک نہیں کہ طاعون اور وبا اور زلزلہ اور بھونکنا کن چیزوں کے نام ہیں۔
 خدا کے نوا اجمال ابد الابد تک ہمارے سروں پر ہمارے باقبال و
 ہر و غریزہ پادشاہ کو سایہ نگن رکھے اور اس کا سایہ اُن اعیان دولت دار کان
 حکومت کے سروں پر ڈالے جو حقوق عباد کے جانچنے اور تو لنے والے ہیں اور
 بن کے تعصب و بے تعصبی۔ ایام داری و بے ایامی۔ انصاف پر دہی و ظلم شنائی
 حق رمی و ناتواں بینی سے لاکھوں ہزاروں سیکڑوں بندگانِ خدا کی تتمید و کشتہ
 ہیں۔ اور جن کی تدبیر و سیاست کے بات میں ہمارے نیک فتنے بے تعصب پادشا
 نے رام رتن و فتن و نظم و نسق ریاست و نوکری پر آمین مہا مین

اوسٹر

ریویو

(پتہ)

عاشق سراغ۔ یہ خیال کہ جو لوگ شرابی بھی لکھتے ہیں نظم اچھی نہیں کہہ سکتے اور
 جو لوگ نظم اچھی کہتے ہیں شرابی بھی نہیں لکھ سکتے۔ جس طرح من جمیع الوجوہ غلط نہیں اسی
 طرح فی جمیع الاوقات درست بھی نہیں مولوی محمد عبدالحی صاحب بارغ کا کلام
 جس طرح دکن کیلئے مہرایا نارس ہے اسی طرح ان کی شری بھی اپنی۔ دانی اور برہنگی
 میں چمکنا بل ستائش نہیں ہے۔ حال میں ان کا ایک اچھوتا ناول ”عاشق سراغ“
 شائع ہوا ہے جو ہمارے قول کی تصدیق کرتا ہے اس ناول کی خوبی و دلچسپی
 کا یہ حال ہے کہ جب تک ہم نے اس کو سہرا نہ سے تمّت تک پورا دیکھ نہیں لیا۔
 لکھتے سے نہیں چھوڑا۔ قصہ ہماری راست کے صوبہ میدک کے کسی قریہ کی بی بی
 پرواتھن مہرا ہے جہاں ایک شراب خواہ عیاش کوٹھی۔ باقالی مٹھی کی آرمیں

چوری اور قتل و زنا کے شکار کھیلاتا تھا۔ اس کو مٹی کا ایک دوسرا خالی اقدامہ مکان تھا جس میں وہ اکثر راتیں عیش و عشرت کے پھلوں میں گزارتا تھا۔ اس مکان کے پھلوں میں ایک ساہوکار کا مکان تھا جسکی نہ سالہ لڑکی رہتا اپنے حسن و جمال کی وجہ سے آفت روزگار تھی۔ اس بے گناہ کس نے عیاش کو مٹی کی بُری نظیر بنا کر تکی تھیں۔ بھٹوں نے بالآخر کو مٹی کی شرارت و خباثت کو زنا یا بوجہ کا ترک کر کے چھوڑا۔ جب کو مٹی کا نشہ شراب و فحش شہوت اتر گیا تو سوچنا کہ صبح کو اڑکی کی بے گناہی اور چٹائی رنگ لہے بغیر نہ رہیگی قوم میں۔ سو اہونے کے علاوہ قانونی شکنجہ میں بھی چھپنا پڑے غرت کے ساتھ آزادی اور گھر بار سب چھین لیا جائیگا۔ بہتر ہے کہ غش کھائی ہوئی بیکناہ کو ہمیشہ کیلئے میٹھی نیند سلاوے۔ یہ شیطان منصوبہ باندھتے ہی ظالم نے غریب مظلوم کا گلا گھونٹ دیا اور آدھی رات کے اندھیرے میں خود اسے باپ کے مکان کی باولی میں نعش کو ڈال کے تخت ہو گیا۔ مگر زنا بوجہ اور خون ناحق کبھی چھیننے والی چیز نہیں ہیں عاقل سراسر غ کی حیرت انگیز تفتیش و سراغ رسانی نے بدکار قاتل کو گرفت کر دیا تک پہنچا کے چھوڑا اور اس کے ساتھ اس کے کئی مبین و معادن بھی اپنے اپنے گھر کو چھیننے بغیر نہ ہوئے۔ یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارے ملک میں سراغ رسانی کے موضوع پر بحثے نادل کھٹے گئے ہیں ان سب پر اس نادل کو بائیں و چہرہ فوجیت و چلی سکتی ہے کہ اس کا اندازہ سراغ رسانی کے متعلیوں کے لئے استادانہ رہبری کر سکتا ہے اور یہی اس کا موضوع ہے جس میں اس کو خاصی کامیابی نصیب ہوئی ہے اور وہ اس کامیابی پر مبارکباد کا مستحق ہے۔

اس کے ساتھ ہی میں یہ کہنے بغیر نہ رہو گا کہ جس جس جگہ این پولیس و انسپراجر سانی کی تحسینیں وہ متعلق الفاظ اور مشکل پر ایہ بیان سے خالی نہیں ہیں۔ نادل کی زبان ایسے اطلاق کی تاب نہیں لاسکتی نہ پولیس کے انسپراجر جن کی رہنمائی کیلئے اس کی تصنیف کی تکلیف گوارا کی گئی ہے) ایسے پر ایہ بیان

کو آسانی یا بلا مد و لغت سمجھ سکتے ہیں۔ میں قابل عزت ناول نویس کو یہ صلاح دینے سے باز نہ رہوں گا کہ وہ اس سلسلہ کے دوسرے حصوں میں عام فہم درمرہ سے تباؤ نہ کریں۔

پیرایہ بیان کے بعد اس کے بعض الفاظ بھی تجھے کھٹکے ہیں مثلاً ”پیرایہ“ ”کھٹکی“ ”نا“ ”کل“ ”میوے“ وغیرہ اگرچہ ان الفاظ کی نسبت یہ عذر بھی ایک حد تک قابل تسلیم ہے کہ جب زبان اردو کی ساخت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ ہر زبان کے الفاظ اس میں گھل مل جاتے ہیں۔ اور زبان کو وسیع کرنے کیلئے ضرور ہے کہ اردو فارسی کے الفاظ میں رشتہ باندھا جائے اور اردو الفاظ فارسی غری کے الفاظ کی طرف منسوب اور مضاف یا مضاف الیہ کئے جائیں کہ اس سے اختصار کے ساتھ اولے مطلب ہو جاتا ہے تو اس قسم کی گرفت نہیں ہونی چاہئے لیکن پھر بھی ایسی آوازیں کانوں کو کچھ بھلی نہیں معلوم ہوتیں۔ ”بوجیت سرکار“ ”ٹیپہ دوامی“ ”لب سڑک“ ”ٹکٹ ٹپہ“ ”وقریب المرگ“ ”منہج بٹوان“ ”منہج بڑھوتری“ ”پانان“ ”اگالدا“ ”بھالہ“ ”دھکدار“ ”جوانان پالکی“ ”تجھتہ سیدلدا“ ”اندازہ نمونہ“ وغیرہ ایسے الفاظ ہیں جو از روئے قاعدہ صحیح نہیں ہو سکتے نہ فصیح بولی ان الفاظ کو قبول کر سکتی ہو اگر اسی قسم کے الفاظ قیاس کے ہم الفاظ ٹھہرتے جائیں۔ مثلاً ”ڈبہ جیٹ“ ”اگالدا“ ”بیوی“ ”دھٹیشن واری“ ”کریتہ مل“ ”پا بامہ نخل“ ”ڈوٹیہ دھانی“ ”پانی آسانی“ تو کیا شک ہے کہ کاسہ اردو بہت جلد تعلقین ہو جائیگا۔ اور زبان ایسی بگڑ جائیگی کہ ایک کو دوسرے کی بات سمجھنی دشوار ہو جائیگی۔ اس سلسلہ پر غور سے اور اکثر صاحبان ذوق سے کئی کئی مرتبہ گفتگو ہوئی ہے اور میں موافق و مخالف آوازوں کو سن سنا کر اس نتیجہ پر پہنچ گیا ہوں کہ جہاں تک صحیح الفاظ اور عمدہ پیرایہ ہمارا ساتھ دے سکتا ہے ہم ایسے الفاظ اور مرکبات کو داخل انحطاط تصور کرتے ہیں۔ اور جہاں بغیر اس

قسم کا لفظ استعمال کے رستہ نہیں ملتا وہاں بحکم جمہوری ہمارا یہ فعل جائز نہ ہو گا
مکروہات سمجھا جاسکتا ہے۔

یہ سوال میں اصلاح اردو کے باب میں اٹھانا چاہتا تھا لیکن یہاں موقع مل گیا
اگر بدعیان زبان میں سند پر اپنی توجہ مبذول فرمائیں اور اپنی رایوں کا اظہار
کریں تو ان کو خوشی سے درج کیا جائیگا۔ شعر کو ایسی جگہوں میں ضرور حصہ لینا
چاہیئے کہ یہ خاص اہمیت کا میدان ہے۔

عاشق سراغ کی بابت ناول کے مشتاقوں اور زبان کے لطف اٹھانیوالوں
میں بزرگ و سفارش کرتا ہوں کہ وہ اس کا ایک ایک نسخہ ضرور خریدیں اور لائق
مصنف کا حوصلہ بڑھائیں حجم ۹ صفحے قیمت ایک روپیہ۔ ہنگندہ (ظفر و سرکار
احفہ) کے پتہ پر مصنف سے مل سکتا ہے۔

بڑی جنتری سلائے۔ غشی محمد رحمت اللہ صاحب رعد مالک نامی پریس
کا پورہ کا وجود لیتھو پریس کی دنیا میں بہت غنیمت ہے کہ آئے دن دیدہ زیب چھاپائی
کے اعلیٰ نمونے انکی بدولت نظر آتے رہتے ہیں۔ ان کا پریس ہر سال ایک بڑی
جنتری خاص اہتمام اور نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ ملک میں شائع کرتا رہتا
ہے۔ جو نہایت ضروری معلومات اور سال بھر کی کیفیات نجوم پر مشتمل رہتی ہے
اور جس میں مختلف فوٹو بھی درج رہتے ہیں۔ جنتری کیا ہے ایک خزانہ معلومات
ہے۔ ہندوستان بھر کے نامی گرامی کارخانوں کے اشتہار اور اشعار کی تصویر
موجود رہتی ہیں اس سال یہ جنتری بڑی آب و تاب سے چھاپی گئی ہے۔ اور
دیکھنے کے لائق ہے۔ کاغذ ایسا عمدہ لگایا گیا ہے کہ ہات لگانے سے میلہ ملے گا
بائیں مہرہ قیمت صرف عیم جو شاید اس کے کاغذ کا خرچ ہو تو ہو پوری جنتری
کی قیمت ہر گز نہیں ہو سکتا۔ شوقین ناظرین اس کو ضرور خریدیں فقط

اڈیسر

علاوہ ہر شتہ جنگلات سرکار عالی نے دو قسم کی لکڑیوں کے نمونے جو مالک محروسہ
میں دستیاب ہوتے ہیں اور تین چار سو جنگلی جڑی بوٹیوں کو پیش کیا تھا۔
دربار ہال کے باہر چند قسم کے پتھر اور یلندہ ہمارے کی سدن کا ایک بڑا ٹوکہ کا
پتھر چند زراعتی آلات کس پیرس حالت میں رکھے ہوئے تھے۔ چند طلبہ مدرسہ
صنعت و حرفت اور آگ آباد اور بعض دوسرے کاریگر پارچہ بانی رنگ سازی سرزد
مہر کنی کا کام کرتے تھے۔
دربار ہال کے باہر جن لوگوں نے اپنی دوکانیں قائم کی تھیں ان کے نام حسب
ذیل ہیں۔

نام	سامان
سید عبدالرزاق انڈیکینی	کارخانہ شکر حیدر آباد کی بی ہوئی شکر اور ضا
	متفرق انگریزی سامان۔
کارخانہ صنعت ہند	بیٹر اور آہنی سامان۔ - بنچیں۔
	جنگلے۔ کپڑے وغیرہ۔
ضلع مانڈیڑ کی ایک دکان	ریشمی کپڑے۔ ساڑیاں۔ رومال۔
ضلع اطراف بلدہ کی ایک دکان	برنجی شمع۔ اور ہوتی۔ و ریشمی پارچے
محمد جعفر مدنی افندی	ایران۔ عرب شام۔ اور یورپ
	کا سامان

سمسن انڈیکینی مدراس	گھیاں
انڈین ایلیومینیم ہڈ سایکل کمپنی بنگلور	ایلیومینیم کے برتن اور سایکلیں
ایسٹرن ٹریڈنگ کمپنی بمبئی	موٹر کاریں اور لمپ
ان سب امور کے علاوہ کوشش کی گئی تھی کہ کچھ دے جائیں۔ مشاعرہ ہو	
صنعت و حرفت پر مضمون لکھاے جائیں۔ مختلف قلمی نمونے کے جائز	
گمان سب چیزوں کو پوری کامیابی نہ ہو سکی۔ - پرزد۔ - مسمشی۔ اور گھوڑے	

کبھی کسی نے نمائش میں نہیں داخل کیے۔
 نمائش ابتدا میں صرف ایک ٹاہ کے لئے کھولی گئی تھی مگر اسکے بعد مدت برپا
 جاتی رہی اور چار ماہ تک قائم رہی۔ اعلیٰ حضرت اقدس واعلیٰ جیسے مرتبہ رونق افروز
 نمائش ہوئے۔ کوئٹہ میری یہ حیثیت پرنس آف ویلنیز ایک مرتبہ تشریف لائیں
 ہزاروں شایقین روزانہ نمائش میں آتے تھے جس میں بکثرت دیہاتی اور بہت
 سے غیر ملک کے اشخاص بھی شامل رہتے تھے تقریباً پانچ لاکھ نمائشی اس
 میں آئے متعدد مرتبہ پردہ نشین عورتوں کو پردہ کے ساتھ نمائش کا بڑا حصہ
 دکھایا گیا۔ یہ تو نمائش کے سامان کی حالت تھی۔ رہے تنازع اسکے لحاظ سے تھا
 کوچند سال کا میاں بھی نہیں ہوئی۔ جو لوگ مال بیکراٹے تھے یا مال روانہ کیا تھا وہ
 فروخت نہ ہونے کے شاک میں رہے خاص کر جو بیویاری بیرونجات سے آئے تھے
 وہ طوالت نمائش اور زیادتی اخراجات کی بدولت زیادہ فائدہ حاصل نہ کر کے
 مالک محروسہ کے کاربگروں پر بھی کوئی عمدہ اثر نہ پڑا۔ کاربگ نمائش میں آئے
 ہی نہیں کہ یہاں مال دیکھ کر اور تجارتی اصول سیکھ کر اپنے حرفہ کو ترقی دیتے۔
 ان کے ترغیب و تحریص کے لئے جو انعامات مقرر تھے وہ چار سال بعد لاکسی
 اعلان وغیرہ کے دیدئے گئے مگر کایہ اخراجات کا بار پڑا۔ اگرچہ اسکے متعلق
 کوئی رپورٹ شائع نہیں ہوئی مگر کہا جاتا ہے کہ کل اخراجات دو لاکھ روپیہ کے
 قریب ہوئے اور آمدنی ڈیڑھ لاکھ روپیہ۔ اور لوکل فنڈ پوچاس ہزار روپیہ کا
 بار پڑا۔

نمائش کی کوئی رپورٹ نہیں لکھی گئی جس سے مال آمدہ نمائش کی تفصیل
 ظاہر ہوئی کاربگروں کے نام سے عام طور پر لوگوں کو وہ قیمت ہوئی۔ مصدوعات
 کے نقص اور امور اصلاح طلب ظاہر ہوئے۔

اس نمائش سے یہ ظاہر ہوا کہ ابھی تک اہل دکن کو تجارت کا ہنر نہیں آیا ہے
 لیکن اس سے اہل ہندوستان کچھ نہ کچھ واقف ہو چکے ہیں اگرچہ بیرون مال کے

نمایش میں لانے کی اجازت کا اعلان نمایش کھلنے سے تھوڑے ہی دن پیشتر
 دیا گیا تھا تاہم دور دور سے سیو باری کثرت قیمتیں سامان لیکر آئے اور نہایت سلیفہ
 سے اسکو سبایا۔ اسکے مقابل ممالک محروسہ کے تاجروں نے بہت کم دیکھائیں
 اپنے ذاتی اہتمام سے لگائیں اور اس میں بھی زیادہ تر معمولی کھانے پینے کی
 تھیں۔ نمایش سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ نوجوانانِ کن کا طبقہ جو بہت ہی جلد بیک
 لایف میں قدم رکھنے والا ہے۔ قمار بازی۔ شراب خواری۔ لہو لعب کا استغور
 دلدادہ ہے کہ اسکو ملک کی ملاح اور اپنی ذمہ داریوں کا خیال تک نہیں ہے۔
 اس نمایش کو جو نمایاں کامیابی حاصل نہیں ہو سکی اسکے حسبِ ذیل پہا
 میں نمایش کا کام جیسا کہ بالعموم ہر ایک نمایش کا قاعدہ ہے بجائے سرکاری
 وغیرہ سرکاری سغزین کی کمیٹی کے ہاتھ ایک ڈائریکٹر کی راے پر چھوڑ دیا گیا
 نمایش کے داخل شدنی اشیا اور اسکی مدت کا پیشتر ہی سے اعلان
 نہیں کر دیا گیا وقت بوقت اسکا تعین ہوتا رہا۔ نہ ہی اعلان ہوا کہ انعامات
 کن کن چیزوں پر دئے جائیں گے۔

مصنوعات کے انتخاب کا کام عہدہ دارانِ اضلاع پر معمولی طور سے چھوڑ
 دیا گیا حالانکہ نمایشوں میں اس اہم فرض کی انجام دہی کے لئے خاص خاص مہین
 اضلاع کا تعین ہوا کرتا ہے جو تمام ملک میں پہر کر اور کاریگروں کو مشغول دیکر
 سامان تیار کرانے میں کھیل تماشوں کو کثرتِ نمایش میں داخل کر دیا گیا ختمِ نمایش
 پر انعامات و تحفے دئے جانے کے در عرض ۵ سال زمانہ نمایش کے بعد
 بلا کسی شہرت و اعلان کو تقسیم کئے گئے ٹکٹوں کے فروخت کرنے کا کافی انتظام
 کیا گیا تاہم ان پر نمبر وغیرہ طبع کئے گئے سمیں سے یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ پوری
 پوری آمدنی سرکار میں داخل نہ ہو سکی۔

بعض اخراجات میں ضرورت سے زیادہ اسراف کیا گیا۔
 صرف خاص و دولوانی سے مصنوعات زیادہ مقدار میں خریدے نہیں گئے

اور نہ کوئی نیم سرکاری افراد و معززین پر اس کے متعلق ڈالا گیا۔
 اگر ان سب امور کا خیال رکھا جائے تو بلاشبہ نمائش کو پوری کامیابی اور
 رونق حاصل ہو جائی۔
 نمائش میں شہیا پیش کرنے پر جن لوگوں کو انعامات سرکار سے مرمت ہو
 اذکی فہرست حسب ذیل ہے۔

فہرست انعامات نمائش حیدرآباد بابۃ ۱۰
 تمغہ جات

سلسلہ	نام صنایع یا کارخانہ وغیرہ	سکونت	قسم تمغہ	کیفیت
۱	۲	۳	۴	۵
۱	مدرسہ صنعت و حرفت	بلدہ اورنگ آباد	طلائی	کھنواپ
۲	کارخانہ صنعت ہند	بلدہ حیدرآباد	"	نوارہ مع لمپ آہنی
۳	پیش برادر	"	"	الہادی شیشی
۴	چٹا باد سپننگ ریڈنگ کمپنی	سکھنا ناچسٹر	"	سوت سفید
۵	محمد لطیف و محمد وزیر	بلدہ اورنگ آباد	"	جامہ دارادنی
۶	جان محمد ساکن ہنگندہ	قلم درنگی	"	تکوار عباسی
۷	عبدالرزاق کمپنی	بلدہ حیدرآباد	"	شکر تیار شدہ کارخانہ
۸	عالم بناب سرہاراجہ ملہا بہادر	"	"	عبدالرزاق کمپنی فوتو گلی
۹	مدرسہ صنعت و حرفت	بلدہ اورنگ آباد	نقرہ دی	سہرو
۱۰	"	"	"	کھنکار

۳۴	مشرف علی رکا ب گنج	بلده حیدر آباد	نقروی	سامان طرہ شمارہ
۳۵	امی رسل	"	"	ریل انجمن آہنی
۳۶	لیڈی سپر سیر فرانسس کا نوٹ	بادگھاٹ حیدر آباد	"	تصویر قلمی
۳۷	مس غفر شید جی دی پیش	سکند آباد	"	"
۳۸	گوریا راجو	سکند آباد	"	"
۳۹	مس اردو نسل	بادگھاٹ	"	"
۴۰	مس ای گریفن	"	"	"
۴۱	سرجل خان	حیدر آباد	"	"
۴۲	مس نندی	"	"	"
۴۳	سبا راجو	سکند آباد	"	"
۴۴	بجوبائی دستور	"	"	"
۴۵	سنٹ اینس کا نوٹ	بادگھاٹ حیدر آباد	"	"
۴۶	سی مکفر لین	سیف آباد	"	"
۴۷	مسٹر گروس	حیدر آباد	"	"
۴۸	سی گزنا تھم راجو	سکند آباد	"	"
۴۹	محمود علیہ صاحب	لاک پور حیدر آباد	"	"
۵۰	نواب سالار جنگ بہادر	بلده حیدر آباد	"	"
۵۱	مس کاشیت	درہ نیلی حیدر آباد	"	"
۵۲	نواب حید الدین خان بہادر	بلده حیدر آباد	"	"
۵۳	مولوی محمد عبداللہ حق صاحب مدرس	"	"	چیل ہندوستان
۵۴	مدرسہ نعمت و حرمت	بلده اورنگ آباد	برنجی	مصلح سوزن کار
۵۵	"	"	"	سٹر پرنٹنگ
۵۶	"	"	"	آلہ نگار

۵۷	در سه صنعت و حرقت و کشوریه	بلده حیدرآباد	نقری	اسکرین چوبی
	از پنج			
۵۸	کارخانه صنعت، هند	"	"	گاشون پنج
۵۹	پهاک کمپنی	"	"	تبیای فرڈ بہ
۶۰	ایکنا تھہ کولسی	بیش	"	سارمی سوتی
۶۱	یکنا پیوہ گر	سرورنگوٹ	"	ریشمی تہان زرد
		اطراف بلده		
۶۲	اودینا کسار	ضلع اطراف بلده	"	ڈبہ نقری منقش
۶۳	ایکنا تھہ راد	" بیدر	"	گلدان بدری
۶۴	.	پیرتی ضلع	برانسز	کشتی ریشمی منقش
		بلگندہ		
۶۵	یکنا ساکن رنگم پیٹ	ضلع میدک	"	"
۶۶	یکنا سرورنگ	" اطراف بلده	"	ریشمی تہان زرد
۶۷	کرانی ناگنا سکھ سٹور	" دیرنگل	"	ریشمی تہان شیروانی
۶۸	کونڈیا سکھ اپدلا باد	" عادل آباد	"	بط گلی
۶۹		" کپیل	"	بجلا گلی
۷۰	ارنا آہنگ ساکن کا پرتی	" اطراف بلده	"	پنچہ چوڑی
۷۱	پلیا مانگ سکھ شوراپور	" گلبرگر	"	چیل خفت زرین
۷۲	کبتر چند	" بیش	"	جماعل چرمی
۷۳	رجب علی	اورنگ آباد	"	شور چرمی
۷۴	ساج علی احمد سکھ منیر گنج	بلده حیدرآباد	"	نیچہ زرین
۷۵	اسلٹ بردرس	"	"	بلاک کس سرودھاس
۷۶	سنت شاگ سری شاگ	قصبہ مانڈر	"	تصویر

۷۷	حکیم محمد مرزا خان سکند بازار	بلدہ حیدر آباد	نقروی	عرف کیوڑہ
۷۸	عیسیٰ بیان	ضلع اندور	"	محبوبہ چوبی
۷۹	نقاشان کا مارڈی	بلدہ حیدر آباد	"	مرتبہان گلہی
۸۰	پچھمی پرشاد سکندہ سانچہ توپ	"	"	محبوبہ شیر چوبی
۸۱	سیورام نقاش گولی گوڑہ	اوزنگ آباد	"	تصویر تعلیمی
۸۲	در صنعت و حرث اوزنگ	سکندہ آباد	"	"
۸۳	سی گریہ راجو	بلدہ حیدر آباد	"	"
۸۴	مسٹر ٹرمبک	"	"	"
۸۵	شکر راو	چادر گھاٹ	"	"
۸۶	مس گرین	حیدر آباد	"	"
۸۷	مس لینٹ	سکندہ آباد	"	"
۸۸	محمود علی	ملک پیٹہ	"	"
۸۹	مس کے بیونجی	حیدر آباد	"	"
۹۰	سید خواجہ سکندہ بازار گھان	"	"	"

فصل پانزدہم

مصنوعات کے متعلق چند مزید باتیں۔ تذکرہ مصنوعات کے تحت تمام
مصنوعات اوزنگ آباد - فالین وریجھل - مدارس حرث کے متعلق مجھکو
چند مزید معلومات حاصل ہوئی ہیں اور انکا اندراج ضروری معلوم ہوتا ہے
لئے اس امر پر مین تاجران اوزنگ آباد کی جانب سے ایک یادداشت

شائع ہوئی تھی اور اس میں کئی تعداد و تفصیلات وغیرہ وہاں کے بارہوں کے متعلق دئے گئے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شہنشاہ عالمگیر نے بہت سے ہندو پیشہ وروں کو مختلف اقطاع ہند سے یہاں آکر آباد ہونے کے لئے طلب کیا۔ گجرات سے مشروع کھواب سکوٹ - کناری - بنلے والے ملائے گئے۔ شاہی سرپرستی کی بدولت بہت جلد تمام ہندو دکن میں یہاں کی کاریگریوں کا شہرہ ہو گیا۔

تیرہویں صدی ہجری کے اوایل میں ایک ہزار گھرانے کاریگریوں سے آبار تھے جو مشروع و کھواب کو بنتے تھے۔ اور ان میں تین ہزار کاریگریوں پر کام ہوتا رہتا تھا۔ ہر کاریگری پر کم از کم ماہانہ چار تومان مشروع اور ایک تین کھواب کے تیار ہوتے تھے جنہیں کیا گیا ہے کہ کم و بیش سالانہ ۴۴۰۰۰ تھان مشروع کے اور ۱۲۰۰۰ تھان کھواب کے تیار ہوتے تھے اس زمانہ میں مشروع و کھواب بر لحاظ قیمت تین قسم کے تھے ان پر جولاگت ہوتی تھی اور جو منافع حاصل ہوتا تھا اسکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

قسم	لاگت	قیمت فروخت
اول	۵۰	۵۰
دوم	۱۰۰	۱۰۰
سوم	۱۵۰	۱۵۰

اوسط قیمت سالانہ (۵۰) ہوتی تھی اور مالص منافع کی تعداد ۱۰۰۰ ہوتی تھی۔

قسم	لاگت	قیمت فروخت

اول دسم م
دوم دسم م
سوم دسم م

چھک

اوسط قیمت کم خواب سالانہ (میں) ہوتی تھی اور اس سے (بیک)

منافع حاصل ہوتا تھا۔ خلاصہ یہ کہ سالانہ دسم لاکھ کے صرف کم خواب و شروع

فروخت ہوتے تھے اور اس میں نصف رستم کاریگروں کو منافع میں حاصل

ہوتی تھی۔ اس زمانہ میں ہمارے کارآمدہ رواج نہیں ہوا تھا۔ اس کے بعد کچھ

عرصہ تک ان چیزوں کی مانگ بڑھتی گئی اور قیمتی و نفیس مال تیار ہونے لگا

ہم وہ بھی بننے لگے۔ صدی کے اوسط میں زوال شروع ہو گیا۔ بجائے ہزار

گھروں کے آٹھ سو گھر گئے۔ اور کہ گھروں کی تعداد میں ہزار کے عوض آٹھ

ہو گئی سالانہ ۸۶۴۰۰۰ تھاں مشروع کے اور ۲۳۲۰۰ تھاں کم خواب

دہر کے تیار ہوتے تھے سو وقت کی قیمتوں اور لاگوں کی تفصیل حسب

ذیل ہے۔

مشروع		
رستم	لاگت	منافع
اول	دسم	م
دوم	دسم	م
سوم	دسم	م
اوسط قیمت سالانہ (میں) منافع (دسم) لاکھ		
ہم		
رستم	لاگت	منافع
اول	دسم	م
دوم	دسم	م

ابن صاحب
 حسن غامی سندھ زئی
 راجہ راؤ رنبہ بہادر
 دیگر امراء حیدر آباد
 تاج حیدر آباد
 خریداران ناگپور

میں ان

اسی زمانہ میں کاراجوبی کے کاریگروں کے ساتھ گھر آباد تھے اور ایک سو کاریگر کام کرتے تھے۔ ہر شخص کو روزانہ معیار سے (۷) تک مزدوری ملتی تھی کام کی استعداد رکھتے ہوتی تھی کہ کاریگروں کا ملنا دشوار ہو جاتا تھا گاہک باہم اس بات پر لڑ پڑتے تھے کہ کاریگر ان کے کام کو چھوڑ کر دوسرے کام کرتا ہے۔

تاش کے (۱۵۰) کاریگر تھے روزانہ مزدوری ۷ سے ۱۵ تک ہوتی تھی۔

کاراجوبی - تاش - بادلہ نکھی - گوٹا - جو اس زمانہ میں فروخت ہوتا تھا اس کا اندازہ ایک سال کے چند گاہکوں کے ناموں سے ہو سکتا ہے جو یہ ہیں -

حضور
 دیوانی
 امیر کبیر مروج
 ابن صاحب
 دیگر امراء

میزان

پہم لالہ

زمانہ گزشتہ کے ان اعداد و تفصیل کو بتا کر اس یادداشت میں ۱۳۴۸
کے چند حالات درج کئے گئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشروع - ہمد -
کنوآب کے کاریگروں کے (۵۵) مکانات باقی رہ گئے ہیں اور (۱۰۰) گروہ
پر کام ہوتا ہے۔ لاگت و قیمت وغیرہ کی تفصیل سب ذیل ہے۔

شروع

قسم	لاگت	قیمت
اول	۵۵	۵۵
دوم	۵۵	۵۵
سوم	۵۵	۵۵

سالانہ تین ہزار تھان تیار ہوتے ہیں۔ قسم اول کا تھان بہت کم فروخت
ہوتا ہے اور صرف فریال شق تیار ہوتا ہے۔ ہر حال صرف چار ہائیج تھان
تیار ہوتے ہیں۔

ہمد

قسم	لاگت	قیمت
اول	۵۵	۵۵
دوم	۵۵	۵۵
سوم	۵۵	۵۵

ہر حال تین سو تھان تیار ہوتے ہیں۔

کنوآب

قسم	لاگت	قیمت
اول	۵۵	۵۵

دوم سوم
 سال بشکل دو چار تعان تیار ہوتے ہیں کم و بیش ص ہزار کا
 مال ہر سال فروخت ہوتا ہے اور منافعہ کی مقدار (ص) تک ہوتی ہے
 اسی طرح کار جو بی کام کرنے والوں کی تعداد گھٹ کر ۶۰ مکانات
 اور ۱۰۰ کار یگروں کے ۶۰ مکانات اور ۱۰ کار یگروں تک محدود ہو گئی ہے
 تلاش کے ۶۰ کار یگروں کے عوض دو کار یگرہ گئے ہیں اور کام شاذ و نادر
 آتا ہے۔

یادداشت مذکورہ بالا میں مصنوعات کی اس قدر تفصیل کے بعد جو
 زوال حسب ذیل لکھے گئے ہیں۔

- ۱۔ زیادتی نرخ غلہ
 - ۲۔ زیادتی قیمت اشیاء خام
 - ۳۔ محصول کروڑ گیری
- نرخ غلہ کے متعلق یہ لکھا گیا ہے کہ کچھ سال پہلے جو قیمت غلہ
 کی تھی اس کے مقابل اب اتنی چو گنی قیمتیں ہو گئی ہیں جن میں سے بعض کی
 تفصیل یہ ہے۔

قیمت سال فی پلہ		قیمت سابق فی پلہ		نام جنس
از	تا	از	تا	
۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	جوار
۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	گندم
۱۰	۱۰	۱۰	۱۰	باجرہ

ٹخود	عان ۴ ر	عان ۸ ر	لے ۱۲ ر	معدہ
تور	عان	عان ۸ ر	لے	لے ۴ ر
ببج	لعدہ	ع	لوعہ	لوعہ
گچی	لعدہ	ع	ماحدہ	ماعہ
گوڑ	لعدہ	ع	لوعہ	لوعہ
سکڑی	عان ۱۰ ر	ع	لے	لے ۴ ر
انگور	عان ۸ ر	ع	اب پیداوار	ہنیں ہوتی

اسی طرح اشیاء کے خام کی قیمت بھی مختلف اسباب سے گراں ہوتی گئی۔ چنانچہ یکاس سال بیشتر ریشم دگلور ضلع ناندیڑ اور زاناکپور و امراتی سے آتا تھا۔ اسکی قیمت فی سیر ۸ سے لیکر ۱۲ تک ہوتی تھی۔ یہ ریشم اگرچہ ناقص نہ ہوتا مگر ملایت میں ولایتی ریشم کے مقابل نہ تھا۔ اس کے تار سخت ہوتے تھے دھننے سے حسب دلخواہ سفیدی پیدا نہیں ہوتی تھی۔ اصل رنگت اسکی زرد تھی۔ اس لئے ولایتی ریشم خریدا جاتا تھا اسکی قیمت ابتدا میں فی سیر ۱۵ ہوتی تھی۔ جسے جیسے ولایتی ریشم کی فروخت زیادہ ہوتی گئی قدیم دیسی ریشم کی فروخت کم ہونے لگی۔ جب دیسی ریشم کی تجارت تباہ ہو گئی تو بیچ ولایتی ریشم کی قیمت بڑھنے پڑے ۱۵ + ۱۵ ہو گئی۔ اور یہ بھی قیمت اسی صورت میں ہوتی ہے جب کہ غیر مقدار میں مال نقد قیمت سے خریدا جائے ورنہ بے سرمایہ ہمیشہ وروں کو مقامی سا ہو کاروں سے مال قرض لینے میں گراں تر سود دینا پڑتا ہے۔

اسکے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ محصول کروڑ گیری کس طرح مصنوعات کی ترقی میں مایع ہوتا ہے اور اسکی ایک خاص مثال یہ دی گئی ہے کہ ایوان ضلع

ناسک میں رہتی یا رہے بیمار ہوتے ہیں۔ اور کثرت سے فروخت ہوتے ہیں وہاں سے صرف دونوں گانوں کی جائزہ میں ہم لک کا مال فروخت کئے لئے جاتا ہے اور مال کو جالندہ پر سے لے جایا جاتا ہے اور اس پر محصول کروڑ گیسری ہو یا یوں اور اگر نا نہیں پڑتا۔ اگرچہ دیول گانوں سے جالندہ بمقابل ایول قریب تر ہے لیکن بمقابلہ ایول جالندہ سے رہتی یا رہے وہاں فی صد ۵۵ زیادہ قیمت فروخت ہوتے ہیں اور اس گران کی وجہ سے اسکو کوئی نہیں خریدتا اور اسی لحاظ سے انکی روانگی ہی موقوف ہو گئی۔ زیادتی قیمت کی وجہ یہ ہے کہ جالندہ کے مال پر محصول کروڑ گیسری ادا کی لازمی ہے ایسی حالت میں جب کہ غلہ اور اشیائے خام کی قیمت بڑھ جائے اور اس کے مقابل مصنوعات کی قیمتیں وہی رہیں جو پیشتر تھیں اور اس پر طرہ یہ کہ اس پر ایک گران تر محصول لگا دیا جائے ساتھ ہی فیض کے بدل جانے سے ٹانگ بھی کم ہو گئی ہو تو نا ممکن تھا۔ اہل حرفہ آبادی پیشوں میں لگے رہتے۔

یادداشت مذکورہ بالا پر مذکورہ مقتدر الدولہ بہادر صوبہ دار اورنگ آباد نے خاص توجہ احیاء مصنوعات کے لئے مبذول کی۔ اور اسی یادداشت کے بنا پر کچھ عرصہ بعد مصنوعات اورنگ آباد سے محصول اوشٹا دیا گیا۔ اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ تنزل جو تیز کچا تھا تھوڑا ہوا رہا تھا رک گیا۔ اگر طاعون اور قحط کے متواتر اور سخت حملے نہ ہوتے تو حالت اور یہی درست ہو جاتی۔ یہ تو بیس سال پیشتر کا تذکرہ تھا مگر اب فروخت مال کی کیا حالت ہے اس کے متعلق آئندہ باب تجارت اہلین تفصیل درن کرنے کی کوشش کی جاوے گی میر جیٹا میں ہمدردی یافتہ میں یہ نسبت سابق کسی قدر زیادتی ہوئی ہے مگر شروع کی فروخت کم ہو گئی ہے۔

درنگل کے قالیہون کے تذکرہ میں جو کچھ لکھا گیا تھا وہ نا بیشک دہلی کے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نمبر صحیفہ جلد

ایڈیٹوریل

مرزا غالب اور نوکری

اُردو کے مشہور شاعر مرزا اسد اللہ خاں غالب کا شمار چھوٹے رئیسوں میں تھا۔ اور سرکار انگریزی سے پیش پاتے تھے۔ اس کے علاوہ استاد یزبانی کی بھی کئی ماہواریں اور نذریں مقرر تھیں۔ برہنہ حضرت کی آزادگی ہمیشہ نبی رہتی تھی کہ قرار در کف آزادگان نہ گیر دمال۔ ایک مرتبہ جناب کو یہ خیال پیدا ہوا کہ سرکاری ملازمت اختیار کرنے سے شاید کچھ فراغت حاصل ہو۔ خوبی سے کسی کالج میں مدرسہ کی خدمت مقرر طلب تھی۔ آپ نے کلکٹر صاحب سر نوکری کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ صاحب نے کچھری میں آنے کو کہا۔ دوسرے دن آپ کچھری پہنچے۔ صاحب مکان پر تو آپ کے لینے کو ابتر تک آئے اور اپنے ہمراہ اندر لیجانے تھے اس مرتبہ استقبال کے لئے کچھری سے باہر نہ آئے۔ اس پر مرزا کو تعجب سا ہوا۔ صاحب نے اس تعجب کو یہ کہہ کر رفع کر دیا کہ پہلے آپ ایک رئیس کی حیثیت سے ملتے تھے۔ اُس وقت ہم پر آپ کی تعظیم واجب تھی۔ لیکن اب آپ خواہاں ملازمت ہو کر ہماری ماتحتی میں آنا چاہتے ہیں۔ اس لئے اب وہ پہلا برتاؤ قائم نہیں رہ سکتا۔ مرزا نے جواب دیا۔ میں سمجھا تھا کہ سرکاری نوکری غرت

دنزلت کو چڑھا دیگی۔ لیکن جب وہ میری عزت گھٹاتی ہے تو میں ایسی نوکری کو سلام کرتا ہوں۔

ایک وہ زمانہ تھا۔ اور ایک یزماز ہے کہ بڑے بڑے معاشدار اور ذی ثروت جن کو زراعت حقیقی نے بچھین سے بڑھاپے تک فکر معاش کرنا بالکل فارغ کر دیا ہے۔ اور جو اپنے ساتھ سینکڑوں نوکری کے گورکھ دھندوں سے فارغ کر سکتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی نوکریوں کے لئے سالہا سال امید واریاں اور سرکاری افسروں کی ہار دیاں کرتے رہتے ہیں حالانکہ وہ جس تنخواہ کی نوکریاں چاہتے اور حاصل کرتے ہیں آجی تنخواہ کی نوکریاں خود ان کی جاگیروں اور اٹیٹوں میں دوسروں کو ملتی ہیں۔ ان ہذا الشی عجائب۔

نوکری کو تمام جائز ذرائع معاش میں سب سے ادنیٰ اور ادون درجہ کے نمبر دئے گئے ہیں۔ پہلے زمانہ کے شرفاں کو اپنے لئے باعث تنگ و غار خیال کرتے تھے اور جب کوئی سرکار ذریعہ غنائیت و نوادش سے کسی کو وابستہ دامان و دولت کرنا چاہتی تھی تو اس کے لئے ایک معزز طریقہ ملازمت کا یہ نکال لیا تھا کہ اس شخص کے نام گھر بیٹھے مفت تنخواہ جاری کر دی جاتی تھی۔ جس کو منصب۔ یومیہ۔ رسوم معاش تنخواہ امتیازی وغیرہ وغیرہ کے نام سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ انہی منصبدار و معاشداروں۔ رسوم داروں۔ بلکہ ان سے بھی کچھ بڑھے ہوئے جاگیرداروں کی اولاد سرکاری خدمتوں کے حامل کرنے پر تہی ہوئی ہے اور نوکری کی سی غلامی باعث عزت و افتخار سمجھی جانے لگی ہے۔ یہیں تفاوتہ درجہ کا پتہ پڑتا ہے۔ زمانہ یوں تو غیر تغیر ہے وہ جیسا پہلے تھا ویسا ہی اب بھی موجود ہے وہ تو بدل نہیں سکتا لیکن زمانہ کا انقلاب اسی کا نام ہے کہ جو چیز ایک زمانہ میں بہت بڑی دولت کے لئے غریبی تھی وہی آج اعزاز و افتخار کے نام سے یاد کی جاتی ہے اور اس کو حاصل کرنے کے لئے قسم قسم کی ذلتیں سہی جاتی اور بے غرتیاں گوارا کی جاتی ہیں۔

ہماری امرانہوں جاگیرداروں منصبداروں۔ معاش نوایوں نوکری کی چاہتوں

گزنا۔ اگرچہ اس لحاظ سے اچھا بھی ہے کہ مخلوق اور دیوتھیوں میں بیکار پڑے نہ ہو اور مفت کی آمدنیہ و بائزہ غذاؤں کے ہضم نہ کر سکنے کا علاج لوگوں کی مہذبیتوں میں ایک حد تک ہو جاسکتا ہو۔ اور بدکاری و لازمہ بیکاری سے بچنے کے لئے ایک روک پٹا ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں ان لوگوں کی تقررات سے بہت بڑے ہیچ بھی پیدا ہوتے ہیں۔ اور انتظامی مطلع پر کچھ کچھ تہ کی چھانے لگتی ہے۔

یہ لوگ مخلوق نے کلکری ملک کی اہم ترین ذمہ داریوں کی جن کریلوں پر جانتے ہیں ان پر بیٹھنے اور حقوق عباد و انتظام سلطنت کی شکلوں کو حل کرنے کی قابلیت بالکل عاری ہوئے ہیں۔ ان سلیہ پروردوں کو قانون دانی پر عیاں پروردہ کی طور پر رانی، ملک و مالک کی غیر خواہی وغیرہ لوازم انفرمی سے کیا س ہو گا جبکہ بیچ پر راد و لکھنا پڑھنا تاک نہیں آتا۔ اور اسکی وجہ محض یہ ہے کہ ہماری اعلیٰ سوسائٹی میں ابھی تعلیم نہیں پھیلی۔ اور جب ہماری اونی سوسائٹی بھی جیل کے سمندر میں غوطہ کھا رہی ہے تو اعلیٰ سوسائٹی کو علم کی سطح پر ابھرنے کا باں نصیب ہو سکتا ہے۔

کوئی شک نہیں کہ جذبہ مالک میں اعلیٰ اعلیٰ خدیشیں اعلیٰ سوسائٹی کے وجود سے معمور کی جاتی ہیں۔ لیکن وہاں کی امارتوں اور یہاں کی امارتوں میں بہت بڑا فرق ہے وہاں کی امارتیں علوم و فنون اور اعلیٰ کارگزاریوں کی بدولت حاصل ہوا کرتی ہیں لیکن یہاں کی امارتیں بلا کسی حقیقی استحقاق کے صرف وراثت کی بنا پر سلسلہ بغیر سلسلہ جلی آتی رہتی ہیں۔ ایسی حالت میں یہاں کے امیرزادے اپنے ملک کی ایسی خدمت کیونکر بجالا سکتے ہیں۔ جیسی جذبہ مالک کے امیرزادے انجام دیتے ہیں۔

سلطنت مغلیہ کا دستور تھا کہ جب کوئی امیر مر جاتا تو اس کے بیٹے کو صرف وراثت کے حق پر امارت و مناصب نہیں دے دیے جاتے۔ بلکہ اسکو اپنے ذاتی کارناموں اعلیٰ کارگزاریوں اور جان جو کھم کے کاموں کی بدولت تدریجی ترقیاں حاصل کرنی پڑتیں۔ بڑے بڑے امیر وہی ہو سکتا۔ جو اعلیٰ درجہ کا سپاہی اور مدبر ہو تا اور بڑے بڑے معرکوں کو بھی نہ کر لیتا اسی وجہ سے ہندوستان کے سے بیچ اور مختلف ایکلیفات پر انھوں نے

صدیوں حکمرانی کی۔

ہماری حکومت اگرچہ کسی حکومت کا پرتو ہی نہ ہو مگر انیسویں صدی کے یہاں وہ قاعدہ رائج نہیں تھا۔ ہم مانتے ہیں کہ زمانہ کہہ کر بلی جانے سے آج کل جان جو حکم میں والے کے ایسے مواقع نہیں حاصل ہیں جیسے کہ اُس زمانہ میں پیش آتے رہتے تھے۔ لیکن اب اور کم کم مواقع ہیں جو ان مواقع سے زیادہ نادر اور اچھے ہیں۔

اس وقت اگرچہ یہ ان کا زار میں شجاعت کے جوہر دکھانے کا موقع باقی نہیں ہے نہ عجمت کے جوہر باقی ہیں۔ مگر اصلاح ملک ترقی قوم، رفع اختلاعات، حفاظت مذہب، وغیرہ وغیرہ میں حصہ لینے کا وقت باقی ہے۔ اور یہ ایسی چیزیں ہیں جنکی طرف توجہ کرنا خاص ہمارا امر فریضہ ہے۔ غریب ان میں حصہ لینے کے بالکل قابل نہیں۔ لیکن شہرخص جانتا ہے کہ ہمارے امر کہاں تک ان چیزوں میں حصہ لیتے ہیں۔ اور کہاں تک وہ ان چیزوں سے باخبر ہیں۔

اس قسم کی لیاقت رکھنے والے مالدار ایک بہت بڑا ظلم یہ کرتے ہیں کہ اپنے تقدرات سے اُن بے وسیلہ مگر سختی کار گزار اور خیر خواہ مسکینوں کے حقوق پر اپنی پھیر دیتے ہیں جو قانوناً و اصولاً ان لوگوں کی خدمتوں پر فائز ہونے کی جائز حقیت و اہلیت رکھتے ہیں۔ مگر ان لوگوں کے مفروضہ اعزاز و توسل کے آگے اُن کی کچھ جلتے نہیں باقی۔ اور نہ کوئی اُن کی طرف آنکھ اٹھا کے دیکھتا ہے۔ یہ لوگ جب اپنے حقوق کو اس طور پر پلایا میسٹ ہوتے۔ دیکھتے ہیں تو اگرچہ صبر و تسک کر کے اور زندگی بچا رکھی، لہذا کچھ ہو رہتے ہیں۔ مگر اُن کا دل کھٹا ہو جاتا ہے اور وہ جفاکشی کے ساغسہ کار کی خیر خواہی اور نرمی کی انجام دہی سے لاپرواہ ہو جاتے ہیں۔ اور یہ تقصیرات بشریت ہے جسکا کوئی علاج نہیں۔

یہ لوگ اُس وقت تک اپنے ظلم سے محفوظ نہیں رہ سکتے جب تک ایک مشترکہ محبت و جماعت سے اپنی حق پرستی کو اپنے محبوب فرمانروا اور اپنی سرکار معالمت ناما کی توجہ کو خاص طور پر ہندول نہ کر لیں۔ اور ملک میں کوئی ایسی مشترکہ قوت نہ پیدا ہو جو ان قسم کے استقام سے قوم و ملک دونوں کو پاک و صاف کر دے۔

ادیس

دھونس

مزر افاضل بیگ خاں
اور اسکے کچھ حالات

اس بہادر اور باہمت پنجابی شریف نورمان کا لقب ہو جس نے مدت العرس سے پہلے گرمی اور تیز گرمی کے کسی کام کی طرف رغبت نہیں کی۔ عیسویوں دفعہ فاتحہ کشی کی نوبت آئی مدتوں عسرت و افلاس کا لشکارہ بنا۔ مگر آزادی کا دامن نہ چھوڑا۔ اور اصول خود راہ کی پابندی ترک نہ کی۔ اس شخص کا نام مزر افاضل بیگ خاں تھا۔ نواب آصف جاہ اول کے زمانہ میں نواب شہاستہ جنگ بہادر ناظم اکاٹ کے پاس چار سو سواروں اور تین سو پیادوں کی افسری اسے حاصل تھی۔ اور اس نے اپنی فوج کو ایسا مستعد اور جان باز بنا رکھا تھا کہ ہر وقت اور ہر موقع پر اشارہ پاتے ہی دشمن پر ٹوٹ پڑے چونکہ اُس زمانہ میں زمیندار۔ اور جاگیر دار وغیرہ باہت ہی بد رویہ ہو چکے تھے۔ بنیاد اور سرکشی کو انھوں نے ایک معمولی بات سمجھ لی تھی اور حسن کشی اور غارت گرمی کو اپنی طبیعت ثانیہ بنا لیا تھا۔ اس لئے ان کی سرکوبی اور ان کی گوشمالی کے لئے مزر افاضل بیگ خاں کو ناظم اکاٹ نے بڑی قدر و منزلت سے رکھا تھا۔ مزرانے دو چار لڑائیوں ہی میں تمام ماتحت زمینداروں اور قلعہ داروں پر اپنا رعب جما دیا۔ اور اپنی شہزادہ کی کاپور اطمین دلا دیا۔ اور بہت جلد یہ بات پیدا ہو گئی کہ جس زمیندار کے خلاف یہ فوج کشی کا ارادہ کرتا فوراً وہ تلافی و عرائض بھیج کر اپنی سرکشی سے باز آتا۔ مزر اس کے ساتھ ہمیشہ جوار فوج کے رہنے اور بغور حکم و تاراج کر دینے کی وجہ سے لوگ اس کو ”دھونس“ کہنے لگے۔

بحیثیت لفظ دھونس کی اصالت | دھونس دکنی زبان میں اس

جماعت کو کہتے ہیں جو کسی باں جو کھوں کام پر متعین ہونے کے انتظار میں جیتے
متعد و آمادہ رہے۔ نواب ارکاٹ بھی اسی لقب سے مرزا کو مخاطب کرتے
تھے۔

ارکاٹ میں اس دن ماں تادم کرنے کے بعد جب آرام سے زندگی بسر کرنا
زمانہ آیا تو سوراخفاق سے مرزا نائل بیگ خاں کا تعلق وہاں سے قطع ہو گیا
لیکن اس نے اپنی فوج کو اتفاق و یگانگت کا ایسا سبق پڑھایا تھا۔ اور باوجود
داب تادم رکھنے کے ایسی ہر دلی غریزی حامل کی بھی کہ وہ سب کی سب اس کے
ساتھ ہو گئی اور مرزا اسی شان و شوکت کے ساتھ ارکاٹ سے نکلا۔ مگر ساتھ ہی
اخراجات کی جاں فرسائیلیوں میں مبتلا ہو گیا۔ ممکن تھا کہ وہ اپنی فوج کو نصرت
کر دیتا اور خود یکہ ذہن جہاں چاہتا آرام سے زندگی بسر کرتا مگر وہ نہ ہمت نے
اس کا خیال تک نہ آنے دیا۔ ایک زمانہ تک مصیبتوں کا شکار بنا رہا۔ مگر فوج
کی سربراہی میں کسی قسم کی کمی نہ ہونے دی اور بالآخر تہجد سے جنگ کرنی اپنا ذریعہ
معاش قرار دیا۔ جس پر مندار یا ذمی منصب شخص کو اپنے حریف سے مقابلہ کی
ضرورت پڑتی وہ مرزا کو تہجد پر اجرت اپنا طرندار بنالیتا۔ مرزا اسکی طرف
سے جنگ کرتا اور مقررہ اجرت حاصل کر کے اپنی اور اپنی فوج کی قوت بسر
کرتا۔

جب مرزا کی اس پریشاں روزگاری کی خبر سنا رام راج کار فرمائے سیکاکو
کو جو بھی تو اس کو اپنے پاس بلوایا۔ اور نہایت ہی قدر و منزلت سے فوج ہمراہی
ساتھ نوکر رکھ لیا۔

مرزا نائل بیگ خاں نے ایک مدت تک نہایت فارغ البالی
سے زندگی بسر کر کے وہیں انتقال کیا۔ سیکاکو کے پاس اس نے ایک گاؤں
بھی بسایا تھا اور اس کا نام ”مناضل آباد“ رکھا تھا۔

مرزا ابراہیم بیگ خاں | یہ شخص فقیروں کا بڑا ہی معتقد اور نہایت

خوش نصیب تھا اس نے زمانہ میں اپنی ایک ایسی یادگار چھوڑی جس کی آثار تا قیام دنیا
صفحہ عالم سے مٹ نہیں سکتے۔ اور جس کی بدولت اس کا نام عبثیت غرت سربا جانیگا
میری مراد اس کے نامور بیٹے نواب مبارز الملک۔ المظفر الدولہ۔ خدا بڑا جگہ دار
فرزا ابراہیم بیگ خاں، وہ دھونسنا ہے۔ جو نواب میر نظام علی خاں بہادر
آصف جاہ ثانی کے جہد سیمت ہدیہ میں انوار آصفی کا ایک بہت بڑا سپہ سالار اور
ایک معتد بہ حصہ ملک کا حاکم تھا۔ اور جس کے تفصیلی حالات اور نمایاں کارکرد
کا ذکر اس مضمون کا موضوع ہے۔

ابتدائی حالات مرزا ابراہیم بیگ خاں کا مولد و نشا ورجا نگہ تعاقب

سیکا کول (ملک وکری) بہت پیچیدہ ہی سے نہایت بلند
خیال اور جبری شخص تھا۔ تعلیم فنون سپہ گری اور درستی اخلاق کا اُسے بے حد
شوق تھا۔ اور اپنی ذاتی کوشش سے اُس نے اس میں کمال حاصل کیا تھا۔ باپ
کی تعلیم یا نگرانی سے وہ کم فائدہ اٹھا سکا۔ اس لئے کہ اس کا باپ نہایت ہی
کثیر العیال تھا۔ ایک روز کسی نے اُس سے اولاد کی تعداد پوچھی تھی اس نے
کہا کہ میں بغیر شمار کرنے کے صحیح تعداد نہیں بتا سکتا۔ پس ظاہر ہے کہ کثیر العیال
شخص کا اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت میں کافی دلچسپی لینا غیر ممکن ہے۔

ملازمت جب مرزا فاضل بیگ خاں دھونسنا نے انتقال کیا تو

اس کی اولاد تلاش معاش میں متفرق ہو گئی۔ بعض نے
زرعت کی۔ بعض نے تجارت کی اور بعض نے ملازمت۔ ابراہیم بیگ خاں
شوکت جنگ بہادر حاکم سیکا کول وراجہ بندری اور ابراہیم خاں گارڈی
عامل سیکا کول وراجہ بندری کے پاس دو گھوڑوں کی سوارہی پر مامور تھا
اس نے اپنے باپ کی پالکی پر (جو اس کے ترکہ میں ملی تھی) سوار ہو کر شرفائے وقت
سے ملاقات کا سلسلہ جاری کیا۔ چونکہ خود داری کے اعلیٰ نواید سے واقف

سے فارسی زبانوں میں ان لوگوں کو نام ساتھ گارڈی لکھا ہوا تھا تعلق باڈی کارڈ تھے تھا۔

تھا اور صرف ایک بہادر ہی سپاہی نہیں بلکہ نہایت جذبہ خلیق اور زمانہ شناس
 شخص تھا چند ہی ملاقاتوں میں امرار کی توجہات اس پر مبذول ہو گئیں۔
ترقی ملازمت | اور جب علی احمد ابراہیم خاں گارڈی ہوئے
 فرامیسی کی جانب سے راجہ جندری و سیکا گول کا عامل تھا ترک ملازمت کر کے
 بند گانگالی نواب میر نظام علی خاں بہادر کے پاس برابر چلا گیا۔ اور نواب شوکت
 جنگ بہادر سے بھی حکومت سیکا گول جاتی رہی۔ تو مرزا کو ان امور کی سفارش
 نے راجہ سیکا گول کا ملازم بنا دیا۔ اب اس نے اپنے جوہر دکھلانے شروع
 کئے۔ جو کلام اس کو دیا گیا اس نے نہایت ہی جانفشانی سے انجام دیا۔ اور اپنی کاؤ
 کی بدولت اعلیٰ تدابیر اور اصلاحات پیش کیں اور ہر وقت تعمیل فرائض میں لگتی
 دکھلا کر اپنی مستعدی اور شجاعت کا ثبوت دیا۔ چنانچہ اسی کی بدولت ستارا
 راج کا قبضہ تمام ملک اوڑیسہ پر ہو گیا اور وہاں کے اکثر و بیشتر زمیندار خود
 سری اور سرکشی سے تائب ہوئے۔

شادمی اور کامرانی | اس اشار میں وقائع نگار سیکا گول سیدی غیرت
 کا انتقال ہو گیا مرزا کو اس سے بہت ہی خلوص
 تھا۔ اس لئے اس نے مرحوم کی لڑکی سے نکاح کر لیا اور راجہ نے سید صاحب
 کے متعلقین کی پرورش اور مرزا کی نمایاں کارگزاریوں کے صلے میں اسے
 باپ کی جگہ دیدی۔

مرزا کا دھونسا لقب پانا | اب مرزا ابراہیم بیگ خاں تین سو
 پیادے اور چار سو سواروں کا
 ہو گیا اور چونکہ یہ اس قدر ”دھونسا“ کا مالک بن گیا جو اس کے باپ کو

سے انگریزی میں ”سٹر“ اور فرامیسی میں ”میشور“ مراد الفاظ ہیں ”میشور“ ہوتے ہوئے
 فارسی تاریخوں میں ”موسی بھوسی“ لکھا ہے۔

لے اس زمانہ میں نواب صاحب ہمارے صوبہ دار تھے۔ ۱۲۔

زیر حکومت تھی اس لئے اس نے بھی دھوکھا دیا۔

مرزا کی پہلی فتح چند روز کے بعد پیشکاہ بندگان حضرت سربراہ

پہا ور عالی راجہ نداری دایو پر سرفراز ہوئے اور

انھوں نے اپنے بیٹے میر شہاب الدین خاں بہادر کو ایک شاہیت فوج کے

ساتھ بغرض تسلط و ماں روانہ فرمایا۔ سیدارام راجہ فوراً مرزا کو لیکر

ان کی مدافعت کیلئے روانہ ہوا۔ اور جب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا تو مرزا

نے نہایت ہی دلیری اور جواہر دی دکھلائی۔ اور اس عہدگی سے جنگ کی کہ

بہت جلد حریف پر فتح حاصل ہو گئی۔ میر شہاب الدین خاں اور اُن کے

بہت سے رفقاء مارے گئے۔ اور باقی فرار ہو گئے راجہ نے مرزا کی اس نمایاں

کارگزاری کی بہت قدر کی۔ اور اپنے تمام درباریوں میں اُسے ایک خاص

اعزاز بخشا۔

دوسری فتح

اسی اثناء میں زمینداران کمرہی دیکھو میسر نے خود دوسری

شروع کر دی اور ذاتی زراعتکاری سے انکار کر کے خود مختار

ہو گئے۔ راجہ میکا کو لے کر ان کی گوشمالی کے لئے مرزا کا انتخاب کیا۔ اور

اس کام کے لئے اپنے پاس کی ایک نہایت جرار اور مستعد فوج اس کی ماتحتی میں

دی۔ مرزا نے اپنی فوج کو بھی نہایت عہدگی سے ترتیب دیا۔ اور فوراً اپنے دو

بڑے بھائیوں مرزا اللہ یار بیگ خاں اور بھیکو میاں کے ساتھ ہم پر روانہ

ہو گیا۔ اور پانچ سال تک نہایت ہوشیاری اور بہادری سے زمینداران کو

کا مقابلہ کر کے ان کو اپنا مطیع بنا لیا اور تمام شر و فساد کی بیج گئی کہ ال غنیمت

بعد وضع اخراجات فوج نہایت ہی دیانت سے راجہ کے پاس روانہ کیا یہ

ڈیٹی میں مرزا کے ایک بھائی دیکھو میاں کی موت نے اُس سے ہمیشہ

کے لئے جدا کر دیا۔ اس لئے راجہ نے اس کی بہت غم خواری کی اور اس کی

قدر و منزلت میں اضافہ کیا۔

درباریوں کا حسد | مرزا کی روز افزوں ترقی ایسی نہیں تھی کہ بعض

بزدل اور نا عاقبت اندیش درباریوں اور اہل

کو اس پر حسد نہ ہوتا۔ اکثر کارپردازوں نے راجہ کے سامنے اپنی باہمی گفتگو میں ہلاکو خاں اور حیدر علی خاں کی شراکتیں نہ کی تھیں کیونکہ یہ ان کے خود سہرہ ہو جانے کی کیفیت پر خطر الفاظ میں بیان کر کر یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ مبادا براہیم بیگ خاں جو پانچ سال سے ایک کثیر القہ فوج کا مالک و مختار بنا دیا گیا ہے۔ خود سری کرے اور راجہ کی اطاعت سے منحرف ہو جائے۔ اور یہ رائے دی کہ اس کے اعتدالات و اقتدارات کم کر دینا چاہئے۔

مرزا کی مغرولی | گوراجہ مرزا کو بہت چاہئے لگا تھا اور اس کی نسبت

کسی قسم کی بدظنی جائز نہیں سمجھتا تھا۔ لیکن اہل دول کی

طبیعت ناقابل اعتبار ہوتی ہے ان کے خیالات بہت جلد تغیر پذیر ہو جاتے ہیں درباریوں کے کسی بار کپنے اور سمجھانے سے راجہ کو بھی بدگمانی ہو گئی۔ اور مرزا کی جگہ ایک دوسرے شخص کو مامور کر کے اسے قتل کرنے کی نیت اپنے دربار میں طلب کیا۔

سیکا کول کو مرزا کی مراجعت | طلبی کا حکم پہنچنے ہی مرزا نے

مراجعہ کا ارادہ کیا اور تمام فوج کو ساتھ لیکر سیکا کول

کے قریب پہنچ گیا۔ رستے میں ایک ندی حائل تھی اس لئے مرزا نے لب دریا مقام کر کے فوج کو کئی حصوں میں تقسیم کیا اور دروازہ ایک ایک حصہ فوج کو ندی سے عبور کرانے لگا اس ارادہ سے کہ جب تمام فوج پار تر جائے تو اس کو اپنے ہمراہ لیکر راجہ کے دربار میں حاضر ہو۔

حاضر دربار نہ ہو کر مرزا کا بغرض | مرزا اپنی دیانت داری اور غیر نشی

استغاثہ حیدر آباد چلا جانا۔ | پرنازاں تھا۔ اور فوج کو نہایت

خوشی کے ساتھ ہندی سے عبور کرانے میں مصروف ہی تھا کہ اس کے اتر بار میر
نثار علی خاں اور مرزا عاشر بیگ خاں نے اس کو حقیقت حال سے مطلع کیا
اور حاضر دربار ہونے سے روکا۔ ناگروہ جرم پر جب کوئی جھوٹا الزام لگایا
جائے یا کسی غیر اندیش سے بدظنی کی جائے تو اس کی سجد خاطر شکنی ہوتی ہے اور
اس کو جو اثر اس پر پڑتا ہے وہ مدت الزم نہیں مٹ سکتا۔ اسی لئے ارباب نہم
بغیر کافی ثبوت کے کسی کو نظر اشتباہ سے نہیں دیکھتے ناکمل تھا کہ اس قاعدہ کا
اثر مرزا دھونس کی سی غیر طبیعت پر نہ ہو۔ وہ بہت کبیدہ خاطر ہوا اور راجہ
کی تعین شدہ فوج کو داپس کر کے صرف اپنے خاص ہمراہیوں یعنی تین سو بیگ
اور چار سو سواروں اور دو توپوں کے ساتھ ناپید استغاثہ و بحالی ملازمت
پیدا کر آیا چل دیا۔

مرزا کی دوبارہ طلبی

جب راجہ سیکاکول کی ناعاقبت اندیشیوں
کی بدولت مرزا دھونس کا سادیانت دار
کار گزار اور جاں باز شخص اس کے ہاتھ سے جاتا رہا اور مرزا کے ارادہ سے
اُسے واقفیت حاصل ہوئی۔ تو وہ اپنی غلطی پر بہت ہی نادم ہوا۔ اور اس نے
اپنے مقصدین اور لائق کار پر دازد کے ذریعہ سے مرزا کو اطمینان کھلی دلا کر داپس کی
خواہش کی۔ مگر مرزا کا شبہ رنج نہ ہو سکا۔ اور اس نے داپس کا خیال تک نہیں
مفر کی تحلیفیں اور مرزا کی
مرزا مردانہ بہت اور متوکلا نہ استقلال سے
بے سرو سامانی۔

حیدر آباد چلا تو یہی مگر جب پالو پنچ پو پنچا تو
اُسے زادراہ کی سخت تکلیف ہونے لگی۔ جو کچھ اس کے پاس سرمایہ تھا سب بیچ بیچا
تھا۔ لہذا اسی راؤ زمیندار پالو پنچ سے اس نے مدد مانگی۔ مگر اس نے بلطائف الخیل صفا
جواب دیا۔ اب مرزا نے مجبور ہو کر ایک توپ چودہ سو روپیوں میں فروخت کر ڈالی
اور اخراجات فوج کافی الجملہ انتظام کر کے حیدر آباد کا رخ کیا۔ باقی آئندہ

نہجی الزاب خند لب حیدر آباد

نیکی

کرتے رہو جہاں میں صل و نہا رینکی
 بہر بدی ہر پیشک و جہ و مارینکی
 دیکھو دکھاتی ہے پھر کیا کیا بہا رینکی
 ہے کون بزن کوئی مونس بری گھڑی میں
 ہم کو بنایا اشرف پھر دولت خرد دی
 اگر عقل ہے غریزہ باغ ہماں میں سمجھو
 نیکی اگر کر دگے دنیا میں نام ہوگا
 نیکی اگر کر دگے ہر دل غریزہ ہو گئے
 نیکی کی خوبیوں کو نیکیوں سے خاکے چھوچھو
 حاجات دین و دنیا و ابتہ ہیں اسی سے
 نیکی بشر کے حق میں ہے زیور شرافت
 مرغوب اُسے ہے نیکی توفیق جس کو رب دے
 خواں کی صلح گل ہے بے در و کی یل پر
 غیروں کے نیک و بد کو مطلب نہ رکھتا
 رہتا ہو واکم اس سے سر نہر باغ ہستی
 بدنام ہو کے جہنا ہے موت سے بھی بدتر
 کردار کا پھل اچھا پاتے ہیں نیکی سے
 بس ہے یہی شرافت بھول نہ اسکا احسا
 کیا ہے بدی نہ پوچھو ہر خا زار و دشت
 پادوہ خزاں بدی ہے جس کی بہا رینکی
 تو دشمنوں کے آڑے آ جا بری گھڑی میں
 کیا غم و دہین ہم کو دنیا کی آفتوں کا

کوشش کرو تم اس میں ہمت نہ ہارو کی
 بوٹی یہی ہے نفس سرکش کو مارنے کی
 کوشش جو اس طرف ہو دل بھارو کی
 آتی ہے نوبت آخر ب کو بکارنے کی
 کیسی بڑی عنایت پر در و گارو کی
 فصل خزاں بدی ہے فصل بہا رینکی
 کام آئینگی تمہارے زیر مزارینکی
 سوچو کہ ہے پسند پر در و گارینکی
 تم بھی بنا کے دیکھو اپنا شکارینکی
 بے شک ہے وہ جہاں کی حاجت برارینکی
 کوشش کرو غریزہ خود کو سنوارو کی
 نا اہل ہی کو ہوتی ہے ناگوارینکی
 رکھتی نہیں کسی کے دل میں غمبارینکی
 لے بار بار لذت کر بار بار نیکی
 ہے ہر مریع عمر ابر بہا رینکی
 کرتے رہو ہر اک سے تم بار بارینکی
 جب نخل آرزو میں لاتی ہے بارینکی
 تم سے اگر کسی نے کی ایک بارینکی
 جی بھر کے سیر دیکھو ہے لالہ زارینکی
 جس کو خزاں نہیں ہے وہ بہا رینکی
 مانیکا پھر نہ جانی تیرا یہ وارینکی
 جب وقت بد میں اپنی ہو نگارینکی

حجاز ریلوے

مسلمان زائرین و حجاج کو حجاز ریلوے کے باعث جس قدر آسانی ہوئی وہ
خارج ازمیاں ہو اور اسی وجہ سے ہر اسلامی دنیا کے ہر کونے سے اس مبارک
ریلوے کے ساتھ ہجرت و ہجرت کی جاتی رہی جو اور ہی لئے اگر اس ریلوے کے
کچھ ضروری حالات سفر سے لکھے جائیں تو یقین ہے کہ وہ عام دلچسپی حاصل
کرینگے۔ اگرچہ جناب حاجی غلام محمود صاحب طاہر تحصیلدار نے حجاز ریلوے
کا میڈیکل کوارڈینر دو ہیں اس کے ضروری حالات پیش کر دیئے ہیں جو ہر طرح کا
دقابل تعریف ہیں لیکن جس زمانہ میں ہم نے سفر کیا تھا تو اس ابتدائی حالت
کی بد نسبت ترقی ہو کر بہت بڑا بین ترقی ہو گیا تھا اور اس لئے مناسب معلوم
ہوتا ہے کہ اس ریل کی یہ ترقی یافتہ حالت بھی پبلک کے روبرو پیش کی جائے۔
مدینہ منورہ سے دمشق تک اب حجاز ریلوے برابر بے کٹکٹ چلنے لگی ہے
چونکہ اکثر غیر آباد مقامات راستہ میں واقع ہیں اور مسافرن و مال کی کثرت اس
قد نہیں ہوئی ہے کہ روزانہ ٹرین کا سلسلہ جاری ہو لہذا ہفتہ میں تین روز یعنی
شنبہ، بدھ، جمعہ کو ٹرین کی آمد و رفت ہوتی ہے۔ ۱۳۲۶ ہجری میں صرف دن کو
وقت ریل چل کر شب کو ٹھہر جاتی تھی مگر ۱۳۲۶ ہجری میں جبکہ ہم نے سفر کیا تھا
شب و روز چلنے لگی تھی۔ تین شبانہ روز مسافت طے کرنے کے بعد چوتھے روز
شہر دمشق پہنچتے ہیں۔

ہم نے ماہ شعبان ۱۳۲۶ ہجری میں سفر کیا تھا اس زمانہ میں کسی مقام
پر کوئی فرطینہ نہیں تھا۔

مسافت | مدینہ منورہ سے دمشق تک (۲۱۰) آئین ہیں اور مسافت
(۱۳۰.۳) کیلو میٹر کی ہے ایک کیلو میٹر مساوی ہے ایک ہزار میٹر کے اور

ایک میٹر برابر ہے ۳ فٹ ۳ اینچ کے۔
 ان ۶۶ آکشیٹنوں میں العلار۔ مداین صالح۔ بھوک۔ عمان خاص
 طور سے تاریخی مقام ہیں۔ ستان۔ اپنی آبادی کے لحاظ سے۔ اور درگھا
 جگشن ہونے کے باعث مشہور ہیں۔

دشق سے مدینہ منورہ تک بیابان ہے اس میں پہاڑ یا ریت کے میدانوں
 کے سوا پانی کا نظارہ آنکھوں کو بہت کم طراوت بخشتا ہے۔ ایسے ہی ورق
 بیابانوں میں بوہر قسم کے خظروں سے گھرے ہوتے تھے ریل کا تیار کرنا درحقیقت
 زمانہ کی فراست سمجھنی چاہئے۔ چند سال پہلے تک جو ابھی حافظہ سے بخونہ ہو کر
 ہونے کو فی شخص خیال بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ایسے ہی ورق میدانوں میں ریل
 کی تیز رفتاری سے ایک نیا عالم پیدا ہو جائیگا۔ یہاں درتروں کی ہمت اور سلطان
 عبد الحمید خاں جیسے اولوالعزم حکمران کی سرپرستی تھی کہ ایسے مقام میں ریل تیار
 ہوئی اور وہ زمانہ صرف صفحات تاریخ پر یادگار رہ گیا۔ جب کہ اس راستہ کی
 سختی، پانی کی قلت، اور بددیوں کے خوف کے باعث اس راستہ سے ہر قوت
 قافلہ کا گزر ناشکل تھا۔

ہر سال نائب السلطان جو حج کے لئے منحل شاہی کے ہمراہ آتے تھے
 انھیں کے ہمراہ تجارا اور حجاج کی ہر سال صرف ایک مرتبہ آمد و رفت
 ہوا کرتی تھی۔

اس قافلہ کے ساتھ فوج، آلات حرب، توپیں اور پانی کے پچاس اونٹ
 رہا کرتے تھے مدینہ منورہ سے شہر بشق تک اسے راستہ ملے جس پر اب حجاز
 ریلوے جاری ہے صرف مذکورہ بالا سلطانی قافلہ کے علاوہ دوسرے
 کی گزر مشکل تھی پرواساکن جو خوفناک مقامات پر بلا اندیشہ سفر کرتے
 ہیں وہ بھی یہ راستہ چلنے سے بوجہ قلت آب محبور تھے غرض یہ جس قدر مشکل
 سلطانی قافلہ کے زبردست اونٹ تیس چالیس روز کے عرصہ میں

اس پر نظر بیا بان کو ملے کرتے تھے جس کو اس مبارک ریلوے کے بدولت جدت چاروں میں ملے کیا جاتا ہے اور اس کے کرائیدہ اس سے بھی کم مدت میں لو کیا جاتا اگرچہ مسلمانان ہند کو ابھی جدہ سے ریل میں تیغنا غریب نہیں ہوتا تاہم بہت کچھ سہولت زیارت مدینہ شریف میں حاصل ہوئی ہے۔ کوئی شخص جو اس ریل پر سفر کرتے نامکن ہے کہ وہ سلطان عبدالحمید خان کا نام شکر گزار میں لکھو جس نے جس کی غلیم انسان یا دیگر ثابت کرتی ہے کہ گو اس کی ذات میں کیسے ہی عیب کیوں نہ بتائے جائیں مگر کوئی شک نہیں کہ وہ ایسا دارالغرم سلطان تھا جس نے ایسے مشکل کام کو عالم خیال سے فعلیت میں پہنچا دیا اور اس کی علیحدگی سے اور باتوں سے قطع نظر یہ نقصان تو ضرور ہوا کہ وہ ان ریلوے کا تاج تھا جو مسلسل قطع ہو گیا اور اہل ہند کی جدہ سے مکہ منظر اور مدینہ منورہ تک ریل پر سفر کرنے کی امیدیں یہ تجویز رہ گئیں۔

مسلمانان ہند میسجی سے (۱۳۰۶) روزہ میں مدینہ حبیبہ پہنچ کر زیارت نبوی سے شرف ہو سکتے ہیں۔

راستہ کی حفاظت | مدینہ منورہ سے اٹھارہویں اسٹیشن تک جو العلاء کے نام سے موسوم ہے بدولت

کر کے ریل کی ٹیڑھی توڑ دینے ہیں اس لئے ریل کی حفاظت پر ترک کی فوج کے علاوہ (۱۹۰۶) سائنڈنی سوار بدوی مقرر کئے گئے ہیں۔

پہاڑوں پر مورچہ باندھ کر ٹرکی فوج حفاظت کرتی رہتی ہے۔ ٹرکی بیقاعدہ فوج جو کثیر تعداد میں بیکار تھی اس کو اس ریلوے کے باعث کام مل گیا ہے۔ ٹرک کی تیاری اور حفاظت کا کام ٹرکی سپاہی خود کر لیتے ہیں۔ ہمارے سفر کے زمانہ میں کوئی امر مخالف اس واقعہ نہ ہوا۔

ہر اسٹیشن پر صرف ایک اسٹیشن ماسٹر ملازم ہے جس کو (کبیر المصطفیٰ) کہتے ہیں گاڑی اور انجن ڈرائیور مسلمان شامی یا ترک ہیں اور اکثر ہندی کاریگر بھی

مقرر کئے گئے ہیں ریلوں کی تعمیر میں سماروں سے مدد لی جاتی ہے۔
 ریلوے ملازمین اور ترکی سپراہی مسافرن کے ساتھ اس اخلاق اور روت
 سے پیش آتے ہیں جن کے لئے وہ تمام دنیا میں شہور ہیں۔
 ریل کے درجے | ریل میں صرف دو درجے ہیں جو ہندوستان کے
 درجہ اول و سوم کے مماثل ہیں۔

مدینہ منورہ سے دمشق تک درجہ اول کا کرایہ تخمیناً دما ہے کلدار
 درجہ سوم کا (دو) کلدار ہے مگر کلدار روپیہ کا اس ریل پر چلن نہیں ہے
 البتہ انگریزی گورنمنٹ کی صرف انٹرنی لی جاتی ہے جس کو عربی میں اجنی انگریزی
 بولتے ہیں اول درجہ تو ہر طرح آراستہ ہے مگر درجہ سوم کے ڈبے بھی برسٹ نہیں
 ہیں ڈبوں کے کونوں میں بیت الخلاء اور عورتوں کے لئے ڈبوں میں علی و کمر
 سے ہوئے ہیں بمقابل ہندوستان کے کرایہ کے اس ریل کا کرایہ زیادہ ہے
 جسکی درجہ ایک حد تک یہ ہے کہ آمدنی کم اور اخراجات حفاظت زیادہ ہیں اس
 قدر زیادہ کہ کرایہ اصول ریلوے کے لحاظ سے بجا نہیں کہا جاسکتا بلکہ وہ اس کی
 ترقی کا باج ہے۔ کیونکہ کرایہ کی بیشی کے باعث اکثر مسافر سفر کرنے سے باز آجاتے
 ہیں کرایہ کی کمی سے مسافرن کی لامحالہ زیادتی ہوگی اور آمدنی بڑھنے کی بہر حال اس
 مسئلہ پر ہنوز گورنمنٹ ترکی نے توجہ نہیں کی ہے۔

مدینہ منورہ میں گیموں اور ترکاری وغیرہ کی جس قدر کاشت ہوتی ہے
 وہ حجاج وغیرہ کے لئے ناکافی ہے اس لئے غلہ اخل چانول گیموں پر قسم کی دال صر
 اور مہمی سے جہاز کے ذریعہ سے رابع یا منع تک جا کر دہاں سے اڈوں پر مدینہ
 پہنچتا تھا۔ مگر اب اس ریل کے ذریعہ سے تمام غلہ اور پارچہ روانہ ہوتا ہے اس ریل
 سے ملک شام کی تجارت کو ترقی ہوتی ہے اور مہمی و کلکتہ سے جو غلہ روانہ ہوتا تھا اس
 میں کسی قدر کمی آگئی ہے۔

اوقات | ریلوے لائن کے اوقات بھی عربی ہیں یعنی غروب آفتاب سے

اُن کا حساب شروع ہو کر دوسرے دن غروب آفتاب پر ختم ہوتا ہے غروب کے وقت (۱۲) بجتے ہیں اور صبح کو بھی مسافرین نماز اور دعا کی ضرورت کو لئے اسٹیشن پر بلا روک اتر جاتے ہیں۔

رعایت | حجاز ریلوے کی تعمیر میں چونکہ چند کی تعداد بھی بکثرت شریک ہے اس لئے اکثر ممالک کے زائرین ترکی گورنمنٹ کی اجازت سے کرایہ کی معافی کے ساتھ بھی سفر کرتے ہیں۔

چنانچہ برج الادول شمسہ بحری میں مولوی حاجی عبدالرحیم صاحب قافلہ سالار سرکار عالی کی تحریکات پر (۲۵۶) اشخاص کو معافی کرایہ سفر کی اجازت دی گئی تھی جو غریب مسافریک دو اسٹیشن تک حجاز ریلوے پر بلا اجازت سوار ہو کر سفر کرتے ہیں اُن سے بھی رعایت کر کے کرایہ کی رقم وصول نہیں کی جاتی ہے۔

اسباب ہجراہی | ہجراہی اسباب زیادہ ہو تو گنج پیر وزن کر کے اہالیان ریلوے اپنی تحویل میں لیتے ہیں باستثناء اسباب خوردنی جملہ اسباب کا وزن کیا جاتا ہے درجہ سوم کے ہر شخص کو (۲۰) اوقہ معاف ہے ایک سو اسیر کے مساوی ہے بقیہ اسباب کا کرایہ لیا جاتا ہے جس کی مقدار یہاں کے نرخ لکج کے قریب قریب ہے۔

ہندی زائرین جو اس ریل پر سفر کرنا چاہیں اُن کو مدینہ منورہ تک پہنچنے کے حساب سے چاقول اور ہندی مصالح مثلاً چرچ - ہلدی - دھنیا پیمیا وغیرہ بیبی سے ہمراہ رکھنا ضروری ہے کیونکہ وہاں چاقول وغیرہ بوجہ عدم استعمال اچھے نہیں ملتے اور جو ملتے بھی ہیں تو گراں - اسی طرح مدینہ منورہ سے واپس ہونے والے اصحاب کو مدینہ منورہ سے اشیاء مذکورہ کا خرید لینا مناسب ہے روٹی بسکٹ - پنیر - سالن بھی ریل پر ہمراہ رکھنا چاہئے چھوٹے اسٹیشنوں پر

یہ اشیاء بھی نہیں ملتی ہیں۔

ہندوستان سے آسان راستہ | مسافران ہند جو مدینہ منورہ

کو جانا چاہتے ہیں ان کے لئے آسان طریقہ یہ ہے کہ وہ بمبئی سے پورٹ سعید تک معمولی جہازوں پر
کے جہاز میں سوار ہو جائیں

پورٹ سعید سے یا ذہ حیفاء - بیروت (بنادر شام) کو روانہ جہاز
جاتے ہیں۔

یا ذہ میں ان لوگوں کو آترنا چاہئے جو بیت المقدس کو بھی جانا چاہتے
ہیں۔

پورٹ سعید سے حیفاء جا کر (جہاں ریل موجود ہے) مدینہ منورہ کو
چلے جائیں تو حیفاء سے مدینہ منورہ تک (۵۷) کلدار کرایہ ہوگا لیکن
اگر دمشق کی اسلامی یادگاروں کی سیر منظور ہو جو خلفائے نبی امیر کا پائے
تحت اور نہایت آباد و سرسبز و شاداب ہونے کے علاوہ انبیاء اور اصحاب
کرام کے مدفن ہونے کا بھی شرف رکھتا ہے تو پورٹ سعید سے جہاز پر بیرون
جا کر بیروت سے ذریعہ ریل دمشق سے مدینہ طیبہ کو جاسکتے ہیں جس میں کرایہ
کی رقم (۵۷) حسب صراحت | از بیروت تا دمشق ۴۵
حاشیہ صرف ہوگی۔ | از دمشق تا مدینہ منورہ ۱۲

بیروت سے یا ذہ (۱۲) ساعت اور پورٹ سعید (۲۴) ساعت کا راستہ
ذریعہ جہاز ہے۔

جدہ کو جانے والے حجاج اگر وہ راستہ جدہ کو نہ جائیں تو سویس سے
بھی جدہ کو جاسکتے ہیں۔ سویس سے جدہ (۳۵) روز کا راستہ ہے۔

بمبئی آنے والے مسافروں کو بجائے سویس کے پورٹ سعید سے
جہاز پر سوار ہونا مناسب ہے۔ جس میں رقم کم صرف ہوتی ہے اور جہاز بھی

قریب کھڑا ہوتا ہے۔ پورٹ سعید سے سوین تک ریل کے ذریعہ سے سفر کر کے سوین میں جہاز پر سوار ہونے میں اخراجات کسی قدر زیادہ لاحق ہوتے ہیں۔

ٹکٹ

ہر مقام پر جہاز کا ٹکٹ علیحدہ خریدنا پڑتا ہے دلالوں کے دھوکے سے جہاز کے ٹکٹ ایک ساتھ خریدنے سے یہ مشکل ہو

ہے کہ جس کمپنی کے ٹکٹ خریدیں اُس کمپنی کے جہاز کے انتظار میں توقف کرنا پڑتا ہے مثلاً مدینہ منورہ کو جانے والے اصحاب جہاز کا ٹکٹ بیسویں سے پورٹ سعید تک لیں اور پورٹ سعید سے بیت المقدس جانے والے مسافر باؤنگ ٹکٹ خریدیں اور پھر باؤنگ سے حیفا یا بیروت کا ٹکٹ علیحدہ لیں۔ ان مقامات پر جانے میں صرف ریل اور جہاز کا کرایہ گراں ہے مگر اشیاء خورد و نی اور مقامات سکونت انراں ہیں۔ یاؤ۔ پورٹ۔ سعید۔ بیروت۔ دمشق میں مسافروں کے آرام کے لئے لوکنڈہ (ہوشل) بکثرت ہیں جن میں آرام ہیڈ ملتا ہے۔ اور روزانہ صرف ۱۰/۸، ۱۰/۱۰ فی اسم علاوہ خوراک لاحق ہوتا ہے لوکنڈہ پاک و مشا اور مس کے کمرچودتین۔ چار آدمی کے لئے سبجے ہوتے رہتے ہیں۔ ٹیکس ہر کمرہ میں ہر ایک شخص کے لئے پینک بکجی یا آبنی مسکری دارموندہ دتجیہ و لحاف۔ کرسی۔ تباکی۔ برش۔ آئینہ۔ گنگھی۔ لیامپ۔ صابون ربا کرتا ہے غریب مسافر شخاص کے لئے سرکاری مسافر خانے ہیں جن کو گلیہ کہتے ہیں نقطہ

تقارر مرقضی حسین

لطیفہ

ایک صاحب کا زندگی ہی میں	مقبرہ بن کے جب سوا تیار
پوچھا اب اس میں کچھ کمی تو نہیں	متفق ہو کے بولے سب معار
جسم والا کی اک ضرورت ہے	اور نہیں اس میں کوئی شے درکار
	سید مرتضیٰ حسین از بنگلہ

رباعیات عشرہ

ہوئے کو چہ دنیا میں الٹ پھیر کیا (۱)	سب جینے سے ہو گئے ہیں دل سیر کیا
اُٹھی ہے ہر اک بات مسلمانوں کی	افسوس مجا ہوا ہے اندھیر یہ کیا
ہر بات میں اُگٹا جو سہرا سر پائے (۲)	سمجھائے تو کیا خاک کو کئی سمجھا کر
ہو عید تہجی بھر کے یہ خوش ہو نہیں	ہاں عید سنائیں گے محرم آئے
ہو سب طپیمیر کا نہ کچھ غم افسوس (۳)	اسباب خوشی کچھ بھی نہیں کم از کم
کیسی کمی بڑھ جات مسرت کی ترنگ	اس طرح کئے ماہ محرم افسوس
حق کیلئے تھی ذات خوش انجام میں (۴)	حق کیلئے تھے راحت و آرام حسین
حق پر رہو حق سے استقامت جاہو	لیتے نہ رہو نہ سے فقط نام حسین
پر و انہیں آفت سے گھرا نا گھر جا کے	کیا فکر ہے ڈوبے یا قبیلہ تار جا کے
ناحق پہ بھی اتفاق ہو جاتا ہے	حق سے نہ پھر دچا ہے زمانہ پھر جا کر
یاران وطن نے جب کینا چھوڑا (۵)	شہر نے غم میں کھانا پینا چھوڑا
کیا موت کیلئے حکم ہے وطن کا بھٹنا	مجبور تھے مجبور مدینا چھوڑا
بیفکر کہاں سید مغموم رہے (۶)	کعبہ کے سے مامن میں بھی مظلوم رہے
اللہ ری مجبوریاں حج کرنے نپٹے	احرام تلک باندھ کے محروم رہے
اک لال ہی شبہ کا نہیں تھا پیارا (۷)	سادات کے گھر تھا بچہ بچہ پیارا
اک نطرہ مسلمانوں نے پانی نہ دیا	تھا ساتی کوثر کا نوا سا پیارا
قاسم سا جوی حیدر شانی نہ رہا (۸)	اکبر سا جواں زیب جوانی نہ رہا
شہر کے دل اور جگر سوکھ گئے	رودنے کے لئے آنکھوں میں پانی نہ رہا
سادات کو ذوق شادمانی نہ ملا (۹)	افسوس کہ لطف زندگانی نہ ملا
کیا ملتا شہادت کے سو اپنا سو کو	پانی نہ ملا پینے کو پانی نہ ملا
	پسلی حیدر آبادی

اصلاح اردو

اردو کا جنم بھوم

اس باب کے آغاز میں نہایت مناسب اور ضروری تھا کہ اردو کو جنم بھوم کی تحقیق کی جاتی۔ شکر ہے کہ ہم اسے درست جناب تہلی صاحب حیدر آبادی نے ہمیں یہ مضمون عنایت کر کے اس ضرورت کو پورا کیا۔

اس مضمون میں جو بات ثابت ہو گئی ہے وہ یہ ہے کہ اردو بھارت کے وہلی کے وکن کی پیداوار ہے۔ اور یہی بات کی زبان دہلی - اور گنگا آبادی کے ذریعہ سے دہلی پہنچی اور وہاں رائج ہوئی تھی۔ مضمون یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ بعض لوگ دہلی کو گجراتی کہتے ہیں اور یہ بے بنیاد ہے۔

اس مضمون کو وہ صاحبان قلم ضرور پڑھیں جنہیں زبان کی چھپر چھاڑ میں مزا آتا ہے۔ اور جنہوں نے اپنے رسالہ کا مقصد زبان کی اصلاح و ترقی قرار دی ہے ورنہ یہ سمجھا جائیگا کہ انہوں نے اس مضمون کو تسلیم کر لیا۔ اور پھر ان کو یہ کہنے کا کوئی حق نہ ہوگا کہ دہلی کو مستطالہ اس اردو ہونے کا فخر و شرف حاصل ہے۔

ادنیٰ

ہم نے بہت دن ہوئے ”ریختہ یا اردو“ کے عنوان سے ایک مضمون مرحوم نیم دکن میں لکھا تھا جس میں اس بات کے واضح کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ ریختہ یا اردو کا جنم بھوم (جو آج ہم سب ہندوستانیوں کی زبان ہے) خاک پاک دکن ہے اس مضمون میں ان دو امور پر خاص طور سے زیادہ زور دیا

گیا تھا۔

(۱)، جب یہ ایک مسلم امر ہے کہ سلیانوں کے ہندوستان آنے کے زمانہ میں ہر صہ ہند میں مختلف پراکرتیں بولی جاتی تھیں تو فارسی، عربی، ترکی وغیرہ کا ملکی پراکرتوں پر الگ الگ ادیان کے اتسراج کا نتیجہ ضرور جدا جدا ہو گا اس لئے یہ دریافت کرنا ضروری ہے کہ موجودہ اُردو کا ڈھانچ کس موثر پراکرت کے اتسراج کا نتیجہ ہے کیونکہ شمالی ہند میں اس وقت برج بھاشا اور جنوبی ہند (دکن) میں تملی مر اور یا تامل وغیرہ زبانیں بولی جاتی تھیں۔

(۲)، اگر بغرض غلط ولی کو اُردو کا باؤ آدم تسلیم بھی کر لیا جاسے تو بھی باصول ارتقاء یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ دلی کس سہاسی کا پرورش یافتہ ہے اور کس طرح اس نے ایک مکمل مبسوط زبان اپنے دیوان کے ذریعہ اہل دہلی کی مذکر، اُس کے قبل کی ایسی یاد گاریں ضرور ہونی چاہئیں جو زبان ولی کی بنیاد قرار پاسکیں۔

انھیں دو امور کی بنیاد پر ہم نے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ جب دلی دکنی میں در ان سے قبل صد ہا شعر اے اُردو دکن کے مختلف شہروں میں گزر چکے ہیں یقیناً اُردو کا ڈھانچ دکن کی مختلف پراکرتوں اور فارسی، عربی، ترکی وغیرہ زبانوں کے اتسراج کا نتیجہ ہے اس لئے اُردو کا جنم بھوم دکن ہے۔

بادجو و متوجہ کرنے کے ایک زمانہ تک کسی نے ادھر دھیان نہ دیا حال میں مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے گلشن ہند کا مقدمہ لکھتے ہوئے بجائے اس کے کہ اس مسئلہ پر کچھ روشنی ڈالتے جس کا انھیں کافی موقع تھا شمس العلماء مولانا آزاد سے وطن پرست سے جھگوں نے دلی دکنی کے احسانات کا مجبوراً اعتراف کیا ہے چار قدم آگے بڑھ گئے اور مقدمہ مذکور میں یہ بلا دلیل گھو کر دیا کہ ”دہلی کو جہاں یہ فخر ہے کہ اُردو نے اس میں جنم لیا وہاں اس کا

سہ آپ کو اس کا ثبوت دینا چاہئے۔ اڈیٹر

یہ شعر بھی چاہے کہ قبضے اعلیٰ شاعر ہوئے ہیں سب میں کے لئے تھے۔“

اب کیا تھا یاروں کو نیا سنگ نہ لائے آیا اس پر حاشیہ پڑنے شروع ہوئے
 ہم تو ”خزن گام سرور“ ہی دیکھ کر حیران رہا کرتے تھے کہ اس میں حیدر آباد کو
 لاہور کا ہم پلہ قرار دیکر دکن کے حقوق آباد سے کنایت نکال کیا جاتا ہے مگر
 یہ حیرت انتہا کو پہنچ گئی جب ہم نے ”المسبۃ“ میں جو حیدر آباد سے تھک کر بند ہو چکا
 ہے ”ولی گجراتی“ والا مضمون پڑھا مضمون مذکورہ بالا میں ”ولی“ علی صاحب
 بنی۔ اس کے مندرجہ بالا فقرہ پر خوب خوب حاشیہ پڑھا کر دیکھتے ہی گئی
 ہے جس میں صاحب مضمون مندرجہ ذیل دعاوی دہلی کی جانب سے پیش کرتے ہیں
 (۱) چونکہ کسی زمانہ میں ہر دسے تقسیم ہوا انیالی گجرات دکن میں شامل نہیں کیا گیا
 نہ کبھی شاہان دربار بنگال دکن کے ماتحت رہا ہے اس لئے وہ دکن میں شامل نہیں
 کیا جاسکتا۔ ولی کو جو گجراتی ہیں دکن کی کہہ سکتے ہیں۔

(۲) ولی پہلے فارسی کے شاعر تھے اور دہلی میں آنے کے بعد حسب ہدایت
 شاہ عبداللہ گلشن۔ اردو شعر کہنا شروع کیا اس لئے ولی کا دیوان دہلی کی زبان
 میں ہے۔

ہمارا اب بھی ارادہ نہ تھا کہ ان بے دلیل دعاوی کی طرف توجہ کریں
 مگر بعض احباب کے حب سے زیادہ اصرار سے چند سطریں لکھی جاتی ہیں انشاء اللہ
 اس مسئلہ پر دکن کے اردو شعرا کے تذکرہ میں جو زیر ترتیب ہے بالتفصیل کافی روشنی
 ڈالی جائیگی۔

ہم اس بحث میں تو پڑنا نہیں چاہتے کہ گجرات از روئے جغرافیہ طبعی
 شمالی ہند میں شامل ہے یا جنوبی ہند (دکن) میں کیونکہ وہ دونوں سے
 مثل بنگالہ خارج ہے اور نہ سے ولی کے گجراتی ہونے ہی سے ہم کو انکار ہے
 ہاں امر ماہ الزام کی تحقیقات ضرور سی ہے اور مواد مندرجہ بالا کی بنا پر ذیل

اے اگر دکن میں نہیں تو کیا لکھنؤ میں بھی کوئی اعلیٰ شاعر نہیں؟ اڈیٹر

کی چند نقیصیں تصفیہ طلب قرار دی جاسکتی ہیں۔

(۱) دلی کہاں کا باشندہ ہے۔

(۲) دلی نے اردو شعر کہاں کہے۔

(۳) دلی کی زبان دہلی، گجرات، دکن تینوں میں سے کہاں کی ہے۔

ان کے تصفیہ سے معاملہ خود بخود روشن میں آجائے گا۔

تنقیح اول کے متعلق میر تقی میر، میر حسن، حسن، لعلی، ناریں، شفیق اور گنگا

وغیرہ قدیم تذکرہ نویس متفق اللفظ بیان کرتے ہیں کہ دلی اور نگ آباد کے

رہنے والے تھے اور اسی بنا پر میر صاحب نے صاف صاف کہہ بھی دیا ہے

خوگر نہیں کچھ یونہی ہم ریختہ گوئی کے معشوق جو اپنا تھا باشندہ دکن کا تھا

میر کے ہم عصر قائم کو دلی کی تعظیم کرتے ہیں مگر کہتے ہیں

قائم میں غزل طور کیا ریختہ در نہ اک بات لچر سی بزبان دکنی تھی

متاخرین میں سے بعض نے جن میں مولانا آزاد بھی شامل ہیں نہیں معلوم کہ

کی بنیاد پر دلی کی گجراتی ہونے کا دعوے کیا ہے تاوقتیکہ وہ اپنے دعوے کا ثبوت

نہ دیں دلی گجراتی نہیں ہو سکتا پس باوجود روایت متاخرین کا صرف دعوے ہی

دعوے قدیم تذکرہ نویسوں کے مقابلہ میں جھولی سے قریب زمانہ میں گزرے ہیں

اور متفق اللفظ ہیں کسی طرح صحیح نہیں قرار دیا جاسکتا۔

تنقیح دوم کے متعلق مولانا آزاد آب میات کے صفحہ ۱۰ میں فرماتے ہیں ”یہ

اپنے وطن سے ابو العالی کے ساتھ دہلی میں آئے یہاں شاہ عبداللہ گلشن کے

مرید ہوئے ”شاید“ ان سے شعر میں اصلاح لی ہو مگر دیوان کی ترتیب فارسی کے

مطور پر ”یقیناً“ ان کے اشارہ سے کی“ آگے چلکر صفحہ ۴۲ میں فرماتے ہیں ”اکا

ابتدائی عہد عالم گجراتی آخری زمانہ ہو گا اور وہ معہ اپنے دیوان کے سترہ جلوس

محمد شاہ شاہی میں دہلی پہنچے“ ان دونوں فقرہوں میں جو تناقض ہے وہ روز

روشن کی طرح ظاہر ہے اور لفظ ”شاید“ دلی کی شاگردی کا پرہیز فاش کر رہا

اور ”معد دیوان“ دہلی میں آنا ظاہر کرتا ہے کہ ”یقیناً“ والی روایت میں کس قدر جان ہے اور وہ عبارت جو ”شلیہ“ اور ”مکن ہے“ کے اینٹ چوندے ولی کا دہلی میں شعر کہنا ثابت کر لے اور ولی کی زبان کو دہلی کی زبان بتلانے کے لئے بنا کر رکھی گئی ہے کے منٹ قائم رہ سکتی ہے۔

دوستو! اگر تم تسلیم بھی کر لیں کہ دہلی نے دہلی جا کر اردو شعر کہے ہو بظاہر سنیں سترہ جلوس محمد شاہی علیہ السلام کا سلطان ہو تو ”روضۃ الشہداء“ کو جو سترہ سی لکھی ہوئی اور مطبوعہ موجود ہے بتلاؤ! کس کی اور کس زبان کی تصنیف کہا جائے اور مولانا آزاد کے تناقض بیان کو کیونکر رفع کیا جائے۔

تسلیح سوم کے متعلق مولانا آزاد فرماتے ہیں ”ان کا (ولی کا) دیوان اس عہد کے مشاعروں کی ہوائی تصویر ہے کیونکہ اگر آج دریافت کرنا چاہیں کہ اس وقت کے امرا شرفا کی زبان کیا تھی؟ تو اس کی کیفیت سوا دیوان ولی کے اور کوئی نہیں بتا سکتا یہی فقرہ شاید مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے اور ان کے فقرہ سے فقرہ میں آکر بلا دلیل و دعویٰ کرنے والوں کا اہل انمول ہے ورنہ جب ولی کا معد دیوان دہلی میں آنا مسلم اور بقول مولانا آزاد سوا دیوان ولی کے اور کہیں زبان دہلی کا نمونہ ملنا نامکن ہے تو نہیں معلوم کس بنیاد پر دعویٰ کیا جاتا ہو کہ ولی کی زبان ”دہلی کی زبان“ ہے مولانا آزاد نے ولی سے پیشتر کے شعراء ولی کا کلام جس قدر ملاحظہ اب حیات میں درج کر دیا ہے چاہے وہ کتنا ہی مختصر ہو مگر موجود ہے اور اس بات کے ثابت کرنے کے واسطے کافی ہے کہ برج بہار شاہ اور فارسی میں اس وقت تک کس قدر امتزاج ہوا تھا میر معر فرماتے ہیں۔

اززلین سیاه تو بدل دوم بری ہو درخانہ آئینہ گنجایوم بری ہو
موزلباش خان امید ملک الشعراء عالمگیری کا یہ ایک شعر آجیات میں درج ہو
بامن کی بجٹی آن مری آنکھ مون بری غصہ کیا و گالی دیا اور دگر لری

یہ کتاب اردو میں ولی کی لکھی ہوئی ہے اڈیٹر

اس کے بقیہ شعر تذکرہ گلشن ہند میں معد و اوقات درج ہیں بفرض غلط اگر امیک
اشعل بھی دہلی ہی کے سمجھ لئے جائیں کیونکہ وہ ہمارے فطر میں ان کے ایک زمانہ
دراز تک دکن میں رہنے کا نتیجہ ہیں تو بھی کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ مندرجہ بالا
اشعار امد :- **دلی کا یہ شعر**

یک دل نہیں آرزو سے خالی ہر جا ہے حال اگر خلا ہے
تین ایک ہی شہر اور ایک ہی زبان بولنے والے باشندوں کے طبع زاد ہیں نہیں
ہرگز نہیں۔

بدلائل مندرجہ بالا اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ دلی کی زبان اسوقت کی دہلی
کی زبان نہ تھی پھر بھی یہ کہنا ممکن ہے کہ شاید وہ گجرات کی ہو کیونکہ دلی کے بزرگ
وہیں کے رہنے والے تھے مولانا آزاد نے اس امر کے تصدیق کیلئے بھی ہم کو
زیادہ تحقیقات و تلاش کے ذریعہ سے سبکدوش کر دیا ہے یہاں مولانا نے
دلی کو گجراتی قرار دینے کیلئے اچھو گجراتی، مصر دلی کا تذکرہ کیا ہے وہیں اس کے
اشعار بھی لکھے ہیں وہ فرماتے ہیں۔

گر بیض زانغے کے در زیر سیر غم ہند از اصل خود نایاب و دل آفرین گلیا ہو پو
گر طیفکے باز گئے خواند مو عالم شود اصلیکہ دار و کے رو آفرین ہو پو
گر بچہ شیم کے شیر رو بہر و دردی کہ دار و کے رو آفرین گلیا ہو پو
یہ ہے اسوقت کی گجرات کی زبان جس کو دلی کا وطن کہا جاتا ہے اب ان اشعار
کا مقابلہ مندرجہ ذیل اشعار سے کرو دیکھو کس نتیجہ پر پہنچتے ہو۔

جس وقت اسے میر جن تو بے حجاب ہوگا ہر زہرہ تھج جھلک سوں جو آن فانی کا
مت آئینہ کو دکھلا اپنا جمال روشن تھج کھو کی تاب دیکھ آئینہ آب ہوگا
رکھتا ہوں کیوں جھاکوں مجھ پر واک عالم محشر میں تھج وں آخر میرا حساب ہوگا
لطافت نے یوں دیا ہر جھک دلی وشتار اسکی گلی میں جا تو مقصد شتاب ہوگا
اب دلی کے اشعار کا مقابلہ سراج اورنگ آبادی کے کلام سے کر دیجئے

متعلق ہمارا نہیں دکن کا دعویٰ ہے کہ وہ نہ صرف ولی کا ہوصدقہم وطن چہی ہے
بلکہ اپنی جاوید بیانی کے سبب ولی پر ایک خاص فوقیت رکھتا ہے دیکھو ولی
کہتے ہیں۔

جب ضم کو خیال باغ ہوا	طالب نشہ سراغ ہوا
دل عشاق کیوں نہ ہو روشن	جب خیال ضم سراغ ہوا
اسے ولی گلبدن کو باغ میں	دل صبرگ باغ باغ ہوا
بیابان قباب ہو تجھ لب کی تاب کا	پیا سا جو اس جہاں میں تیرے لب کی تاب کا
تجھ شوق سونام لبالب ہر جام میں	شیشہ میں دل کے جوش جنت شہر کا
روح بخشی ہے کام تجھ لب کا	دم تھمسی ہے نام تجھ لب کا
میری طرف سے جا کے کہو اس حبیب کو	گر مجھ کوں چاہتا ہے تو مت دل کی تاب

اب سراج کی فہم سنجی سنو اور اس کا مقابلہ اوپر کے اشعار سے کرو۔

میرے جگر کے درو کا پارہ کب آئیگا	کیا بار ہو گیا ہے دوبار اکب آئیگا
بے شاد اپنے پھول سے ہر بلبل کی	دہ یار تو ہمارا ہمارا اکب آئیگا
نقش قدم ہوا مہوں محبت کی راہ کا	کیا دلگشا مکان ہو میری سجدہ گاہ کا
جب جہن میری طرف آئے لگا	دل کی بیابانی میں بی جا نے لگا
اگر چہ یار ہے پیوس سلام ہوئے کا	کہاں ہے ہوش مجھے پہلا ام ہوئے کا
بیان عشق کی سبب وہ گفتگو مت کر	نہیں سراج یہ قصہ تمام ہوئے کا
مجھ میں غم دست و گریبان ہوا تھا	چاک سینہ کا نایاں نہ ہوا تھا سو ہوا
آہ سوزاں سو مری و امین صحرائیں	قصر تنہاں پوچھو انماں نہ ہوا تھا سو ہوا

۱۔ مولانا آزاد نے جہاں ولی کو اولیت کا تاج پہنایا وہیں یہ فرما رہے ہیں "واسوخت
اسوقت میں نہ تھا اس ایجا کا فوج میرے صاحب کیلئے پھوڑ گئے حالانکہ سراج نے ایک ترکیب
بند بنام واسوخت لکھا ہے جو اس کے دیوان میں درج ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔۔۔
اسے گل بوستان نازد ادا دیکھو حال اہل شہیدا

ایک ہم دلیف و ہم قافیہ شعر کا بھی مقابلہ کرو اور بتلاؤ کہ کس کا کیا درجہ ہے اور دونوں ایک زبان بولتے ہیں یا نہیں۔ **ولی** :-

ہوا ہے سیر کا شتاق بیتابی سوں کنڈیرا چمن سوں آج آیا ہے گل گل پیر میں پیرا
براج :- جگر کے داغ سوں بیکہ پھل جو ٹٹکا ہوا ہو خون پر طاؤس رنگیں پیر میں پیرا
دوستو :- کیا اب بھی کہو گے کہ ولی گجراتی ہوا اور اردو کا جنم بھوم
دکن نہیں گجرات یا دہلی ہے۔

ممکن ہے کہ کوئی سران پر اعتراض سمجھ بیٹھے در اولی کے اشعار کا ذیل کے اشعار سے مقابلہ کرو جو عاجز نے ان سے بہت پہلے کہے ہیں۔

اس زندگی میں یار و سار ابو دم کا جھگڑا جاو تو جی کا جھگڑا آؤ تو غم کا جھگڑا
جنجال زندگی سو کیا ہو گیا جو چھوٹے عاجز ابھی پڑا ہو ملک عدم کا جھگڑا
عاجز کی زبان کی صفائی دیکھو مثنوی لال و گوبہ میں فرماتے ہیں۔

الہی دے سمجھے نگیں بیانی عطا کر مجھ کو لیا تو ت معافی

سخن کا فعل دھومیر می بائیوں در معنی میں بھرمیرے بیاں کو

در معنی کا بھگھ کوں جو ہری کر سخن بھول کو میرا مشتری کر

مجھے کر چند لیب بانی انت مری رنگیں سخن کو انجمن شہرت

مرے دل کوں ناکر چاک چوں گل کراپنے عشق کے گلشن کا لبیل

مرے آسنو کو دے پل پل وانی مری آنکھوں سے متکھ دو پانی

مجھے آنکھوں کے پانی میں دوبار کھ نہنا تخرم مجھ کوں بنا رکھ

دل خول د اور دھو چشم پر غم رکھا ہے آہ آتش میں را دم

اگر اب بھی کچھ شک باقی ہو تو ہم ایک اوجھوت آب حیات سو بتاتے چلیں جس سے شاید پوری تسلی ہو جائے مولانا آزاد آب حیات صفحہ ۷۷ میں فرماتے ہیں ”ولی نے اپنے کلام میں ایہام اور الفاظ و معنی سے اتنا کما نہیں لیا خدا جانے ان کے قریب العہد بزرگوں کو پھر اس قدر شوق

پہونچا۔ اور میں بالاستیما عطا اللہ کے باعث۔ دوسرے گھنٹے میں اسفندار کے پرچہ کا منتظر ہو گیا۔ اس میں شک نہیں کہ جو ریویو میرے ناول کا شائق سراغ میرا آپ نے اپنے باوقت رسالہ صحیفہ میں اپنی عالی حوصلگی سے فرمایا ہے وہ میری شان اور حوصلے سے بدرجہا بڑھ کر میرے پاس ایسے اچھوتے ناول لفظ نہیں ہیں کہ قابلِ قدر ریویو کے معاوضہ میں یہ پیرایہ شکر میرا ادب کا استعمال کروں اور نہ یہ ممکن ہے کہ میرا ہر موئے تن زبان ہو جانے کے بعد بھی ادائی شکر یہ سے سبکدوشی حاصل کر سکوں۔

یہ کتنی بڑی بات ہے کہ جس ستائش کا میں مستحق نہ تھا۔ آپ نے پبلک میں اوس کی شہرت دیدی اور مجھ عجیب زکی کلاہ افتخار کو عروج افلاک پر پہونچا دیا۔ اس موقع پر میں کہہ سکتا ہوں کہ بیشک آپ تقاضا مضامین و سخن میں اور انہماک ملک کی قدر افزائی میں سب سے پہلا نہ آپ کا ہے۔

چونکہ یہ ریویو میری اپنی تصنیف کے متعلق ہے اس لئے میں اپنی زبان سے تو نہیں کہہ سکتا کہ جو کچھ گہرا نشانی آپ نے فرمائی ہے وہ بالکل واقفیت کا پہلو ہوئے ہے لیکن یہ کہے بغیر نہ رہوں گا کہ (اوس عام خیالی کو دور کر کے) غرض سے کہ میں صحیفہ کا خیر ارادہ مضمون نگار ہوں اور پھر یہ کہ بالکل صحیفہ ہی کا ہوں۔ اور عام طور سے دعاؤں میں جم جانے والے اوس پندار کو رفع کرنے کے خیال سے کہ اکثر غرض مند اخبار اور رسالے والے مونہ دیکھنے کی خوشامانہ بکواس کر دیتے اور خواہ مخواہ کسی مصنف یا مولف کو عام اس سے کہ وہ اس کا اہل ہو یا نہ ہو جھنڈکا چڑھا دیا کرتے ہیں) جس قدر داغ پاشی۔ عرق ریزی۔ دور اندیشی۔ ناجانب داری سے اس ریویو میں اٹنگ ہو کر آپ نے کام لیا ہے اوسکی سچی اور حقیقی واویرے دل میں ہے اور ایمان کی تو یہ ہے کہ اصلی اور فی الحقیقت حقیقی ریویو اسی کا نام جو لوگ چمکانی پر بھی منہم چیزے ہستم کا خیال پکارتے رہتے ہیں اور جو لوگ اپنے علم و لیاقت کے زعم میں غرور کی لیا کرتے ہیں اور سب سے علیحدہ میری طبیعت واقع ہوئی ہے۔ اور میں اوس شخص سے بے انتہا خوش

ہوتا ہوں جب وہ میری کسی غلطی پر جھکوا گاہ کر دیتا ہو۔ اور اگر واقفیت کے ساتھ کوئی میرا مقصد ہوتا ہو تو میں جواب میں اپنی منویت اور شکور کی کی سوغات پیش کرتا ہوں اور ہونا بھی ہی چاہیئے کیونکہ اس کے پیٹ سے تو ہم معلومات کا ذخیرہ لیکر نہیں آئے پھر یہ کیا ضرور ہو کہ سب کچھ ہمیں کو معلوم ہو اور دوسرے کو نہ ہو۔ اور اگر کسی دوسرے نے محض خیال ہمدردی و یگانگت کوئی ایسی بات بتائی جس سے ہمارے کلام یا مضمون کا نقص فی الواقع دور ہوتا ہو اور قبائح محاسن سے بدل جاتے ہوں تو ہماری شرافت اور ہمارے اخلاق کا فریضہ ہو کہ ہم تشکر و اعتناء کے ساتھ اس کو قبول کریں اگر ہم ایسا نہیں کرتے ہیں اور جملہ کتب کے شکایہ میں ای قید اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ تو یہ ہماری کم عقلی۔ کوتاہ بینی بلکہ میں بلا خوف تردید کہوں گا کہ ہمارا خلقی نقص ہے۔

جب کہ ہم نے ابتدا میں کسی معلم کے اگے زانوئے ادب کیا ہو جبکہ ہم نے تقلید کی ٹیڑیاں۔ رضا و رغبت پہتی ہیں اور جب کہ ہم کو شوق ہو کہ شائستہ اور علم دوست دنیا میں ہمارا نام تحسین و تافہین کے ساتھ لیا جائے اور جبکہ اپنی کلامت اور کم مانگی کا خود ہم کو احساس ہوتا ہو تو ہم کو نہ کسی سے کچھ استدلال کی شرم کرنی چاہئے اور نہ کسی عمدہ مشورہ دینے والے سے بخیال انانیت و خود پسندی مکرثی پیدا کرنی چاہئے۔ کیونکہ ایسے اخلاق اور ایسی عادتیں معلومات کے دائرہ کو ہرگز وسیع نہیں کر سکتیں اور نہ ہمارا کوئی مضمون کوئی کلام شائستگی کا اعلیٰ زمینہ اختیار کر سکتا ہو میں ایسے کوتاہ خیال والوں کو نا عاقبت نڈیش کہنے سے باز نہ رہوں گا اسلئے میری کتاب میں متعلق الفاظ اور مشکل پر ایہ بیان کے متعلق آپ کی بے لوث صلاح کاری اور یگانگت کے سبقت آموزی کا بدل شکور ہوں لیکن ساتھ ہی ساتھ مجھکو یہ بھی کہنے کی اجازت دیجو کہ جو امتیاز معلم اور معلم میں فی الواقع ہو وہی امتیاز میری ناول کی عبارت اور اس کے پڑھنے والے میں ہو کیونکہ میرے ناول کا موضوع تعلیم پر افراسانی ہو قصہ گوئی نہیں ہے۔ جب فن کی تعلیم ہمارا مرکز و مقصد اصلی ہو تو جب تک تا کرکہ اصطلاحات کے مرکز پر

کا تسلسل نہ ہو گا مثلاً اصلی بالکلہ فوت ہو جائیگا اور اگر روزمرہ عام فہم بول چال کا لباس اصلی بیان کو پہناؤں تو اپنے دعوے پر گزرنا ہم نہ رہ سکوں گا۔

یہ میں خود بھی جانتا ہوں کہ ناول کی زبان بیشک لفظوں و شواہد گزاری کی تمہیں نہیں ہو اور اس خیال سے تعلیم فن سرگزشتی کے دعوے میں ناول کی پیرا کا ادون و جہ مجموعہ راہیں اختیار کیا ہو کہ قانون سچی جہان وانی طبیعتیں اور کئے شکستہ صحنوں کی طرف توجہ دینا بھی اہم نہ ہوگی اور تعلیم کی آسانی میں تجربہ اور حکم و خیال کا رہ ہو جائیگا کہ میں ہم آگے فرماؤں کہ مطابق اگر ناساتھ دیو تو آئندہ حتی سلاست بیانی کی کوشش کروں گا انشاء اللہ۔

میری کتاب کے بعض کھٹک جانے والے اٹھانا کی بنیاد پر روز زبان میں غیر فصیح تصور شدہ الفاظ کی جو بے لطف بحث آپ نے ریویو میں بھیڑی ہی میں بے صبری کے ساتھ اس کے نتیجے کا متنی اور الجوالہ غم، عیان زبان کے فیض کا منتظر ہوں کیونکہ تعلیمی حیثیت سے میرا میاؤں میں بڑھتا ہو کہ اس میدان میں قدم رکھوں۔

سلسلہ سرگزشتی کے دوسرے حصوں کی تصنیف کی جو ترغیب کیا تھا آپ نے مجھے دی جو اور ضروری کی نسبت شاید تصنیف کی خدمت میں جو پڑ و رہ فرمائیں آپ نے فرمائی ہیں اس کی قدر کرتا ہوں لیکن حضرت کی رو تو کیا کروں بقول آپ کے ملک کی آپ نے ہوا ایسے یا اس جیسے ضایع کچھ نہ بھلے کیلئے بالکل موافق نہیں ہو اور ان کا یہ حال ہو کہ پورے سو سنہ بھی خچ نہیں ہو۔ مجھ کو زیادہ اہم تصنیفیں علم و فن سے تھی کہ ان کی قدر شناسی اور تصنیف اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن کی نوبت آئیگی اور میں ملوانے کا کافی ذخیرہ اور فن آنوری کے پورے سالانہ ساتھ تیار تھا کہ یکے بعد دیگرے کتابوں کی اشاعت ہوتی آئیگی اور دل نبی کے ساتھ فن آنوری ہم خراہم ثواب کا مزہ دیکھائیگی لیکن میں مجبور ہو کہ شاید دلوں میں حصول فن کی آرزو اور بھراؤ گھوٹنے کا کافی کی روشنی نہیں پکڑا کہ اس اور بھی میری بہت جواب ہو کہ بے تو جی بے ذوقی اور ناقہ روانی کے مکتوبوں کی زد میری دل میں پیچائیگی اور ملکی جیون کی حیثیت سے ملک کی خدمت کے کرکٹے کا الزام ہے سبب بھی مجھ پر عاید ہو جائیگا کہ کہ عام تعلیمیت کو اشاعت صحیفہ نیاز جو اس لمحہ پسند ہستی ہو کہ عاشق سرخ کے عاشق پیدا ہوئی جائیگی اور ضروری کی پڑ و رہ فرمائیں رنگ لائے بغیر نہ رہیگی اور صاحبانِ وقت میرا حوصلہ بڑھانے اور ایک ناچیز اشاعت میں میرا ہاتھ بٹانے میں نہ فرمائیں گے۔ آپ کا خیر اندیش باز ترخ آ رہے ہیں

کے سرکاری تذکرہ سے لکھا گیا تھا اب سر جارج بریڈ وڈ کی کتاب ہندوستانی آرٹس کرافٹس سے دو قالیوں کے حالات ذیل ظاہر ہوئے ہیں۔

”پریس آف ویلز (اڈورڈ ہفتم) کے ہندوستانی نوادرات میں ایک وزنگل کا بھی قالیہ ہے مگر یہ قدیم زمانہ کا بنا ہوا نہیں ہے اس کے رنگ بہت گہرے ہیں۔

پریس کی نمائش ۱۸۷۱ء میں مشروری رائسن نے بہت سی ہندوستانی قالیوں کے ساتھ ایک وزنگل کا قالیہ پیش کیا تھا جو سو سو عیسوی صدی کے اواخر یا سترہویں صدی عیسوی کے اوائل کا بنا ہوا تھا۔ اور وہ صنعت بافندگی کے عجائبات میں سے تھا اس کے ہر ایک مربع پانچ میں ۱۰۰ گز میں دی گئی تھیں اور کل قالیہ میں ۳۵ لاکھ گز میں تھیں۔ اور اس طرح پیچ پیچ بنایا گیا تھا کہ ہر گز پر سوئی کا بدلنا لازمی تھا جب ان گزوں کا حساب کیا جاتا تو نو ظاہر ہوتا ہے کہ سات سال سے کم عرصہ میں یہ قالیہ تیار نہ ہوا ہوگا بلکہ دس سال کی مدت صرف ہونی بھی ممکن ہے اس پر جو نقشے آمارے گئے ہیں وہ بھی عمدہ ہیں لیکن رنگوں میں گوہر ہند کی کے ساتھ تناسب کا خیال رکھا گیا ہے زیادہ خوشنما نہیں ہے کہ بتایا ہے کہ کسی ایک ترکی سلطان کی لاش حمام سے جہاں وہ مار ڈالا گیا تھا اس قالیہ پر بالائی گئی تھی اور خون کے دھبوں کی وجہ سے رنگ بگڑ گیا۔

سر جارج بریڈ وڈ جنھوں نے مصنوعات ہندوستان کی تحقیقات میں اپنی عمر کا بڑا حصہ صرف کر دیا تھا اسی کتاب میں یہ لکھتے ہیں۔

”سلاہیہ کی نمائش گاہ اعظم لنڈن میں پہلے پہل انگلش پبلک ایڈمن گورنمنٹ کی مہربانی سے ہندوستانی قالیوں سے روشناس ہوئی۔ افسوس ہے کہ اس کے بعد ہی سے قالیہ بانی کی ہر ایک ترکیب اور ہر ایک ہنر میں عظیم انحطاط ہونے لگا ہے اسکی ایک وجہ تو یہ ہے کہ انگلش تاجران رزان قالیہ جو عجلت میں تیار کئے جاتے ہیں خریدنے لگے ہیں مگر سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ گورنمنٹ کے ہندوستانی محاسب تباہ کن معتاد و عیسی بافندوں کے ساتھ کرنے لگے ہیں۔

حیدر آبادی قالیہ بھی نمائش گاہ ۱۸۷۱ء کے بعد سے محاسب کے اثر سے متاثر ہوئے

ہیں اور ماسی وجہ سے یہ امر حیرت انگیز نہیں ہو کہ وزنگل کے (جو کسی زمانہ میں قدیم ہندو محلہ کا)
کی راجہ رحمانی تھا اور اس کے بعد لنگانہ کے راجاوں کا مستقر تھا) شانانہ قالین محاسب
میں ٹھکوں کے نمائے ہوئے قالینوں کے جگہ معدوم ہو جائیں۔

گورنمنٹ آف انڈیا جس نے کثیر رقم سوتہ کننگٹن اسکول آف آرٹس میں ہندوستانی
مصنوعات داخل کرنے کے لئے صرف کی ہی باسانی ایک سالانہ رقم عرصہ ترین مصنوعات
ہند کو دہلی کے مقامی صناعات کو خریدنے کے لئے معین کر سکتی ہے۔ اور وہ چیز جیسی
روس اور شرفاکو جیسی اعزاز عطا کرنا منظور ہو بہ طور تحفہ دے جاسکتے ہیں اور اس طرح صرف
چند ہزار پونڈ کے سالانہ مصارف بہت بڑا عمدہ اثر اور ن حرفتوں پر ڈال سکتے ہیں۔
جو ہندوستان میں شکلا بعد نسل چلے آ رہی ہیں اور اب مٹ رہی ہیں۔“

سر جارج بریڈ وڈ نے یہ خیالات اب سے تیس سال پیشتر اس وقت ظاہر کئے ہیں
جب سرکار عالی کے محاسب میں قالین بانی کے کارخانے جاری نہ تھے اور ریاست بھر
میں کوئی سرکاری مقابلہ قالین باغوں کے ساتھ نہیں کیا جاتا تھا آج جب کہ گلبرگ اور
وزنگل کے محبسوں میں یہ کام زور شور کے ساتھ ہوتا ہے اور اسکی کامیابی کے تذکرہ
سرکاری رپورٹوں میں ہوتے رہتے ہیں میں یہ لکھنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ سرکار عالی
کے محبسوں نے قدیم خاندانی پیشہ ور قالین باغوں پر اس قدر اثر ڈالا ہو کہ وہ اس
صنعت کو اب چھوڑ چکے ہیں۔ بیرون نایش گاہوں کو چھوڑ کر خود سرکار عالی کی نایش
باغ عام میں جہاں انعام حاصل کرنے کیلئے بیرونی صناعات کا مقابلہ کرنے کی ضرورت
نہ تھی قالین پائندہ نمائے محبس گلبرگ کے کوئی حاصل نہ کر سکا اور وہ بھی صرف درجہ دوم
کا تنگہ ایک سو فی قالین پر لے سکا۔ اگرچہ سات سال تک اور غفلت قالین بانی
کی صنعت سے کیجا نیگی اور محاسب سرکار عالی میں مقابلہ میں جاری رکھا جائیگا تو یقیناً
کل ریاست بھر میں سوائے محاسب کے اور کسی جگہ قالین باغ نہیں کے قیدی تارک
باندھے کام کرتے ہیں اور چونکہ وہ رائی کے بعد اس کام کو بطور خود بوجہ کثرت مصارف
نہیں کر سکتے اس لئے وہ کوئی خاص دستگاہ اس میں پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔

حال میں جو کارخانہ حیدرآباد میں قائم بنانی کیلئے قائم ہوا تھا اوسکے مالکوں کو بھی
کاغذوں کے نہ ملنے کی شکایت تھی مجبوراً امرتسر سے کاغذ کے طلبے گئے تھے جو چند دن
کے بعد ہر کام میں غفلت کرنے لگے اور آخر میں کارخانہ مجبوراً کھٹک گیا۔

مدارس حریت سرکار عالی کے متعلق یہ معلوم ہوا ہے کہ ہر انسٹیتیٹو عوامی حالت
کے دور وزارت میں بہت سی کاغذی تبادلات کیلئے سوچی گئیں مگر ایک بھی جاری
نہ ہو سکی۔ ہر انسٹیتیٹو سر آسمانچاہ کے زمانہ دارالہمامی میں نواب آصف یا دارالملک بہادر
نے کونسل آف اسٹیشن میں ایک یادداشت صنعتی تعلیم کی ضرورت کے متعلق پیش
کی وہ سرشتہ تعلیم میں بحال مناسب کیلئے آئی تو نواب عوامی بہادر نے جو اس وقت سر
تعلیم کا فسر علی اور کونسل آف اسٹیشن کے متعلق صنعتی تعلیم کی ضرورت تسلیم کر کے تین چھوٹے مد
کے قیام کی تجویز پیش کی جس میں مصارف فی مدرسہ (مار باہوار) رکھے گئے تھے دو
ویسہ سال تک اس امر کی بحث درپیش رہی کہ ان مدارس کے اخراجات کیلئے رستم
کیونکر مہیا کیا جائے۔ آخر میں ایک کمیٹی جس میں نواب محسن الملک مرحوم۔ نواب
اعظم یار جنگ مرحوم۔ نواب وقار الملک۔ نواب عوامی بہادر۔ مسٹر ڈی۔ اے
مسٹر لیڈن شریک تھے۔ قائم ہوئی اور اسکے تھوڑے ہی عرصہ بعد جب تجویز کمیٹی
کی قدر زیادہ مصارف و خرچہ داروں کے آباد میں مدارس حریت سو قائم ہوئے
اس کے بعد وقتاً فوقتاً جو تغیرات ہوئے ہیں ان کی تفصیل گزر چکی ہے۔
مدارس حریت کے قائم کرنے کیلئے جریاد و اشیاء نواب آصف یا دارالملک بہادر
اور نواب عوامی بہادر نے مرتب کی ہیں وہ دیکھو اور قابلِ سزا ہیں چونکہ
یہ اب تک پبلک میں شایع نہیں ہوئی ہیں اس لئے ان کا کچھ اقباس اس مقام
پر درج کیا جاتا ہے۔

نواب آصف یا دارالملک کی تحریر کا اقباس حسب ذیل ہے۔

در بانضال الہی و اقبال حضرت بندگانِ عالی بانعلیم و تربیت رعایا و برآیا
کے واسطے محفوظ ہو اور اشاعتِ علم جیسی چاہے جلدہ اور اضلاع میں جاری ہو

اور ان کا عمدہ نتیجہ سرکار و رعایا کو حاصل ہو رہا ہے۔ لیکن تعلیم علم ہی سے ترقی ملک و اصلاح حالت رعایا نہیں ہو سکتی جب تک رعایا کو صنعت و حرفت میں تعلیم نہ ملے۔ سرکار عالی نے کیا ایسی نہ ترقی صنعت و حرفت ہوگی نہ افزائی تجارت ملک ورنہ یہی افلاس و خلات صناعتوں پٹاری رہی گا۔ کس واسطے کہ ایک مدت دراز سے ملک کی صنعت و حرفت میں بہت بڑا تغیر ہو گیا ہے جس کا اسناد سرکار پر فرض ہوا و دیگر و ترجمہ معاملات لازم ہو یا اصلاح حالت رعایا ہو جائے اور پھر ملک میں صنعت و حرفت کا بازار گرم ہوا و رنگ آباد میں پہلے کس قدر صنعت و حرفت ترقی پر تھی اور تجارت کی کیا حالت تھی۔ انہیں اب وہ بات باقی نہیں رہی ہے۔ علیٰ مذاکد وال۔ باریں میٹھے۔ دیور کندہ۔ نلگتندہ۔ ونگل۔ یادگیر۔ ام چنپہ۔ ناندیڑ۔ بہنوارہ۔ دھنوارہ۔ انکو و دیگر کھسرم وغیرہ وغیرہ مقامات جہاں بڑے بڑے کارخانے جاری تھے وہاں اب تجارت و صنایع پریشان حال اور مفلوک ہیں نہ اپنی حالت کی اصلاح کر سکتے ہیں نہ اون میں کوئی طاقت باقی رہی ہو ایسی صورتوں میں بنجر سرکار کی توجہ کے ادراغ غرض اور مقصد ملی ہو رہا نہیں ہو سکتا اور آج ملک رعایا و سرکار کا نقصان بسبب کاشت کی تجارت و تعلیم بہت کچھ ہوا ہے۔ پس سرکار صناعتاں و تجارتاں ملک کے حال پر پال پراکٹنی نظر توجہ فرمائے تو تلافی بافات ممکن ہو۔ ^{اعلیٰ حضرت مظلای} تو ایسے ابواب کے اجرا کو جس میں ملک کی بھلائی ہو بل چاہتے ہیں اس واسطے مناسب ہو کہ فی الحال چند مدارس تعلیم صنعت و حرفت مقامات مناسب پر قائم کئے جائیں اور اون مدارس میں تعلیم ملک ہو کر کے اور او کی تعلیم کے واسطے لائق لائق اشخاص جو ان فنون کے ماہر ہوں مقرر کئے جائیں اور سرکار کی اوس پر پوری نگرانی رہی تو چند ہی سال میں پھر ملک میں صنعت و حرفت پہلے سے زیادہ جاری ہو جائیگی اور ترقی تجارت بھی ہوگی۔

محمد نواب عماد الملک بہادر کی یادداشت کا اقتباس حسب ذیل ہے۔

دوسرے تعلیمات سرکار عالی کی مینا و اون ہی اصول پر جاری ہو جن کی پابندی قدیم سے چلی آتی ہے۔ غور کیا جائے تو (مدارس سرکاری کی) نوعیت سب کی یکساں ہے۔

غریب امیر - عہدہ دار - ساہوکار - مزاج - اہل حرفہ - سبھی کے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھانا جانتے یا وہ علوم جن سے لکھنے پڑھنے میں مدد ملے اور دفتر یا حجرہ میں بشکیر دماغ سے کام لینے کی عادت پڑ جائے۔ خاص ہے کہ یہ طریقہ تعلیم کا فرض کر لینا ہے کہ امیر و غریب سب کو دنیا میں بازا دی یا باسائش معیشت کرنے کیلئے فقط دماغ ہی سے کام لینا پس ہے۔ املا و انشا کا فن ساری شکلوں کو حل کر سکتا ہے جبر و مقابلہ کا کوئی سوال حل کر لینا اقلیدس کی کسی شکل کا ثبوت ہو نہ چاہے کسی زبان میں بفصاحت تحریر و تقریر کرنے پر قادر ہو نا کسب معیشت کے واسطے کافی ہے کچھ شک نہیں کہ یہ صفات جن کا ذکر اوپر ہوا بجائے خود کسب کے قابل ہیں اور نہایت درجہ مفید ہیں اور بلا شک جو لوگ صاحب معاش میں یا نوکری پیشہ میں دفتروں میں کام کرتے ہیں یا سرکاری عہدوں پر مقرر ہیں ان کے واسطے اس قسم کی تحصیل کی اشد ضرورت ہے مگر شاید تمام آبادی ملک کا اگر حساب کیا جائے تو سو میں پانچ بھی ایسے نہ نکلیں گے جن کو انشا و املا سے کام لینے کی بالعموم ضرورت رہتی ہو۔ پس عامہ خلائق کا تمام تعلیمی وقت ایسے فنون کی تحصیل میں صرف کرنا اصول تعلیم کے خلاف ہے۔ عوام رعایا کو اس قسم کی تعلیم دینا چاہیے جو کسب معیشت میں ان کو مدد ہو نہ بجائے اور ان کے اذیان کو اس قدر صاف و دیدیو جس سے وہ اپنے روزمرہ کے معاملات کو جلد سمجھ سکیں اور ان تمام معاملات میں جو مشکلیں پیش آئیں ان کو اپنی فہم و فراست سے چال کر سکیں۔ غیر کے محتاج نہ رہیں جو بچے فقط حشم و دماغ سے پڑھنا اور ہاتھ سے لکھنا سیکھتے ہیں اور ان اعضا سے اور کوئی کام نہیں لیتے ان سے کیونکر امید کی جاسکتی ہے کہ وہ سن دس کو پہونچ کر اگر دست چلائیں گے یا کوئی دستکاری کا کام بہتر کر سکیں گے اور بالعکس جو اہل حرفہ فقط ہاتھ سے کام لیتے ہیں کسی قسم کی دماغی تعلیم نہیں پاتے یا کبھی اپنے صنعت و حرفت میں دماغ سے مدد لینے کی قابلیت حاصل نہیں کر سکتے حاصل تقریر یہ ہے کہ مزاجین و اہل حرفہ وغیرہ کی اولاد کو محض کتابی تعلیم نہ دینا چاہیے بلکہ ایک متہذب حصہ

اون کے تعلیمی وقت کا مصناحت اور حرفت کے سکھانے میں صرف کرنا چاہیے کتابی تعلیم اور کو فقط اس قدر اور اس غرض سے دینا چاہیے کہ وہ لکھنے پڑھنے میں دوسرے کے محتاج نہ رہیں اور اپنی صنعت و حرفت میں دوسرے کے محتاج نہ رہیں اور اپنی صنعت یا حرفت میں عقل و فہم سے کام لے سکیں۔ اور اوس میں انضواء و ایجا کرنے پر توافد ہوں۔

نہنکندہ۔ اورنگ آباد۔ حیدرآباد میں تین برسے حرفت کے لکھوے جائیں جنس ذیل کی یا اون میں بعض ابواب کی تعلیم دی جائے۔

نجماری۔ آہنگری۔ رنگساز۔ چرم سازی۔ برنجی کام۔ یاغبانی۔ یہ امر (مدارس حرفت) صیغہ تعلیمات کے ضروری کاموں میں سے ہے اور فقط لکھنا پڑھنا سکھانے سے کوئی زیادہ فائدہ ملک کو نہیں پہنچ سکتا بلکہ بعض نقصانات کا بھی احتمال ہے۔ یہ کام تبدیل کر کے دینے کے۔ دو تین مدارس کھولے جائیں اور اون میں ملک کی ضرورت کا تجربہ اور خرچ کا اندازہ حاصل کر لینے کے بعد تعداد مدارس حرفت کی زیادہ کھولے تو مناسب ہو گا۔

آئریل نواب عہد الملک بہادر کی اس یادداشت کے ساتھ یہ لکھنا غلط واقعہ ہے محل نہ ہو گا کہ نواب صاحب کے عمل اور قول میں بعض وقت استقامت اختلاف نظر آتا ہے کہ اوس میں تطبیق نہیں دی جاسکتی آپ اوان مضامین اور ملکچروں میں جو علی گڑھ کالج و کانفرنس کے متعلق ہوتی ہیں نہایت زور کے ساتھ یہ ظاہر کرتے رہے ہیں کہ ہندوستانی یونیورسٹیاں ہماری ضرورت کے مطابق تعلیم نہیں دیا کرتی ہیں اور جب تک محمدان یونیورسٹی نہ قائم ہوگی اور مسلمان یونیورسٹی کی غلامی سے آزاد نہ ہونگے ترقی نہیں کر سکتے۔ مگر آپ اپنی تمام زمانہ کارفرمائی سررشتہ تعلیمات حیدرآباد میں ہمیشہ اسی امر پر زور دیتے رہے کہ ریاست سرکار عالی تعلیمی تعلق کے سماع سے برائش انڈیا کی یونیورسٹیوں کے تابع رہے۔ اسی طرح مدارس حرفت کے قیام کے لئے

جہاں اونھوں نے اس قدر زبردست و پیرزور یادداشت پیش کی وہاں ادن کی علی گوشیشیں جہاں تک مجھ کو علم ہے نہ منزلہ صفر کے ہیں دونوں مدارس قائم ہو جانے کے بعد پھر اونھوں نے ادن میں نہ تو کوئی اصلاح کی نہ ترقی کیلئے کوشش۔ ایک زمانہ دراز کے بعد مدرسہ اوزنگ آباد میں کسی قدماستاد بڑھیا گیا مگر وہ صرف ڈاکٹر سید سراج الحسن صاحب کی مسلسل اور انھیں کوششوں اور تحریکوں کا نتیجہ ہے۔ سررشتہ تعلیمات حیدرآباد کے پیشہ حالت کی ذمہ داری بہت کچھ انریبل نواب صاحب ہی پر عاید ہوتی ہے اور اسی کا اثر ہر ایک تمدنی و اقتصادی حیثیت پر پڑا ہے۔

اب دوسرے باب یعنی تذکرہ مصنوعات کو ختم کیا جاتا ہے جو یہ قابل دوسرے بابوں کے نہایت طویل ہو گیا ہے لیکن یہ لحاظ اوس روز افزوں تنزل کے جو مصنوعات کو متاثر کر رہے ضرورت تھی کہ اس باب کو طوالت دی جائے تاکہ جہاں ملک کو یہ محسوس ہو کہ ادن پر کیا ہی ذمہ داریاں آج مصنوعات کیلئے عاید ہو رہی ہیں۔

اگرچہ جہاں تک ممکن تھا ہر قسم کے اعداد و معلومات و اوقات درج کتاب کئے گئے ہیں اور یہ کوشش کی گئی ہے کہ اب تک جس قدر روشنی مصنوعات کے متعلق مختلف کتابوں میں ڈالی گئی اوس سے زیادہ تفصیل اس کتاب سے معلوم ہو سکے تاہم میں خود یہ اعتراف کرتا ہوں کہ بہت سی سہو کا تذکرہ فروگزاشت ہو گیا مثلاً کاریگروں کے نام اور کمی مالی حالت مصنوعات کی قیمتیں۔ ادن کا رتبہ بمقابلہ مصنوعات دیگر بلاد ہند اون کے نقص و مقدا فروخت گذشتہ و موجودہ زمانہ میں تبدیلیہ ترقی و اصلاح اور مصنوعات کے فروغ اور ان سب کو میں اپنی کتاب میں اس لئے درج نہ کر سکا کہ اوس کے لئے اصلاح اور ہندوستان کے صنعتی مرکزوں میں جانے مصنوعات کو بہ چشم خود تیار ہوتے ہوئے دیکھنے سرکاری دفاتر میں پھر کر مواد جمع

کرنے۔ واقف کا حضرات سے خط و کتابت کرتے ریفرنس کی کتابوں کو خریدتے اور کثیر رقم کی ضرورت ہو جس کا سر انجام مجھ سے بحالت موجودہ ناممکن ہے تاہم اگر ملک میں یہ تصنیف پسند ہو جائیگی اور سرکار عالی سے تحویلی بھی مدد مل جائیگی تو میں مکمل تحقیقات کے بعد اس کتاب کا دوسرا تصویر حصہ بہت جلد شائع کر سکوں گا۔

بَابِ سُوْم

(*)

تجارت

(*)

فصل اول دکن کی تجارت ہندوؤں کے زمانہ میں جس ملک میں آبادی کثرت سے ہو پیداوار باخراط ہوتی ہو صنعت و حرفت بھی موجود ہو وہاں تجارت کا وجود بھی لازمی ہے اور اسی وجہ سے دکن جیسے آباد و زرخیز ملک کے تجارتی تعلقات بیرونی دنیا کے ساتھ نہایت قدیم زمانہ سے چلے آ رہے ہیں۔ دکن کے قدیم تجارتی حالات ”پیری پلس“ کی کتاب سے ظاہر ہوئے ہیں جو تیسری عیسوی صدی کے وسط میں تالیف ہوئی ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیح سے ڈھائی سو سال پیشتر دکن مالک خیر کے ساتھ تجارت کرتا تھا۔ اسی زمانہ میں میسومی فرمانروائے مصر نے اپنا ایک سفیر جنوبی ہند میں روانہ کیا تھا اسکے بعد ہی سے مصری اور بعد ازاں یونانی تاجروں کی توجہ کو دکن کی زرخیزی نے اپنی جانب مبذول کر لیا۔

اوس وقت کے مشہور اور مرکز تجارت شہروں کے نام جو دکن میں واقع تھے قدیم کتابوں میں پالتیانہ اور نگراتا کے لئے ہیں۔ لکھا ہوا ہے کہ بروج سی جانب

جنوب میں میں کی مسافت پر پالٹیا نہ اور وہاں سے جانب شرق دس دن کی مسافت پر تگرا واقع تھے۔ ان شہروں کے ناموں کی تحقیق یورپین مصنفین نے کی ہے اور آخرش یہ قرار دیا کہ پالٹیا نہ پٹن کا نام ہے جو اب ضلع اورنگ آباد میں اسی نام کے تعلقہ کا مندر ہے اور تگرا بیڑنا ندی کے کنارے کے شہروں میں سے کسی ایک کے قریب تھا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ پہلے تگرا پھر پٹن اور اس کے بعد دیو گڑھ (دولت آباد) دکن کی راجدھانی بننے لگے اور اسی کی بدولت تاجروں کے مرجع و ماوی ہو گئے۔

پہلی عیسوی صدی میں سستا کرنی خاندان کے راجہ سالیواہن کی حکومت دکن میں بہت وسیع رقبہ پر ہوتی تھی۔ کوکن کا بندر اس کے ہی قبضہ میں تھا۔ اس کا پایتخت پٹن تھا اس زمانہ میں پٹن دکن کا سب سے بڑا تجارت گاہ اور خوب رونق پر تھا اس کی تجارت نہ صرف ہندوستان کے دیگر حصص کے ساتھ جاری تھی بلکہ براہ خلیج فارس۔ بحیرہ قلم۔ خلیج بنگال مالک غیر کے ساتھ بھی وسیع پیمانہ پر ہوتی تھی۔ اس وقت کے بیرونی تاجروں میں براحصہ یونانیوں اور مصریوں کا تھا۔ ان کے علاوہ عرب ایران چین۔ دیگر ممالک مغرب سے بھی اچھی تجارت ہوتی تھی۔ اس وقت کے بڑے بڑے اشیائے درآمد و برآمد کی تفصیل یہ ہے۔

درآمد اہل عرب کی بنی ہوئی شراب۔ عطر۔ تانبا۔ پتل۔ سن۔ سیسہ۔ مرجا۔ پارچے۔ نفروہی طلائی سکے۔ نفروہی ظروف۔ بلوری سامان۔ خوبصورت کینز۔ میرا آمد۔ تیل شکر۔ شیشم۔ چاول۔ اورک۔ نیل۔ لاکھ۔ ریشم۔ ریشمی پارچے۔ سوئی پارچے۔ سونا۔ ہیرا۔ زمرہ اور دوسرے قیمتی پتھر اور ندری اشیاء جب تک شاہ کزلی راجاؤں کی حکومت دکن میں رہی اور کوکن کا بندر اس کے قبضہ میں تھا خلیج فارس اور بحیرہ قلم کی تجارت بھی بڑھ کر رہی مگر کوکن کا بندر ان کے ماتے سے مکمل جلتے پر بحری تجارت میں بہت کم نقصان آگیا۔ جبرائیل کوکن پر حکمران تھا اس نے بحری تجارت خصوصاً یونانیوں اور مصریوں کی تجارت سنس کو

سخت نقصان پہونچایا اور کسے جہازوں کو گرفتار کر لیا آخر شصت سی صدی میں مصر یونان کی تجارت بالکل بند ہو گئی اسی کے ساتھ ہی مغربی ہند کے سواحل کے ذریعہ ایران کے ساتھ تجارت ترقی پائی پھر عرب اور افریقہ کے ساتھ تجارت بڑھنے لگی ساتویں عیسوی صدی میں دولت آباد (دیوگرہ) تجارتی رونق پیدا کرنے لگا اور نویں صدی میں وہی راجدھانی ہو گیا اور سترھویں عیسوی صدی تک دکن کا سب سے بڑا تجارتی بازار وہی رہا اسکے متول و تملن کے چرے دور دور تک مشہور ہو گئے جب مسلمانوں کے حملے دکن پر ہوئے مگے توہند راجاؤں کو گھوڑوں کی سخت ضرورت پڑنے لگی اور بھاد کوکن دس دس ہزار گھوڑے عرب و ایران سے آنے لگے۔

ابتداء میں دکن کا تجارتی مال نکارا اور چین میں جمع کیا جاتا تھا اور پھر یہاں سے براہ اجٹا کوکن آتا اور جانا تھا جہاں سے خلیج فارس اور بحرہ قزقم کے ذریعہ مصر عرب ایران سے تجارت ہوتی تھی نیز بروج خاندیس سورت برہان پور پر سے شمالی ہند کو جانا آتا تھا اور دھرم دگل چھلی بندر اور دہلی سے کرناٹک ملنگانہ مالکن پور پ تک تجارت ہوتی تھی۔

دولت آباد کے رونق پانے سے پیشتر اجٹا گھاٹ دکن اور ہندوستان کے ریل و سیالک بہت بڑا مرکز تھا وہاں کے عظیم الشان خانہ نمایاں شہادت اجٹا گھاٹ کی رونق و آبادی کی ہیں۔ چھٹی صدی سے اجٹا گھاٹ کی رونق کو زوال شروع ہو گیا اور اس کے عوض ایلورہ کے گھاٹ ترقی کرنے لگے اور ہندوستان و دکن کا بڑا راستہ ادھر سے قائم ہو گیا اور جب دولت آباد آباد ہو کر رونق پلایا تو صدیوں تک یہی راستہ گذر گاہ خاص و عام رہا مسلمانوں کے زمانہ میں بھی ادھر ہی سے آمد و رفت ہوتی تھی مگر انگریزی حکومت کی بدولت بتدریج دوسرے راستے بننے لگے اور آخر شریلوے لائن نے گذشتہ زمانہ کے راستوں کو بالکل معمولی حیثیت میں لا پھوڑا۔

فصل دوم

(ۛ)

اسلامی دور میں دکن کی تجارت

(ۛ)

اسلامی فاتحوں کے قدم دکن میں آنے کی بدولت دکن کی تجارت ہندوستانی مسوؤں کے ساتھ بہت کچھ ترقی پذیر ہو گئی نیز ایران افغانستان وسط ایشیائے خشکی کے راستوں سے تجارت ہونے لگی اور تمام ملک میں مسلمان تاجر پھیل گئے شالوان تعلق کی عماری جب تک رہی دولت آباد ہی دکن کا دارالسلطنت تھا اس لئے اس کی تجارتی رونق بھی بدستور باقی رہی۔ محمد تغلق شاہ کے زمانہ میں ابن بطوطہ دولت آباد آیا تھا وہ لکھتا ہے وہ دولت آباد بہت بڑا شہر ہے دہلی کا مقابلہ کرتا ہے اس شہر کے ہندو سوداگری کرتے ہیں اکثر جو اہل ہرت کی سوداگری کرتے ہیں اور بہت مالدار ہیں اور ان کو شاہ (ساموکار) کہتے ہیں یہاں اہل طرب کا ایک بازار ہے جسکو طرب آباد کہتے ہیں یہ بازار بہت خوبصورت اور وسیع ہے۔ دو کانات بھی بہت ہیں ہر ایک دوکان میں ایک دروازہ گھر کی طرف کھلتا ہے اور گھر کا دروازہ دوسری طرف بھی ہوتا ہے دوکان میں بہت مکلف فرش ہوتا ہے۔“

بہمنی فرماں رواؤں کے دور میں گلبرگہ اور بعد ازاں بیدیدار الحکومت بننے کے اس لئے دولت آباد کی رونق کم ہونے لگی۔ اور گلبرگہ و بیدیدار کو وہی تجارتی منزلت حاصل ہو گئی جو پٹن و دولت آباد کو تھی۔

بہمنی فرماں رواؤں کو ترقی تجارت کا خاص طور پر خیال تھا چونکہ اون کی عماری میں گوا اور چول کے بندر گاہ بھی تھے اس لئے ایک طرف مصر عرب و مالاک یورپ کے ساتھ بحری تجارت ہونے لگی۔ دوسری جانب خشکی کے راستہ

سے ہندوستان ایران افغانستان وسط ایشیا میں مال آنے جانے لگا بحری تجارت کے لئے خاص شاہی جہاز بنائے گئے تھے جو مصنوعات دکن غلہ دیوہ لیکر ممالک غیر کو جاتے تھے اور پھر وہاں سے منتخب اشیاء لیکر لوٹتے تھے۔
 بہمنی دور میں ہی یورپین تجارت ملک میں آنے لگے۔ پٹرٹامس روس سفیر انگلستان اور دوسرے سیلحہ لکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں تجارت دکن بہت ہی عمدہ اور نہایت ہی ترقی یافتہ حالت میں تھی۔

سولہویں صدی میں بہمنی حکومت کے خاتمہ پر گوکنڈہ اور پھر جب حیدرآباد بسا تو وہ دکن کی تجارتی منڈی بنا اور براہ پھلی بندر مشرقی سواحل ہند اور مالک یورپ پیگور سیام۔ اراکان۔ چین۔ مکہ مغلہ۔ ہرمز۔ جنایہ گجاسکر سماترا میںلاں وغیرہ سے اور براہ دولت آباد دیگر ممالک ہند افغانستان ایران وسط ایشیاء سے تجارت ہوتی تھی نیز دولت آباد سے براہ سورت مالک غیر کو جہازوں کے ذریعہ مال آتا جاتا تھا۔ یورپین وارمنی تاجر بھی ملک میں کثرت سے آنے لگے تاجروں کی آسانی اور تجارت کی ترقی کیلئے تمام ملک میں شہر کیں اور کارواں سرائیں بنائیں مال تجارت سیلوں ٹھووں بندیوں کے ذریعہ پہونچایا جاتا تھا اسی تجارت کی بدولت ہمیشہ وسط ایشیا اور ایران سے چھوٹے بڑے تاجر آنے لگے جو رفتہ رفتہ دہلیار شناہی میں توسل پیدا کر لیتے اور اعلیٰ عہدوں پر مامور ہو جاتے تھے ان میں سے بعض اپنا تجارتی سلسلہ بھی جاری رکھتے تھے۔ خود مانروایان قطب شاہیہ کا سوسن اعلیٰ تاجر بھی تھا جو بہمنی دربار میں رسائی پیدا کرنے کے بعد رفتہ رفتہ گوکنڈہ کا فرمانروا ہو گیا۔ سب جگہ بھی ایران کا ایک غریب شخص تھا وہ ایک جہیزری کے پاس جو گوکنڈہ کو تجارت کے لئے آتا جاتا تھا ملازم ہو گیا اور اسی کے ساتھ دکن میں اگر تجارت کے ذریعہ مال نہ ہو گیا آخرش دکن کا وزیر اور بعد ازاں عالمگیر شاہنشاہ سپہ سالار ہو گیا۔ پرنسپل سیپہ سالار کے نسبت یہ لکھتا ہے کہ اگرچہ وہ خاندانی اہلیت تھا۔ لیکن نہایت ہی قابل اور ذی لیاقت انسان تھا جیسا سپہ سالار میں

کامل تھا ویسا ہی معاملات تجارت کو خوب سمجھتا تھا۔ اس نے اپنی دولت جو بہت تھی صرف گوگلڈنہ کی متمول سلطنت کی وزارت سے پیدا نہیں کی بلکہ اپنی وسیع تجارت کے ذریعہ سے جو اکثر ملکوں میں جاری تھی اور بیرون کی کانوں کے ٹھیکوں سے حاصل کی تھی اس کے ملے قاعدہ تھا کہ بیرون کو شمار نہ کیا جاتا تھا بلکہ بیرون سے ہمیں ہوی ہاٹ کی تحلیوں کو گنوایا جاتا تھا اسی طرح اور بھی بہت سے ایرانی امیروں کے حالات تاریخوں میں ملتے ہیں جو تاجر تھے اور تجارت کا سامان لیکر وطن سے نکلے اور وکن میں آکر امرائے سلطنت میں شامل ہو گئے ہر طرف امن و امان کا دورہ تھا اور دور دور سے تاجر بلا کھٹکے تجارت کا مل لیکر آتے جاتے تھے اسی زمانہ میں وکن کے بیرون کی ہر جگہ شہرت تھی لاکھوں مزدور و تاجر اسی کام میں مصروف تھے بیرون کے علاوہ مل اور چھینٹ کی بھی دور دور تک قدر تھی۔

سال ۱۷۱۱ء میں انگریزوں نے پہلے پہل پھلی بندہ میں تجارتی کوٹھی قائم کی اور گوگلڈنہ سے تجارت کرنے لگے ہیرے، مل چھینٹ اور دوسرے ریشمی و سوتی کپڑے اس زمانہ میں بکثرت یورپ وغیرہ کو جاتے تھے۔ انگریز کوٹھی قائم ہو جانے سے دوپٹے اور شکر و حبیدہ ہو کیونکہ ان کی بھی ایک کوٹھی و مل تھی۔ اس وقت بیچ تاجروں کو وکن اور خاکسکر ساحل کار و منڈل پر بہت رسوخ ہو گیا تھا ان کی متعدد تجارتی کوٹھیاں مختلف مقامات پر قائم تھیں۔ اور سیکڑوں بیچ شاہی ملازمت میں تھے اس رسوخ کی بدولت وہ انگریزوں کو ستانے لگے اس سے مجبوراً انگریزوں نے اپنی کوٹھی آرنہم میں لا کر ڈالی مگر وہ تجارتی اغراض کیلئے موزوں نہ تھا۔ آخر شاہ نے ان کوٹھیوں میں شاہ گوگلڈنہ سے دوسری چاہی تو اس نے ایک فرمان صادر کیا جو دوسری فرماں کے نام سے مشہور ہے اور اس کی رو سے تمام قلم و گوگلڈنہ میں آزادی تجارت کرنے کی انگریزوں کو اجازت دی گئی اور ساتھ ہی پھلی بین کے راجہ کو حکم دیا گیا کہ وہ انگریزوں کو تکلیف نہ دے اور نہ مقامی حکام کو اس کی اجازت دے اس کے ساتھ ہی انگریزوں پر لازمی کیا گیا کہ وہ ایرانی گھوڑے اور دوسری

قیمتی چیزیں جنہیں شاہ گوکلندہ پسند کرتا ہے فروخت کیلئے دکن میں لایا کریں اس کے
 چھ سال بعد ایک نیا فرمان صادر ہوا اور انگریزوں کو اپنی تجارت میں وسعت
 دینے اور مچھلی بٹن سے جانب شمال ۲۰ میل کے فاصلہ پر ایک نئی کوٹھی کھولنے
 کی اجازت ملی کہا جاتا ہے کہ ان سب امور کے بعد بھی وہ ڈچوں کی رقابت
 سے تکلیف اٹھاتے رہتے تھے آخر شش اونھوں نے مدراس میں زمینیں حاصل کیں
 اور قلعہ سنٹ جارج تیار کرایا اور وہاں بھی تجارتی کاروبار جاری کئے اس زمانہ
 میں انگریزوں ڈچوں وغیرہ کے جہازوں کے علاوہ خود شاہ گوکلندہ کے جہاز
 بھی سمندروں میں چلتے تھے جو مچھلی بندر سے سوال ہندو ایران تک چھینٹ اور
 ملل کو فروخت کرنے جاتے تھے جہاز رانی دریاہ نمائی کے لئے ہر جہاز پر چار پانچ
 علی ملازم رہتے تھے اور ان کے علاوہ سب ملازم ہندوستانی و دکنی ہوتے تھے
 مال تجارت کے علاوہ تاجر و مسافر بھی اوس میں سفر کرتے تھے اپنے ملک کا مال
 فروخت کرنے کے بعد وہ دوسرے ملکوں کا سامان لاتے تھے۔

۱۶۶۷ء سے ۱۶۷۲ء تک ٹیورنر فرانسیسی تاجر نے ہندو کی تجارت کے
 لئے دکن کا سفر کیا یہ وہ زمانہ تھا جب مغلیہ سلطنت کے حملے دکن پر شروع ہو چکے
 تھے دولت آباد اور اوس کے ساتھ بہت سارے ملک مغلیہ سلطنت میں شامل اور
 اوزنگ آباد صدر مقام صوبہ بن چکا تھا۔ اس وقت اگرچہ دکن میں جنگ و جدل
 کا بازار گرم ہو چکا تھا تاہم تجارت پر کوئی اثر پڑا نہ تھا۔ اور مسافر ۲۷ دن میں آسانی
 و آرام سورت سے گوکلندہ پہنچتے تھے۔ ٹیورنر نے جو سفر نامہ لکھا ہے اوس میں
 دکن کے تجارتی حالات بھی کسی قدر مہرحت کے ساتھ لکھے ہیں اوس نے ایک
 ایسے قطب شاہی جہاز کا بھی ذکر کیا ہے جو فارس کو مال لیکر گیا تھا اور وہاں سے
 ایک سو ایرانی و ایرانی تاجروں کو واپس لیکر آیا تھا۔ اسی جہاز میں وہ گھوڑے
 تھے جن کو شاہ ایران نے شاہ گوکلندہ کو بہ طور تحفہ روانہ کیا تھا۔ ٹیورنر اس جہاز پر
 ہموار ہو کر کیپ کامرن سے مچھلی بٹن کو آیا اوس نے اپنے سفر نامہ میں یہ بھی لکھا ہے

کہ اوس زمانہ میں مسافر کو اس کی ضرورت نہ تھی کہ سفر میں توشہ باندھ کر لے چکے ہو۔
کیسا ہی چھوٹا گاؤں کیوں نہ ہو۔ چاول۔ آٹا۔ مکھن۔ دودھ۔ دال۔ ترکاریاں
شکر۔ مٹھا ساں خشک و تر سب کثرت سے ہر جگہ موجود ہوتی تھیں وہ ہیروں کی
کانٹوں پر بھی گیا تھا اور اپنی کتاب میں نہایت تفصیل کے ساتھ وہاں کے
واقعات لکھے ہیں۔ اوس کے سفر نامہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اوس وقت
گو لکنڈہ میں ممالک غیر کے قوت شدہ تاجروں کا لاوارث مال نہایت احتیاط
خبر گیری سے رکھا جاتا تھا۔ یورپ کے ایک یورپین کے پاس اپنا مال رکھ کر کہیں جا گیا
تھا جب وہ واپس ہوا تو اوس کا انتقال ہو گیا تھا اور اسکے مکان پر قاضی اور
شاہ بندر (ناظم تجارت) کے ہروں کے نوڑے لگے ہوئے تھے۔ اور حفاظت
کیلئے کو قوال کا کپڑہ رکھا گیا تھا۔ یورپ نے جب حکام سرکاری سے اپنا مال پس
کرنے کی درخواست دی تو باضابطہ پورا ثبوت دیکر مال پر قبضہ کرنے کا حکم
ملا جب اوس نے اسکی بھرتی ملی تو بلا کم و کاست ہر چیز کو اپنی جگہ پر موجود پلایا
اس وقت اوس سے قبضہ مال کی رسید لگی اور اخراجات تجمین و کفین
متوفی و حفاظت مکان کی بابت صرف نوچہ اوس سے لئے گئے۔ یورپ نے
لکھا ہے کہ یورپ کے ممالک میں ایسا اتفاق ہوتا تو بہت سے مقامات
ایسے تھے جہاں اس آسانی سے اوس کو ہرگز ٹھکانا نہیں ہو سکتا تھا۔
یورپ نے بعد میں وہوٹو نامی ایک اور فرانسیسی تاجر نے دکن میں
۱۶۶۹ء سے ۱۶۷۹ء تک سیاحت کی اس نے بھی اپنا سفر نامہ مرتب کیا ہے
یہ وہ زمانہ تھا جب کہ قطب شاہی سلطنت چراغ سحر ہو گئی تھی ہر طرف
بد امنی پھیلی ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے تاجر مل اور مسافروں کو سخت محمول
جا بجا ادا کرنے پڑتے تھے۔ اور اسکی شکایت تھوٹو بھی کرتا ہے۔ باوجود
اس سختی کے تاجر آتے رہتے تھے چنانچہ خود تھوٹو لکھتا ہے کہ "سورت سے
اورنگ آباد کو آنے وقت راستہ میں ہمیں جا بجا قافلے ملتے تھے جن میں

کثرت سے اونٹ اور بیل ہوتے تھے۔ بعض قافلے تو آگرے سے آتے ہوئے
 بہمن دیکھے جن میں ایک ہزار بیل سے زیادہ کپڑے لادے ہوئے تھے۔
 تھوڑی سورت سے دیگر فرانسیسوں اور ۲۸ خند متکاروں ۱۲ گاڑیوں کے
 قافلہ میں اورنگ آباد آیا تھا۔ اس نے بیورنر کے برخلاف راہ میں انڈے
 اور مرغیوں کے برابر نہ ملنے کی شکایت کی ہے اورنگ آباد کے متعلق
 وہ لکھتا ہے ”شہر تجارت کی منڈی ہونے کی وجہ سے خوب آباد ہے۔
 دولت آباد تجارت کی بہت بڑی منڈی تھا مگر اب یہاں کی تجارت اورنگ آباد
 میں منتقل ہو گئی ہے کیونکہ اورنگ زیب نے بہ زمانہ صوبہ داری دکن اس
 امر کی بڑی کوشش کی کہ دولت آباد کی جگہ اورنگ آباد تجارت کی
 منڈی بن جائے اس زمانہ میں اجنبی تاجر مقامی تاجروں سے تعارف
 حاصل کر کے انرا راہ میں ٹھہرنے کا انتظام اور راستہ کے حالات دریافت
 کرتے تھے بعض مسلمان تاجر جمعہ کے دن کاروبار تجارت نہ کرتے تھے۔
 اورنگ آباد سے وہ حیدرآباد کو آبا اور شہر کے اندر ایک سرسبز فروکش
 ہوا جس میں ملبور دور دپے ایک کمرہ کا کرایہ ادا کرنا پڑتا تھا اس کو
 ہندوستانی تاجروں کے علاوہ بہت سے ایرانی یا ارمنی یا یورپین سوداگر
 فطرتاً یورپین تاجروں کے متعلق وہ حسب ذیل حالات لکھتا ہے۔
 ”یورپیوں میں ہنگالوں کی تعداد زیادہ ہے جو اپنے ملک سے
 سنگین جہازیم کی بدولت یہاں بھاگ بھاگ کر آباد ہو گئے ہیں۔ انگریز اور
 ٹیج حال ہی میں آئے ہیں اخرا لڈ کر کو یہاں بڑے فوائد ہو رہے ہیں انھوں
 نے تین سال سے یہاں ایک کوٹھی بنائی ہے۔ یہ لوگ کپڑوں کے لئے چھینٹ
 وغیرہ کپڑا خریدتے اور ہندوستان سے دوسرے مقامات پر فروخت
 کرتے ہیں چھلی پن سے یہ لوگ حیدرآباد اور مقامات میں فروخت
 کے لئے۔ مونگ۔ سیاہ مرج۔ الائیجی۔ چاندی۔ تانبہ۔ تین۔ سیسہ وغیرہ

ضمیمہ تعلیمات

(۴)

ارباب تعلیمات کی خواہش پر عرصہ سے خیال تھا کہ ایک ضمیمہ صحیفہ کے ساتھ ایسا شائع کیا جائے جس میں خاص طور پر تعلیمی مضامین پر بحث ہو کرے اور اس کے ضمن میں تعلیمات کے احکام و گشتیات اور خبریں جو عام طور پر دیہاتی مدرسوں کو یا تو سرسری سے معلوم ہی نہیں ہوتیں یا بہت دیر کے بعد معلوم ہوتی ہیں۔ درج کی جائیں۔

اس خیال کی عملیت افسران سررشتہ تعلیمات کی مدد پر موقوف تھی باوجود متواتر کوشش کے افسوس ہو کہ کوئی باضابطہ امداد اس وقت تک نہیں مل سکی۔ اسی وجہ سے اب یہ خیال تکمیل کو نہیں پہنچ سکا۔ لیکن اب ہم نے ارادہ کر لیا ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس خیال کو عمل میں لائے بغیر نہ رہیں گے۔ چنانچہ اس مہینہ کے رسالہ سے یہ ضمیمہ شائع کیا جائے گا۔ اگر خوش قسمتی سے آئندہ پہلے سررشتہ تعلیم کو باضابطہ مدد ملنے لگی تو یہ ضمیمہ ارباب تعلیم کیلئے بے حد مفید ثابت ہوگا اور مدرسین و طلاب رسالہ کی کوشش سے مستقل طور پر فائدہ اٹھانے لگیں گے۔

ادویر

گشتیات و احکام

(۵)

اعلیٰ حضرت مجدد المذاہب اسلامی نظامی علیہ السلام

گشتی نشان (۴) محکمہ قلمی و مرقعہ و پیشی خد اوندی
واقعہ سلع ذی حوجہ ۱۳۰۴ مطابق ۱۹ بہمن ۱۳۰۳

مقدمہ

انتظام تعلیمات

منجانب محمد عبدالرحیم بیگ منصرف معتد
برائے اطلاع جمیع عہدہ داران خاص

بوصول مرسلہ معزز کی گشتی انتظام امور مرقعہ خاص نشان (۴-۳) واقع ۲۲ بہمن ۱۳۰۳

بقدرہ صدر ترقیم ہو کہ آئندہ صرف خاص میں کوئی تعطیل مقررہ کا دن جمعہ واقع ہو تو دوسرا دن تعطیل ایسے جمعہ کے معاوضہ میں دینا ضرور نہیں ہو لہذا ایسے معاوضہ کی تعطیل آئندہ صرف خاص میں نہیں دیکھائیگی۔ پس حسبہ عمل کیا جائے۔ شرعہ مستحظ

عبدالرحیم بیگ۔ مقدمہ

گشتی صدر دفتر نظامت تعلیمات مالک محروسہ سرکار عالی واقع ۲۰ اسفندار سالک نشان

منجانب ڈاکٹر سید سراج الحسن ناظم تعلیمات ملک سرکار عالی { مقدمہ
خدمت صدر ہتھم صاحبان راجہ واسا وند و والعلوم صدر صاحبان { داندہ مدین افضلہ بدریمہ تعلیمات
اس سال تجویز معلوم ہوا کہ اون مدرسین میں سے جو کہ نارمل سکول سے مستفید ہونے کیلئے
مغتب و نامزد کئے جاتے ہیں۔ بیشتر انواع و اقسام کے غدر و جملہ کر کے تعلیم سے سچی پائی ہیں
اس کو ایک طرف تو تعلیمات کے محکموں کا فضول سل و رسائل میں وقت ضایع ہوتا ہو۔ دوسرے
نارمل سکول کی جماعت بندی اور تعلیم میں سرج واقع ہوتا ہو۔ لہذا مناسب معلوم ہوتا ہو
کہ آئندہ سال کیلئے ابھی سے نوٹس دیدیا جائے کہ جو مدرس تعلیمات سکول کے نامزد کیا جائیگا
اگر وہ بلا وجہ ہو جس غدر و جملہ کر کے یا رخصت طویل لیکر شرکت نارمل سکول کو بھجوا جائے۔
وہ حسب صوابدید صدر ہتھم متعلق یا تو برطرف کیا جائے یا کم سے کم اس وقت تک کی باہر
جب تک کہ وہ کسی طرح دوسرے موقع پر شرکت نارمل سکول کیا جائے اس شرح سے بلگی جو
کہ بحساب شرکت نارمل سکول ملنا چاہیے فقط شرعہ مستحظ

سید حسین صاحب۔ مدد کار تعلیمات

مراسلہ صدر دفتر نظامت تعلیمات مالک محروسہ سرکار عالی واقع ۲۰ اسفندار سالک نشان

منجانب ڈاکٹر سید سراج الحسن ناظم تعلیمات ملک سرکار عالی {
خدمت صدر ہتھم صاحب مداریں مستقر و اسات عطا دسر کار عالی۔ {
محارث ہو کہ... سے اکثر و بیشتر تجربہ ثابہ ثبوت کو ہو بھجوا کہ بعض اشخاص جو سرشتہ جات
سرکار عالی میں خدمت مدرسہ پر امور ہوتے ہیں۔ فقرہ کے چند ہی روز بعد۔ یہ غدر و
غیر حاضر ہو جاتے ہیں اور بہ ترسیل صداقت ناجہات طبی سلسلہ علالت جاری رکھ کر

طویل رخصت بیماری کو استفادہ کرتے ہیں۔ حالانکہ بغور دیکھا جائے۔ تو یہ غیر فطری
عض منہج بر تعارض ہوتی ہے۔ اور اصل مقصد غیر حاضرین کا یہ ہونا ہی کہ خدمت
مدرسی کو قوت لایمت قرار دیکر کوئی دوسرا کام دھندلا کریں۔ یا ادھر ادھر جگہ دو
کر کے سعی و سفارش کی چھتیاں بہم پہنچائیں۔ اور سرکار عالی کے دیگر سرشتوں یا ملا
انگریزی میں کوئی دوسری ملازمت حاصل کریں اور نصف یا ثلث یا ربع ماہوار کو
فائدہ اٹھاتے رہیں۔ چنانچہ دیکھا جا رہا ہے کہ مسٹر آغا بزرگ شیرازی اور مسٹر عبدالمجید
اگرچہ ندرست ہیں اور ان کی نگاہوں جاری ہے۔ اس پر بھی وہ بیماری رخصتوں سے
عرصہ دراز سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ان کا طرز عمل نہ صرف نقصان سرکار کا قوت
اور تعلیم طلبہ کا مانع و مزاحم بلکہ بدین وجہ کہ بجائے ان کے الکی جزا ہوا پر ہر وقت
ایک لائق و موزوں مدرس کے نہ ملنے سے یہ مسئلہ کا انتظام حسبِ خواہ تاہم نہیں ہو سکتا کہ
مدرس کے سالانہ نتائج یہ ایسا اثر برٹا ہے کہ جسکی تلافی میں قبیل محال ہے۔ چونکہ
بنظر اغراض ترقی تعلیم اس رخصت مذموم کا استبداد ضروریات سے ہے۔ لہذا اگر
آپ صاحبان رخصت بیماری عطا کرنے سے قبل اس کا اطمینان کر لیا کریں کہ جو لوگ
کہ حال میں سرکاری ملازمت میں داخل ہوئے ہیں وہ سرکار کے ترجمم
ورعایت سے غیر واجبی فائدہ تو نہیں اٹھاتے ہیں۔ اور اگر وہ واقعی بیمار ہیں تو
ان کو سرکاری ڈاکٹروں سے رجوع ہونا چاہیے۔

تیسرے بند میں نام صاحب طبابت سرکار عالی مدرس و نگارش ہے کہ براہِ ہر ہفتہ
آپ کے محکمہ سے ایسا انتظام ہونا چاہیے کہ ملازمین سرشتہ ہذا کو بلا وجہ موجب بعض
رعایت سے بیماری کی طویل رخصت کے سائٹیفکٹ عطا نہ کیا جائے یا کوئی ایسا نوٹ
مقرر فرمایا جائے جو مدرسین کا طبی امتحان لینے کے بعد انکی بیماری رخصت کی سفارش کریں
ثلث اطلاع خدمت مقید صاحب سرکار عالی علاوہ عدالت و کو توالی و امور
سرکار عالی مدرس ہے فقط شمر حد ستخط

سید الطاف حسین صاحب۔ پرنسپل مددگار تعلیم

اعلان دفتر نظامت تعلیمات سرکار عالی -
چونکہ مدرسہ ارا العلوم میں جدید نصاب کے موافق تعلیم جاری ہو چکی ہے اس لئے گذشتہ امتحان میں ناکامیاب شدہ طلبہ کی رعایت سے جنہوں نے قدیم نصاب میں امتحان لیا تھا اسے مشرقیہ کا ایک اور آخری امتحان نصاب قدیم میں باقیاء ضوابط موجودہ ماہ تیرہ سنہ ۱۲۸۵ کے پہلے شعبہ سے لیا جائیگا۔ شرکت کی درخواستیں آخر ماہ فروردی سنہ ۱۲۸۵ تک جملہ شریک ہونے والوں سے لی جائیگی۔ اس امتحان میں وہی امیدوار شریک ہو سکیں گے جو گذشتہ امتحان السنہ مشرقیہ میں ناکام رہے ہوں یا از سر نو پانچوں طور پر شریک ہو جائیں گے وہ طلبہ شریک کئے جائیں گے جو گذشتہ امتحان ہی میں کامیاب ہو کر اس سے بڑے درجہ میں امتحان دینا چاہتے ہو فقط شرح دستخط

سید الطاف حسین صاحب پرنس مددگار تعلیمات

نتیجہ امتحانات السنہ مشرقیہ ملک سرکار عالی بابۃ ۱۹۱۰ء

نمبر چشمہ	نام امیدوار	نام امتحان	نمبر چشمہ	نام امیدوار	نام امتحان
	مدرسہ ارا العلوم شریک				
۶	کامیاب ۲	فاضل	۱۳	ابوالعلا سید احمد حسینی	مولوی عالم
۵	محمد سعادت الشخان	مولوی	۱۲	احمد عبداللہ صدیقی	ایضاً
	المعروف بہ میرزاخان		۱۴	سید عالم	"
۶	سید محمود	ایضاً		مدرسہ فخریہ شریک کامیاب	
۹	محمد بہاء الدین خان	"	۲۱	محمد رحیم الدین	"
	مدرسہ دارالعلوم شریک کامیاب		۲۳	شیخ محمد	"

۲۶	* محمد اکبر علی	سولوی عالم	مدرسہ ارا العلوم شریک کامیاب	۶۲	سید اولیاء قادری	نشی فاضل
۲۹	خواجہ عبدالغفر	ایضا	مدرسہ انصاریہ شریک کامیاب	۶۵	محمد عبدالسلام	"
۳۰	محمد عبدالسلام	سولوی	مدرسہ ارا العلوم شریک کامیاب	۶۸	میر ریاضت علی	"
۳۱	میر چراغ علی	ایضا	مدرسہ ارا العلوم شریک کامیاب	۷۰	محمد حبیب اللہ وفا	"
۳۲	محمد عبدالکیم	"	مدرسہ ارا العلوم شریک کامیاب	۷۱	سید عالم	"
۳۳	سید خدابخش	"	مدرسہ ارا العلوم شریک کامیاب	۷۲	غلام محمد خاں	"
۳۴	حیدر خاں	"	مدرسہ ارا العلوم شریک کامیاب	۸۱	حافظ محمد امام	"
۳۶	سید آغا حیدری	"	مدرسہ ارا العلوم شریک کامیاب	۸۲	محبوب خاں	"
۳۷	محمد حسام الدین	"	مدرسہ ارا العلوم شریک کامیاب	۸۵	اسد اللہ بیگ	"
۴۲	محمد غوث الدین	"	مدرسہ ارا العلوم شریک کامیاب	۸۷	شیخ محبوب	"
۴۵	محمد عبدالکبیر خاں	"	مدرسہ ارا العلوم شریک کامیاب	۸۸	سید محمد حسین	"
۴۶	محمد ریاست علی	"	مدرسہ ارا العلوم شریک کامیاب	۸۹	محمد عبدالغنی المعروف	"
۴۷	غلام محبوب	"	مدرسہ ارا العلوم شریک کامیاب	۹۱	محمد عبدالبنی	"
۴۹	اسد اللہ بیگ	سولوی	مدرسہ ارا العلوم شریک کامیاب	۹۲	خواجہ محمد وحید الدین خاں	"
۵۰	شیخ احمد	"	مدرسہ ارا العلوم شریک کامیاب	۹۳	قادر محمدی الدین فاروقی	"
۵۱	مدرسہ فوقانیہ شریک و رنگ باد	"	مدرسہ ارا العلوم شریک کامیاب	۹۵	سید محمد عبدالسلم	"
۵۶	محمد خاں پروٹ	سولوی	مدرسہ ارا العلوم شریک کامیاب	۹۷	محمد اسد اللہ	نشی عالم
۵۷	فقیر محمد	"	مدرسہ ارا العلوم شریک کامیاب	۹۹	مرزا محی الدین بیگ	"
۵۸	سید فضل الرحمان طاری	"	مدرسہ ارا العلوم شریک کامیاب	۱۰۰	محمد اسماعیل	"
			مدرسہ ارا العلوم شریک کامیاب		مرزا اسرار بیگ	"

درسه فخریه شریک کامیاب	۱۳۲	محمد امیرالدین احمد	نش
۱۰۱ محمد یعقوب صدیقی	۱۳۶	محمد ابراهیم	"
۱۰۳ سید لطیف الدین	۱۳۹	محمد حسین	"
۱۰۴ سید فرید الدین	درسه فخریه شریک کامیاب		
درسه منصبداران رکاب عالی	۱۴۲	سید عبدالسلام	نش
شریک م کامیاب	۱۵۰	سید عبدالصمد	"
۱۰۶ احمد بشیر الدین	۱۵۵	سید عبدالقدیر	"
۱۰۷ غازی الدین احمد	۱۵۷	راما سنجارو	"
۱۰۹ محمد منور علی خاں	۱۶۱	نگ راو	"
درسه اسلامیة مکتبہ شریک	۱۶۲	بر شوتم راو	"
کامیاب م	۱۶۳	مرزا احمد علی بیگ	"
۱۱۳ سید حسین	۱۶۵	محمد عبد القادر	"
۱۱۶ سید شاه صاحب	۱۶۳	میر فاروق علی	"
۱۱۷ سید محمود	۱۶۵	سید امیر علی	"
۱۱۸ سید ابراهیم	درسه بازار کھانسی شریک کامیاب		
۱۱۹ میر اکبر علی پرویت	۱۶۹	میرد لاهور علی ہاشمی	"
درسه دارالعلوم شریک کامیاب	۱۷۰	محمد عبدالرزاق	"
۱۱۲ اعظم علی بیگ	۱۸۲	محمد عباس	"
۱۲۳ ابو البرکات محمد زین الدین	۱۸۳	محمد احسن الدین نصاری	"
۱۲۵ میر نیاز علیخان	۱۸۳	سید الطاف حسن	"
۱۲۶ محمد انور الدین علی	۱۸۵	غلام محمد خاں	"
۱۲۸ مرزا قدرت علی بیگ	درسه انصاریہ شریک کامیاب		
۱۳۱ غلام محبوب	۱۸۹	محمد عطاء الرحمن	"

۳۰۰	سید شاہ رکن الدین پریوٹ	۳۱۶	محمد اکبر علی	پریوٹ	منشی
۳۰۱	محمد ابراہیم	۳۱۷	شیخ احمد	"	"
۳۰۵	سید ظہیر الدین	۳۲۰	محمد عبدالغفر	"	"
۳۰۹	سید سراج الدین	۳۲۱	شیخ ابراہیم	"	"
۳۱۲	محمد جان عالم	۳۲۶	احمد عبدالحکیم	"	"
۳۱۳	سید محمد حسین	۳۲۹	مرزا شاعر علی	"	"
۳۱۴	سید محمد عبداللہ	۳۳۰	محمد جان	"	"
۳۱۵	محمد جلال	"	"	"	"

منظوریات

— سرکار سوسنٹ آف فینس سکول سکندر آباد کے نام ہاؤس ایسی روپیہ کی امداد منظور ہوگی
— مدرسہ سنو ان اعزہ حیدر آباد و ذمام ملی کے طلباء کو انعام دینے کیلئے ڈھائی سو روپیہ منظور ہوگی
— ایجوکیشنل جنرل (ایکٹائیوی) کو پنجاب میں شائع ہوا ہے تمام لمائی سکولوں کو منظور کر دیا گیا
— سرکار سے مالک محروسہ سرکاری کیلئے بجائے امتحان حشر کے سکول ایجوکیشنل
کا جامع امتحان مقرر ہوا ہے اسکے رجحانات کی ترتیب نیز دیگر انتظامات متعلقہ کیلئے سمجھا دیا
کی منظوری صادر ہوئی ہے۔

— مولوی عبدالجبار صاحب مدرس مدرسہ اعزہ حیدر آباد کو تاریخ دکن کی تین جلدوں
کی تالیف کی بابت گزشتہ دو سالوں میں سرکار سے چھ ہزار روپیہ منظور ہوئے تھے اب
پھر صاحب موصوف کی درخواست پر بقیہ چار جلدوں کی ترتیب و تدوین کیلئے اٹھ ہزار
روپیہ کے عطا کرنے کی منظوری صادر فرمائی گئی ہے۔ علاوہ بریں تاریخ کی تدوین
میں مدد دینے کیلئے ایک محرر موابجی چھپس ہاؤس کے تقرر کی بھی منظوری صادر ہوئی ہے۔
— نظام کالج حیدر آباد میں ایک گریڈ پلانٹ کی تعمیر کیلئے چھ ہزار روپیہ منظور ہوئے ہیں۔

چار سو پچیس کی منظوری صادر ہوئی ہے۔

خبریں

عاجنابانہ صاحب تعلیمات نے سرکار میں تحریک کی جو کہ چار افسران مرتبہ تعلیمات کو نمائش الہ آباد میں سرکاری طور پر تجربہ و معلومات حاصل کرنے کیلئے روانہ کیا جائیگا۔ ابھی تک منظوری نہیں آئی۔

سنا گیا ہے کہ مسٹر امجد رکنہ بی۔ اے بہتر تعلیمات صوبہ بیک نے ۶ ماہ کی رخصت لی ہوگی جگہ مولوی عبدالحی صاحب بی۔ اے منبر حمزہ فقیر محمدی عدالت امور عامہ کا قرض عمل میں آیا ہے۔

مسٹر مل پتی کنیا میڈیا سٹر لٹی سکول ونگل کے منتقل و رقم ہماری موبے سی میڈیا سٹری لٹی سکول تقر طلب تھی ناظم صاحب تعلیمات نے کسی اور شخص کا قرض کیا تھا مگر سرکار سے خباب طلبہ علیہ صاحب بی۔ اے میڈیا سٹر زید نسی مل سکول حیدر آباد کا قرض منظور فرمایا طلباء و طلبہ اسکول کو جب معلوم ہوا کہ ان کے میڈیا سٹر یہاں سے جانے والے ہیں تو انہوں نے ایک ڈوین ٹی شکل میں جناب متہمم صاحب تعلیمات، یارین متقر لہرہ و جناب نواب نخر الملک بہادر نور تعلیمات سے درخواست کی کہ جناب طلبہ علیہ صاحب کو یہیں رکھا جائے۔ اس پر سرکار سے اپیل ڈوین ٹی کی منظوری دی گئی۔ طلبہ علیہ صاحب کو ونگل کی گنجائش سو (۱۰۰) ملیں گے۔

مولوی سید الطاف حسین صاحب ریسل وگا تعلیمات نمائش الہ آباد کی سیر واپس ریفٹ ایک ہفتہ کا عرصہ ہوا کہ مسٹر مہوشیر تعلیمات دورہ سیر واپس آئے۔

جناب ناظم صاحب تعلیمات نمائش الہ آباد کو بغرض خرید سیٹا کی صنعت و حرفت تشریف لے آئے ہیں۔

مدارس ضرر خاص میں آئندہ سے جمعہ کا معاوضہ نہ دیا جائیگا۔

سنا گیا ہے کہ جملہ کتب و رسد کے چھاپنے اور فروخت کرنے کی اجازت ایک الگیز بہادر کو عطا کی گئی ہے۔

ناظم صاحب تعلیمات نے اس سلسلہ کو صاف کر دیا ہے کہ اگر موسمی تعطیلات کے بعد رخصت اتفاقی لیجائے تو دیجا سکتی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

منبر صحیفہ جلد ملک کافر اور دکن

دوسرا حلقہ علامہ الدین خاں نے جو بندہ داروہ لکھو لائے تھا اُس کو پوری طور سے سلطنت اسلام کے دامن میں لائے والا ملک کافر ہے۔ ملک کافر کا دوسرا حلقہ شیش پری میں درگل پر ہوا اس کو نیلے رنگ کے راستے درگل پر فوج کشی کی گئی تھی لیکن اس میں ناما کامی ہوئی۔ فوج تباہ و خستہ ہو کر واپس آئی تھی۔ اب کافر دیو گڑھ (دولت آباد) کے راستے بھیجا گیا۔ تلنگانہ کا راجہ بھی اُسی ضعف و ہستی سے بہتر حالت میں نہ تھا جو مضمون کے راجہ کی تھی۔ درحقیقت راجہ اپنا اصل صدق میں انتظام کے قابل نہ رہا تھا۔ عمارانوش نہ تھی اور موجودہ زمانہ کے سیاسی لغت کے لحاظ سے ہندوستان کی اعلیٰ حکومت باغراض یہودی ہندوستان اس امر کی مستحق تھی کہ وہ اس راجہ کو دہلی کی امپیریل طاقت تسلیم کرنے پر مجبور کرے۔ بچاچہ ملک کافر کو اس مہم کے متعلق جو ہدایت دی گئی تھی اس سے ثابت ہوئے کہ یہ فوج کشی محض وحشیانہ لوٹ مار کی غرض سے نہ تھی جیسے یورپین تصانیف نے فوج کشیوں کو سبق دینا چاہا ہے بلکہ اسی اعلیٰ تمدنی غرض کیلئے جس پر کس یورپین مصنف کی مجال نہیں ہو سکتی کہ اعتراض کی انگلی اٹھائے۔ ہدایت یہ ہے "اگر دیو گڑھ (درگل کا راجہ) پیش کش گزارنے اور سالانہ خراج کا ذمہ دار ہو جائے تو ہم کی کارروائی طے شدہ سمجھی جائے درگل اور ملکت تلنگانہ کے تعلق کرنے کی ضرورت نہیں" اس کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ ملک کافر کے ساتھ خواجہ حاجی ایکہ لائن مستظلم

۱) اؤمنسٹرٹیر، بھی تعین کیا گیا تھا اور کا فور کو ہدایت تھی کہ معاملات کے بند و بست میں اس کی رائے پر کاربند ہو کرے۔ اگر محض وحشیانہ لوٹ مار مقصود ہو تو تو کتنی نظم و انصر کی کوئی ضرورت نہ تھی ایک منظم انصر کی ہر اسی اس امر کا ثبوت ہے کہ فوج کشی کے ساتھ انتظام لازم تھا۔

رام دیو کی تائید | دیو گڑھ پر رام دیو نے ملک کا فور کا استقبال کیا۔ پیش کش گزار ہمانی کے لوازم ادا کیے۔ کیمپ میں بازار بجایا۔ اور تالکید کی

کہ تمام جناس علاقائی نزع کے مطابق فروخت کریں۔ وہ روزانہ سایہ بان لعل (نام ملک کے اجلاس) میں آتا۔ اور جب دیو گڑھ سے اسلامی فوجیں آگے بڑھ کر ان مقامات میں جانے لگیں جہاں اب تک کسی مسلمان فاتح نے قدم نہ رکھا تھا تو رام دیو خود چند منزلوں تک ساتھ آیا اور اپنے علاقہ کے بہت سے سوار و پیدل لشکر کی حفاظت اور راستہ بنانے کیلئے ساتھ دئے اور اپنی قلمرو کے تمام سوداگروں۔ رعایا۔ بقالوں کے نام احکام جاری کیو کہ غلہ وغیرہ ہمیشہ اردو (کیمپ) میں پہنچاتے رہیں۔ جب تک نائب پرگنہ اندور (نظام آباد) میں پہنچا۔ جو ملنگانہ کی حد تھی تو اس نے حسابام قواعد و مصالح جنگی کشت و خون۔ گرفتاری کی اجازت دی۔ کسی نے لشکر کا مقابلہ نہ کیا۔

محاصرہ وزنگل | اور آخر کا فور وزنگل کے سامنے پہنچ گیا۔ لدر دیو نے وزنگل کے اندر وئی قلعہ میں جو پتھر کا بنا ہوا ہے اور دوسرے چھوٹے

چھوٹے راجاؤں نے بیرونی قلعہ میں جو مٹی سے بنا ہوا تھا پناہ لی۔ ملک نائب نے حسب دستور سخت محاصرہ کیا۔ تصویرین پت پڑا یاں لڑے لیکن آخر کار بیرونی

سلطان علاء الدین غلی نے ترکی سلطان سلیمان اعظم تانونی کی طرح تمام جناس کے نزع میں کیو تھے۔ اگرچہ حامیان خری ٹریڈ اپنے ملک کی سرکاری ضرورتوں کے لحاظ سے نزع کو مناسب تسلیم نہ کریں۔ لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ فی الواقع ہر ایک جگہ یہ امر نامناسب ہے۔ اصولاً اس مسئلہ پر اور کسی وقت بحث کی جا سکی۔ ۱۳

تقلید متع ہو گیا۔
صلح

اب لدروپو نے صلح منظور کر لی (۳۰۰) ہاتھی (۷ ہزار) گھوڑے بہت ساز و جواہر پیش کش کیا اور سالانہ پیش کش کا بھی وعدہ کیا۔ اس طرح یہ ہم پوری کامیابی کے ساتھ طے ہوئی اور جب ملک نائب دہلی میں آئیں گیا تو سلطان علاء الدین خلجی نے چوتراہ ناصری تک اس کا استقبال کیا۔

کافور کا تیسرا حملہ کرنا ایک ناکستہ

ملک کافور اور حاجی خلیفہ اب قضاہ دکن میں پھر کثیر جمعیت کے ساتھ دھنوں (دوار سدر میسور) اور جبرکار و نندیل پر پہنچے گئے۔ یہ سفر بھی دیوگرہ کے راستہ سے ہوا۔ اب یار و فادار رام دیو دنیا سے رخصت ہو چکا تھا۔ اور اس کا بیٹا اسکی جگہ راج کر رہا تھا جسکی وفاداری مشتبہ تھی لہذا بنظر احتیاط قصبہ جالندہ کے قریب ایک سردار تحین کہا گیا اور اسلامی فوجیں اپنی ہی راہ نمائی اور بندوبست سے آگے بڑھیں کترے علاقہ سے گذرتی ہوئیں تین ہینہ کے عرصہ میں بناوردیہا خان (سوال ہند) واقصای بلاد دکن میں جا پہنچیں بلال دیو راج کرنا ملک کو گرفتار کیا۔

صرف اسی سفر میں بیان کیا گیا ہے کہ بت خانہ توڑے گئے۔ لیکن اول تو بت معلوم نہیں ہوتا کہ بت خانوں کے توڑنے سے کیا مراد ہے بہ آیا عمارتوں کو نہند کرنا مراد ہے یا ان کے اندر وختہ کو ضبط کرنا بہ پہلی صورت غالباً واقع ہی نہیں ہوئی اس لیے کہ جو عظیم الشان قدیم تاریخی بت خانے آج بھی کرنا ملک میں موجود ہیں وہ زبان حال سے گواہی دے رہے ہیں کہ فاتحین اسلام نے ہمیں نقصان پہنچانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ رہی دوسری صورت وہ کوئی قابل تعجب نہیں ہے۔ جنجاہ انھیں مورخوں نے یہ بیان کیا ہے کہ اس وقت برہمنوں میں باہم نا افاقہ ذاتی خواہشوں کا بازار گرم ہو گیا تھا اور وہ اس حملہ کو غنیمت سمجھ کر خود ہی بت خانوں کا قدیم اندر وختہ لوٹ رہے تھے تو ایسی حالت میں فوج کا مذہب و فتنہ کے لحاظ سے

مرقع عورتوں پر اتمہ ڈالنا قابلِ اعتداف نہیں ہو سکتا جب کہ افسوس
صدی کے علم و تہذیب کے دور میں جرمنی سپہ سالار نے چین کے رصد خانہ کو برباد
کر کے دنیا کو نوحہ جرت بنا دیا۔

مسجدِ علامی | سیت بندرا مشور کے پاس پہونچ کر ایک چوٹی مسجد گج اور پھر
بنائی گئی اور اس طرح کا فور عظیم الشان تین ہیر و رام چند جی
کے نقش قدم پر جا پہونچا۔

یاد رکھنا چاہیے کہ ساحل دکن مسجدِ علامی سے پہلے فوجی سپہ سالاروں کے
ہات سے بنائی ہوئی مساجد مالک بن دینا کی پامں اذان کی آواز سن چکا تھا اور
آج بھی وہ زبان حال سے سنار ملے کہ اسلام فوجی طمطراق کے ساتھ ساحل پر پہونچ
کے پہلے ہی پامں طریقہ سے ساحل پر قدم رکھ چکا تھا اور گو وہ فوجی طمطراق بآد
فنا کے مات سے چج جائے لیکن جو پر شوکت روحانی نہ مٹنے والا اثر اس نے سان
چھوڑا ہے وہ نامور ہیر و رام چند جی کی مقنیات کے اثر کو کچھ کم نہیں ہے۔
یہاں سے کا فور (کار و منڈل) کی طرف پلٹا اور (۱۱۲) مائی۔ ۲۰ ہزار
گھوڑے۔ ۱۰ ہزار تگہ در سن موتیوں سے بھرے ہوئے صندوق مثل ہزار ستوں
میں علاء الدین کے روبرو پیش کیے گئے جو اس سو پہلے کبھی کسی بادشاہ دہلی کے
روبرو پیش کش نہیں کیے گئے تھے۔

چوتھا حملہ ۱۱۷۱ ہجری

دہلی مملوئی سازشیں جنہوں نے عربی اور غلامی سلطنتوں کا شیرازہ کھرا ہے علامی
در بار میں بھی موجود تھیں ملک نائب کا فور فاتح دکن کا روز افزوں اقتدار و پآ
میں دیکھ کر اسکی مخالف پارٹی قائم ہو گئی جس طرح علاء الدین اپنے چچا کے زمانہ
میں ملک جہاں اور ارکلی خاں کے انفلوئنس ہوڑتا تھا اسی طرح ملک نائب خضر
ولیعبد سلطنت اور اسکی ماں کے انفلوئنس سے دل ہی دل میں ڈر رہا تھا۔

اور چاہتا تھا کہ موقع پا کر و بار بار سے دوزخ ل جائے۔ چنانچہ جب دوزخ ل کے راجہ نے لکھا کہ حسب وعدہ سایہ بان اعلیٰ تیار ہو چکا ہے اس کے لینے کیلئے کوئی شخص بھیجا جا تو کا فوراً خود درخواست کر کے کہ وہ نہ صرف اس کام کو پورا کر لیتا بلکہ رام دیو کے بیٹے کو جو علانی امپائر سے منحرف ہے مہار کو کن کو علانی سلطنت کا صوبہ بنا دینا اور دوزخ ل کو جاپہنچا اور باغی راجہ کو قتل کر کے مرحدواری کے اکثر علاقہ جات کو لگا کر۔ دوزخ ل راجہ کو تارک بالکل صاف اور بعض علاقہ جات مانگنا و گزنا ملک کو شامل کر کے راجہ علانی گورنمنٹ کا ایک صوبہ بنا دیا جس کا صدر مقام دیو گڑھ تھا۔ اور دوزخ ل وہ پہلا وزیر کا فور کی ناموری میدان جنگ میں اس قدر نہیں ہے جس قدر انتظام میں ذہنیت جو انتظام کا تھا کہ اس نے جمایا وہی ابعد اسلامی سلطنتوں میں مری رہا بلکہ اب تک بھی وہ اصول قائم ہیں۔ اور اسکی وجہ یہی سمجھنی چاہیے کہ وہ کعبائیت کی خاک میں نشوونما پا کر رہ گئے اور نیز ممالک و کن کی بد نظمی کو پوری طرح دیکھ اور سمجھ چکا تھا کہ اس ابتری کی اصلاح کیلئے ایک زبردست بات اور ایک نوی نظم و نسق کی ضرورت ہے اب علانی طاقت کے زیر سایہ حاجی خلیفہ کی امداد سے جسکو اس نے پورا کر دیا۔ دوسرے ترکی و افغانی جن لوگوں سے ان لوکل حالات کے علم اور اس کے مطابق انتظام کی مشکل اس پر کی جا سکتی تھی اور یہی مقامی واقفیت ہے جس سے کافر کی کامیابی کا راز کھلتا ہے بے شبہ یہ اسلام کی ہمہ گیری تھی اور اس نے عربی علیہ السلام کی مبارک تعلیم مساوت میں نے ایک گجراتی مجہول النسب خواجہ سر کو اس قابل بنا دیا کہ وہ دکن میں اسلامی سلطنت کے زیر سایہ انتظام قائم کر سکے۔

علاء الدین اور کافر کی موت | اب وہ وقت قریب آ رہا تھا کہ قانون قدرت علاء الدین کو جلال الدین کے قتل کا بدلہ

دے۔ علاء الدین کی طرح کافر کو چتر سفید یا خیال شہر یاری اپنا متوالا بنا رہا تھا اس کی سازشی باتوں سے دھوکہ کھا کر ترکی سلطان سلیمان باہمیزار سے ایک درجہ کم جنھوں نے اولاد کو قتل کر دیا تھا علاء الدین نے اپنے بیٹوں و بیعت سلطنت

خضر خاں - شادی خاں - اور ان کی ماں کو مجبوس کر دیا - الپ خاں - جیسا نامور سپہ سالار اور اس کا بھائی نظام الدین قتل کر دیے گئے - اس بیہودگی کی بدولت بینظمی پیدا ہوئی شروع ہو گئی تھی (چنانچہ دکن میں بھی رام دیو کے داماد پر پال دیولنے اکثر تھانہ جات اٹھا دیئے) کہ ۶ - شوال ۱۱۳۰ ہجری کو ۲۱ سال کی منظم سلطنت کے بعد یہ نامور فرد عالم بد نصیبی کے ساتھ دنیا سے چل بسا اور کہا جاتا ہے کہ کافور نے اس کو زہر دے دیا کافور نے اگرچہ مہمات دکن میں ناموری حاصل کی تھی لیکن چتر سفید دکن کی طرح نہ تھا - بلکہ اس کے لئے ایک نہایت زبردست دل و دماغ کی ضرورت تھی جو اس خواجہ سرا میں مفقود تھی اور اسی کا نتیجہ تھا کہ علاء الدین (۳۵) روز کے بعد وہ محل ہراسے شاہی کی محافظ فوج کے مات سے مارا گیا اور اس کے تمام خیالات قبر میں دفن ہو گئے - اور اسی سے ان دونوں ناموروں کی دماغی طاقتوں کا فرق معلوم ہوتا ہے - اگر علاء الدین نہ ہوتا تو کافور سے دنیا خبر بھی نہ ہوتی - حقیقت میں جو کچھ کافور نے کیا اس کی وجہ یہی تھی کہ اس کے سر پر علاء الدین جیسا بیدار مغز ہو چکا تھا اور اس لئے فتوحات دکن کا اصل کریڈٹ علاء الدین ہی کو حاصل ہے - اس سے چار سی اس رائے کی بھی قوی شہادت ملتی ہے کہ دکن کو فتح کرنے میں کسی غیر معمولی جنگیزی روح کی ضرورت نہ ہوئی بلکہ خود دکن کی حالت ہی اس بات کی مقتضی تھی کہ اس میں اسلامی منظم تمدن قائم ہو -

قطب الدین کا زمانہ | قطب الدین جو اب بادشاہ ہوا ایسا غیر معمولی دل و دماغ والا بادشاہ نہ تھا جسکی ضرورت از روئے

اصول تاریخ شخصی سلطنتوں کے قیام کے لیے ضروری ہے معمولی اسباب تنزیل کام کرنے لگے - علانی قواعد اور ضوابط پر عمل باقی نہ رہا - بہر حال اس نے اپنے جلوں کے ساتھ دیوگر ٹھکانہ کا رخ کیا - کیونکہ پر پال دیو نے دکنی راجاؤں کی تائید سے پھر کچھ اپنی حکومت کا نقشہ جمایا تھا اور شاہی ملازم بابا جاسر

محال دے تھے۔ اور دیوگرہ کا (جو صوبہ وکن کا نام پر قائم تھا) خاصہ یہ کہ یکساں تھا۔ شاہی فوج کے آتے ہی باغیوں کے قابو کھڑے۔ پربال دیوگرہ تھا۔ ہوا اور اس کا پوست پھیل کر دیوگرہ کے دروازے پر لٹکا گیا۔ بے شبہ یہ ایک دشمنانہ سازش تھی جسکی ذمہ داری صرف قطب الدین کی ذات پر عاید ہونی چاہیے۔ بہر حال اب پھر صوبہ وکن اسلامی صوبہ بن گیا اور جاہاں تھا۔ یا خوجی چھاوٹیاں قائم ہو گئیں۔ اور ان کو جاگیریں عطا کی گئیں۔ اس نے دیوگرہ میں ایک مسجد بنائی اور اس نامور باب کی تقلید میں اپنے محلہ میں ہندی الاصل خسر و خان کو جتہ اور دوتہ کے ساتھ معبر (کار و مشعل) پر بھیجا اور خود دہلی واپس گیا۔ ایک واقعہ اتنی مان کا یہ بیان کیا جاتا ہے کہ فوج کی آمد تک راجہ غوثہ تماموں پر چلے گئے تھے معبر میں ایک نہایت مالدار تاجر خواجہ تقی نام لگیا تھا اس خیال سے کہ اسلامی فوج اس کو مزاحمت نہ کریگی لیکن منافق خسر نے اس کو مار ڈالا۔ بہر حال اس واقعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سواحل پر اس وقت مسلمان تاجر موجود تھے۔ جیسا کہ ہم نے اپنے سلسلہ مضمون "مسلمانوں کے سواحل ہند پر توپن میں ہندو مذہب کی کیا ہے معبر سے خسر و خان لٹکا دیا گیا اور دوتہ کے راجہ سے (۱۰۱) ملتی اور دوسرے تحفے لیکر کٹلی میں پہنچا جہاں وہ ملتی اور وہ ہم کا لباس اس کو ملات لگا۔ یہاں سے پھر وہ معبر میں واپس آیا۔ اور کسی کو مزاحمت نہ دیکھ کر چاہتا تھا کہ یہیں خود مختار بن جائے لیکن اس کے اسٹاف افسروں نے اسکی بات نہ مانی۔ جموڑا اور من کو یہ علاقہ معبر امر احمد کے سپرد کر کے وہی آیا پڑا جہاں اس نے اس بوالہوس ضعیف الراے بادشاہ کی محبت سے فائدہ اٹھا کر نہ صرف اپنے ارادہ کے مطابق افسروں کو معتب بنادیا بلکہ اسکی جان بھی گویا اس کی محبت کے معاوضہ میں لے لی لیکن اسلامی تخت زیادہ عرصہ تک ایک منافق کے مات میں نہ رہ سکتا تھا آخر کار ایک اور نیک نفس عالی دماغ ترک کی جاوڑ سپہ سالار قنلق غازی ملک غیاث الدین نے شکستہ ہجری میں اس تخت دہلی پر قدم رکھا جو

اس کی مبارکباد کے لیے تیار تھا۔

دکن تغلقی دور میں

تخت دہلی پر وہی شخص قدم رکھ سکتا تھا جو اس کی قابلیت رکھتا ہو اور جب کسی خاندان میں قابلیت مفقود ہو جاتی تھی تو دوسرے خاندان کی باری آتی تھی یہ انقلاب خاندانِ تغلق و شمس پر کوئی اثر نہیں ڈالتے تھے اور مندرجہ ذیل دور میں قائم رہتا تھا۔ اس لحاظ سے دکن بدستور تغلقی عملداری میں رہا باقی پھر محمد مرصی

غزل

گئے پہلے کتابِ عقل رکھنا طاقِ نیاسین
دلوں تو کوہ بھی چھو لیے بیٹھے میں الماسین
ذرا بڑا لکڑ تو دیکھ لو اپنے گریہ سائیں
زینچا بھیجتی ہے حضرت یوسف کو زنداں
نمک کے ساتھ تھوڑا مشک بھی کھلے نمک دیاں
کوئی کھا کر تو دیکھے کیا نہ ہو سناٹا طفلان
نہ پڑھنا بابِ خرم کاش سعدی کی گلستاں
بگولہ بنکے خاک اُڑتی ہو مینوں کی پیاں
غنائت ہو غنائت میں یہ احسان پڑھائیں
کہ ہر اک سانسِ فشر بنکے جیتی ہو گناہیں
جو دھبے تھے لہر کے بنکے جو ہر سر پہ بکائیں
بڑی تو قیر موتی ہے ترے وحشی کی زنداں
نصو سے چلے آؤ کسی دن شہم گر بائیں
غزل لکھی ہوئی تھی ورنہ پہلے ہی ہو دیں

سبت پڑھنے کو ہم عشق و محبت کے دبستان
لے کیا خاکِ راحت تیرے مینوں کو بیا بیاں
ہماری چاکِ امانی پہ کیا ہنستے ہو دیوانو
غریب وادیکھنا نیرنگیاں عشق و محبت کی
علاجِ زخم اسے چارہ گر مرہم سے کیا ہو گا
زباں سوزِ ابقہ و دیوانگی کا کہہ نہیں سکتا
نہ لگتا عبد طفلی ہی میں جیسکا عشق باریکا
پس مردن بھی تیری جستجو میں کیا ہو لیے
بلانے سو جواب اسے عبادت کو تو کیا آئے
جدائی میں نہ چھو دل کی بے چینی و میناں
خندنگ بار دل میں ڈوب کر کیا سرخ و کھلا
کھلے ملتا جوتے اور پیریاں بھی پاؤں پر تپتی ہیں
بوہو نہ نظر کشتی میں کرنی سیروریا کی
سکے احباب کی خاطر سو خندا شمار غنائی

نمائش الہ آباد

(۴)

اس عظیم الشان نمائش کے معائنہ کے لئے نیراؤن صاحب کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے جو اس قسم کے معلومات سے فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں، اترم صدیوں تصدیق سے ۳۴ محرم ۱۲۲۹ھ ۶ جنوری ۱۹۱۱ء کو شب کی ٹین میں نمائش دہانہ ہوا۔ جمعہ سے دہرانہ ابتدا ہو گئی تھی اور اس وقت پر بھی اس کے اسٹیشن پر جو فرسٹ و سکنڈ کلاس تھوڑے کلاس کا ٹکٹ بچا صاحب نمائش ان ریڈیانت ہوا اور بٹ تھا۔

علاوہ اس غرابی کے نظام نکارڈیڈ اسٹیت ریلوے پر نمائش میں جانیا والوں کو کوئی کنسیشن دے غایت بھی نہیں دیا جاتا تھا۔ سی۔ ای۔ پی۔ ریلوے پر جو رعایت تھی وہ بھی بیکار تھی۔ مگر اگرچہ بجائے (دس) کے ریڈیانت ٹکٹ (دس) میں دیا جاتا تھا مگر رعایت وہ بچا صرف چھپو۔ یوم رکھی گئی تھی نمائش دیکھنے والے کیلئے دو ایک دن سے زیادہ ٹہرنے کا موٹا نہیں مل سکتا تھا۔ الغرض تھوڑے کلاس کیلئے کوئی رعایت ہی نہیں تھی اور پھر جو بچہ پلنگ تھوڑے کلاس والے پر بھی سیر کر سکتے تھے۔

دہانہ سے فاسٹ پاسنجر ٹرین تیس گھنٹوں میں براہ نامرسی بمبیل پور۔ الہ آباد پہنچتی تھی۔ نمائش کے عمارات ۱۲۰- ایکڑ زمین پر پھیلے ہوئے ہیں۔ عمارات مسلسل تیار نہیں کئے گئے ہیں بلکہ تھوڑے تھوڑے فاصلہ سے سلسلہ تعمیر قائم کیا گیا ہے۔ نمائش جہاں نمائش کی حد ختم ہوتی ہے وہاں کے گنگا دہنا سے متصل جہاں نماظرانہ نمائش ہی پر لطف ہی۔ داخلہ نمائش کیلئے آٹھ آنے کا ٹکٹ ہو مگر چار شہنہ کے روزم کر دیا جاتا ہے۔ شہری باشندے اس روز کثرت سے آیا کرتے ہیں۔

نمائش گاہ تک جو قلعہ کے متصل ہے اسٹیشن الہ آباد سے نمائش دیکھنے کیلئے اکثر اشخاص ریل پر آیا کرتے ہیں شہت جو سترک نمائش گاہ کو جاتی ہے وہ بہت غراب

خستہ حالت میں تھی خصوصاً غیر معمولی بارش کی وجہ سے بہت زیادہ خراب ہو چکی تھی
نمائش گاہ میں داخل ہونے کے شمالی راستہ پر ایک ایسا چائے گاہ یا گلیا ہو جو داخل
ہونے والوں کی تعداد بتا دیتا ہے۔

نمائش گاہ میں ہر قسم کا سامان بکثرت آیا ہو اور مختلف طبقوں پر منقسم کیا گیا ہے
ہر شخص جو نمائش میں داخل ہوتا ہو اسی طبقہ میں زیادہ وقت صرف کرتا ہے جس کا
وہ شائق ہو پھر آٹھ گھنٹے بیٹھنے کا اہل ۹ گھنٹے صرفت کرنے کے بعد سرسری طور پر
نمائش کا سامان دیکھا گیا مختلف عمارتوں میں ہر قسم کا تجارتی و حرفتی و تفریحی سامان
جو اعلیٰ نمائش کیلئے ضروری ہو جو وہ قبل اسکے کہ سامان کی فہرست بیان کیا جائے۔
افسوس کیسا کہ کبنا پاتا جا کہ مالک محروسہ سرکار عالی کی بنی ہوئی یا بھیجی ہوئی
کوئی چیز، جگر و قلمی تصاویر کے اس نمائش میں نہیں ہے ان تصویروں میں سے
ایک اعلیٰ حضرت مظلہ العالی کی دوسری سر آسمانجاہ مرحوم کی جو خوب عمارتیں آباد
کی ہر شہرہ کے ملت کی کھینچی ہوئی طبقہ خواتین کے سامان میں رکھی ہوئی تھی نمائش
دیکھنے والوں کو صاف طور پر نظر بھی نہ آتی تھی۔

مالک محروسہ سرکار عالی سے کسی قسم کے سامان کا نمائش میں موجود نہ ہونا
بہی خدان ریاست نیز ان لوگوں کیلئے جھکی امید یہ اس ریاست کے فلاح و بہبود
وابستہ میں اگر تاویسی بخش ہے۔

مگر ریاست کے خراج سے یا دکن کے سربراہان وہ اصحاب کے صرف سے اس قسم کا
سامان نمائش میں مہیا کر بھی دیا جاتا تو دکن کی تجارت و صنعت کو کوئی مقدمہ نہایت
نہ ہو سکتا اس لئے کہ جو سامان دکن میں تیار ہوتا ہو اسکی نسبت کارگیروں سے
تعداد و کثیر میں تیار کرانے اور باضابطہ اشتہاری دنیا میں لا کر فروخت کرنے کا کوئی
انتظام نہیں ہے۔ تاوقتیکہ تجارت و سرمایہ داروں کی باضابطہ فروخت کا انتظام کریں
اور اشتہارات وغیرہ کے ذریعہ سے خریداروں کیلئے کوئی سہولت نہ ہو پھر نمائش
صرف نمائش میں شریک کر دینا زیر بار اخراجات ہونا ہے۔ مناسب ہو اگر ریاست

اس ریاست سکدوش زہی۔

نمائشی سامان میں دیسی یا ستوں گوالیار کشتیمیر بڑودہ۔ سٹ پور۔ رام پور
مالیر کوٹلا بیگانیہ۔ برت پور۔ قرولی۔ دھولپور۔ شاہ پور۔ دھار۔ اندور وغیرہ کے
کارخانوں کا بنامو سامان مختلف اقسام کا موجود تھا۔

ایک عمارت میں جو ادوہ مال سے موصوم تھی نو امان پور و سارا دودھ پور
غار تیار کیا گیا تھا ان میں مختلف قسم کے قدیم آلات حرب و پارے خطاطی تصنیف
کے عمدہ نمونے قلمی و مطلق قرآن شریف و کتب بھی موجود ہیں کچھ قوائیدیں کے نمونے
میں اور کچھ اسطرعے اختیار کیے گئے تھے ہیں اس مال کی سیریں قیام و مایاب
اشیا کا ایک بہت بڑا ذخیرہ نظر آتا ہے۔

یہ دیکھ کر نہایت تعجب ہوا کہ ریاست جو پال جو وسط ہند میں واقع ہے
وہاں سے کوئی صنعت و حرفت کا سامان نہیں آیا ہے نہ صرف ایک شہر یا ایک علاقہ
کے شکار کی یاد کا شہر۔ نیش کے گھرمیں سجایا ہوا نمائش میں رکھا ہوا تھا جسے کوئی نہ
کہ وہاں صنعت و حرفت کا وجود قریب معدوم ہے اس کا ثبوت اشیائے صنوبر
کی میوزیم دیکھنے کے بعد واضح رہاں سوائے مختلف ممالک کے سامان کے ریاست
موجودت کا کسی قسم کا قابل تذکرہ سامان نہیں دیکھا گیا۔

رازمضمون کے خیال میں کل ریاست ماس ہند کا سامان جو نمائش میں لایا گیا
خواہ وہ سافتر ریاست ہو خواہ پیداوار یا قدیم اشیاء ریاست سے ہو ممالک محدود
نہ کار عالی کو ہر طرح اوس پر سبقت حاصل ہے۔ اوس سے عمدہ سامان یہاں کے کاریگر
بناتے ہیں اور اوس سے عمدہ قدیم ذخیرہ یہاں موجود ہے۔ علاوہ اوس سامان کے
جو خاص دکن کے سوا اور کہیں تیار نہیں ہوتا دوسری قسم کا سامان بھی خواہ وہ چاندی
یا لکڑی کا ہو یا پارچہ ہو ہندوستان کے دیگر شہروں کے سامان سے بدرجہا بہتر دکن
میں تیار ہوتا اور ہو سکتا ہے۔

اس نمائش میں بہت سے بڑے بڑے کارخانہ داروں نے اپنے اپنے

کارخانوں کا سامان ہزار ہا روپیہ کے ذاتی صرفہ سے یکذب کیا ہے تاکہ لوگ اون کے کارخانوں اور سامان سے واقف ہوں۔ بن کمپنی کا گماشتہ کہتا تھا ایک لاکھ روپیہ سامان کی نمائش میں کمپنی نے خرچ کیا ہو اس پر اور کمپنیوں کو قیاس کر سکتے ہیں۔ جو سامان نمائش میں آیا ہو راقم مضمون کی دانست میں وہ تین قسم پر منقسم ہے۔ ایک ہندوستان کے بنے ہوئے قدیم اشیاء یا قدیم طرز کا سامان جو یہاں کے کاریگر طرز قدیم پر بناتے ہیں۔ اس کا فائدہ قانون قدرت نے انھیں اقوام کے حق میں لکھ دیا ہے جو عقل مند ہی سے اون میں کچھ تغیر کر دیتا اور بجائے دستی کاریگری کے دفائی کلوس کام لیتے اور سہل الوصول بنا دیتے اور گرانی کے درجے سے نکال کر افریقی کے اسٹیج پر پہنچا دیتے ہیں۔

دوسرے وہ اشیاء جو صنایع یورپ نے روزانہ نئے نئے اختراع و ایجاد کے ذریعہ جمیا کئے ہیں اور جن سے ہمارے طریقہ زراعت و صنعت و حرفت میں بہت بڑا اضافہ پیدا کر دیا ہے جسکی ہم کو سخت ضرورت ہے اس لیے راقم مضمون نے اس تجربہ میں انھیں سے زیادہ بحث کی ہے۔

تیسرے وہ اسباب و سامان ہیں جو مزاجین و اہل حرفہ کے کاروبار میں نقصان کے ذریعہ کے تباہ اور لوٹکی پیداوار میں سہولت پیدا کرنے فراہم کیا گیا۔

نباتات کی پیداوار اور ان کو موسمی نقصانات سے محفوظ رکھنے کے طریقے اور ان میں توفیق کے وسائل۔ پیداوار کی مقدار۔ نیز پانچ بانی و ریشم و لٹسر وغیرہ کے متعلق بھی مفید معلومات فراہم کئے گئے ہیں۔ اس قسم سوم کا زیادہ تر فائدہ بھی اہل ہند کو ہی پہنچ سکتا ہے۔

چونکہ دکن ایک بہت بڑا زراعتی ملک ہے بہت سے زمینات تجر اور گاؤں بے چراغ ہیں زراعت پیشہ اشخاص جاگیرداروں، مقعدہ داروں کے پاس کوئی ذریعہ ایسا نہیں ہے جس سے معلومات بہم پہنچا سکیں اور چونکہ سرکار و رعایا کا فائدہ زراعت و تجارت کی ترقی پر منحصر ہے۔ اس لیے راقم مضمون نے اپنا بیٹ

وقت بلکہ زراعت کے دیکھنے میں صرف کیا اسکی تفصیل بیان کیجاتیگی تو ایک ضخیم جلد ہو جائیگی۔ جس کے مطالعہ کا بشکل کوئی شخص قصد کرے گا۔ لہذا میں نے صرف زراعتی و حرفتی سامان کی مختصر فہرست اس مضمون کے ساتھ دیدی ہے۔ امید ہے کہ اس سے ملک کو فائدہ ہوگا سامان متذکرہ فہرست یورپ و امریکہ کے مختلف کارخانوں نیز ہندوستان کے مشہور کارخانوں کا بنا ہوا ہے اگر کسی کی

برن انڈیائی کلکتہ

ڈیو سلی انڈیائی

ٹی۔ ای۔ ٹاس انڈیائی

ایجنٹ جی۔ اے۔ شیش ٹینڈال

رچارڈسن کر دو اس

فارم زراعت کانپور

خواہش ہو تو وہ مندرجہ ذیل شخص

کپنیوں سے نیز بھی کلکتہ۔ مدراس

کے اس قسم کے کارخانوں سے خط

وکتا بہت کر سکتا ہے اور فائدہ

اٹھا سکتا ہے۔

فہرست اون اشیا اور کلوں کی جو فراہم اہل حرفہ کو مستند فائدہ پہنچا کر

کیفیت

نام

(۱) ناگر آہنی مختلف اقسام کے۔

(۲) پانی کے پمپ۔

ان ناگروں سو زمین کی بہت گہرائی ہونی
ہات سے کلوں سے ایک بل یا دو بل سے
چلنے والے پمپ جو مختلف گہرائی سے پانی
نکالتے ہیں یہ پمپ کانپور فارم میں بہت
اقسام کے مل سکتے ہیں۔

(۳) گیلوں جوار وغیرہ ولفو اوپینے کی مشین

(۴) دھان کوٹنے کی مشین۔

(۵) مکائی کے دلفے جدا کرنے کی مشین۔

اجن اور ماتھ کی چھوٹی بڑی ہر قسم کی
اجن اور ماتھ کی چھوٹی بڑی ہر قسم کی
اس قسم کی کلوں سے ایک آدمی جدا کر سکتا
ہو اسکی قیمت آٹھ روپے تھی اور دو آدمی

(۶) گیہوں صاف کر کے ٹکی مشین

مکھڑے کی مشین کی قیمت (صفحہ ۱۶) ہے
اس مشین کی مشین جو ہاتھ سے چلائی جاتی ہے
وہ کانپور فارم میں موجود ہے۔ اور جو
انجن کے ذریعہ چلائی جاتی ہے وہ بہت
بڑی اور چھوٹی ہر قسم کی۔ یورپ کی
نئی ہوئی ہے۔

(۷) تیل نکالنے کی مشین
(۸) جانوروں کیلئے کھانے کی

بیلوں اور انجن دونوں سے چل سکتی ہے
اسکی قیمت صفحہ ۱۶ ایک آدمی آسانی
سے کام کر سکتا ہے۔

(۹) کنچہ اور گھاس کاٹنے کی مشین
(۱۰) گیہوں جو اردھان وغیرہ کاٹنے کی
(۱۱) گھاس کے گٹھے دبانے کی مشین

یہ مشین دو بیلوں سے چل سکتی ہے۔
یہ بھی دو بیلوں سے چل سکتی ہے۔
اس مشین پر بھی آدمی کام کرتے ہیں اور آسانی
آدمی صرف دبا کر گٹھ باندھتا ہے اگر اس
کے ذریعہ دیا جائے گا تو صرف تہائی خرچہ پڑے گا
اس قسم کے کرگھے بارہ ٹکی کے پارچہ بانی کے

(۱۲) ایضا بذریعہ انجن کے۔
(۱۳) کرگھے با پانی و دیگر اقسام کے

بیوٹ اسکول میں موجود ہیں نایش میں
اسکول کے مرد اور عورتیں جنکے اسم گروٹھ کا
بھی انتظام تھا ان ہی کرگھوں پر مختلف
قسم کا پارچہ بنتے ہوئے موجود تھے۔
یورپ کے مختلف کارخانوں کی
موجود تھی۔

(۱۴) پانا ہے بنیان۔ گلوبند۔ وغیرہ
بنانے کی مشین

نایش میں ایک بہت بڑا کارخانہ اس قسم
کا موجود تھا جہاں انجنوں کے ذریعہ

(۱۵) دودھ سے مکھن بنانے کی مشین

کام ہوتا تھا اور مات سے چلانے کی بھی
مشین تھیں نمائش میں جو گائیں مختلف
حصص بند۔ دوائی تھیں اس سمارٹنگ کے
قریب بظریعہ یورپ اور ان کے نمائش کیلئے
مکان بنایا گیا تھا اور وہ نہایت صاف
تھیں رکھ رکھاؤ تھا اور انھیں کے دودھ
سے یہ کارخانہ چل رہا تھا۔

نمائش میں جو چیزیں صنعت و حرفت بند کو ترقی دینے والی دیکھی گئیں ان سے اس میں بند ہستی کر
کہ اگر مختلف حصص بند میں کوشش کی جائے گی تو ساخت اشیا، دوائی میں بہت سی بہتری آئے گی
ہو جائیگی جو شخص دوائی اشیا کے خریدنے کی خواہش رکھتا ہو تو اسکو عدم دستیابی کا یا گراں
ہونے یا یورپی مال کے مقابلہ میں بعد اموالے کا جو عذر ہوتا ہے وہ دفع ہو جائے گا۔ اور وہ
بآسانی و آرازی خرید سکیگا ان اشیا میں قابل ذکر وہ حسب ذیل ہیں۔ اس لئے کہ یہ چیزیں بننے
کلوں کے ذریعہ بنائی جاتی ہیں پرانے طریقے استعمال نہیں کئے جاتے۔

- (۱) کانپور کے سوئی وادنی پارچے
- (۲) دھاری وال کے ادنی پارچے
- (۳) مدراس بمبئی کلکتہ کے سوئی ویشمی پارچے
- (۴) علیگڑھ کالوہ پتیل کا سامان۔
- (۵) مظفر پور (بنگال) کمائیوں کے میوہ جوتیشوں ورن کے ڈبوں میں بند رکھ کر بیرونی
- (۶) دہلی کے بسکٹ
- (۷) صابون۔ بنگال و پنجاب کا بنا ہوا۔
- (۸) گورنمنٹ بلاٹکٹ وی ونگ اسکول مظفرنگر۔
- (۹) احمد آباد گجرات کا دودھ اور رکھن۔ ٹن کے ڈبوں میں بیک کیا ہوا۔
- (۱۰) ہیوٹ اسکول بارہ بکلی کی پارچہ بانی فقط محمد عبداللہ۔ پرتھوی

جلوہ مہر

(۱۰)

اسے مہر تیرا جلوہ روشن گرچہاں ہو
تیرا وجہ و اہل گیت کی کو نغمہ ہے
تیری نود کو یا ہے شمع طور کی کو
ظلمت کدہ یہ روشن تیرے ہی دم قدم کو
تیرا ہی دم پرند کی شاخوں پہ بھر رہی ہیں
تیری نگاہ مہر والفت بھی کیسا ہے
استادہ کدہ ہر سو چادر سنہری اڑ رہی
کینیں تری قیامت دریا میں ڈھل رہی ہیں
پتھر میں بھرتی ہے دم و دن رات گ تیرا
نکا کل چشم ہستی کو بگیا اندھیرا
ہر سو ترے کرم سے شاداب کھینا رہی
جلوہ ترا نمایاں ہر ایک رنگ میں ہو
شبہم کو پر لگائے کیا تو نے مہر نشان
واللہ داغ دل کی تصویر ہو ہو ہے
کیونکر نہ سب کو ہو گایاں غریب کو
ہو فخر تیری شمع الفت سو لو لگائی
فرش زمیں پہ سب کو اندیشہ فلک ہو
جائی وہ جس طرف موند عالم کا سفر ہو

دنیا میں نام تیرا روشن کہاں کہاں
صورت پہ تیری واللہ والشمس تر ہے
تیری جھلک سو پیدا ہو برق نور کی ضو
صبح طرب ہو یا آغوش شام غم سے
تیرا ہی ذکر باغ ہستی میں کر رہے ہیں
خاک کی لباس صحرا پر نور ہو گیا ہے
چمکے ہیں جگہ جگہ تقاریر سارے ذری
ہر دم جناب دل پر نیرے نگاہی ہیں
دریا میں روز و صبح گاتی ہیں راگ تیرا
کیا ڈر ہے کانٹے کو سول اب رنگا اندھیر
ان گرجو شبنم میں نیزنگیاں نہاں ہیں
بھولوں میں گریزاں ہو تو لعل شگفتہ ہو
تیری شش کے صدقے تیری نظر کے دیا
لستخیر مرزاں کا نایاب نقش تو ہے
واللہ تو ہے راز مرستہ جلالی
اللہ کرے جہاں میں وہ تیری شان پاک
شکل پر ری رنجاں پر سوچ کھی کا شاک
ذروں کی طرح اوس سے سب طالب شری

سید فخر الدین فخر - سب پوٹھا سٹریٹ خانہ چیتا پور

شمع تربت اور اس کا وعظ

(۱)

(چربا رہے جو شب کو کوہِ غیاہاں میں خاص ایسا نکالتا لانا)

عجرت کے واسطے کیا گیا

بھگت دیکھو میں بزمِ عالم کی جیتی جاگتی توری دیوی ہوں میری ہستی گودِ دنیا اور
اہل دنیا کیلئے یکساں مفید ہے، لیکن اس سے تم یہ نہ سمجھ لیا کہ میں بہترین مخلصِ انسانی
میں وقف کر دی گئی ہوں۔ یہ اگر اکثر اون خاموش ساکت مادی بل چل سے اسودد
مخلوقان کی ابدی نقلوں میں بھی ہوتا ہے جو شہرِ فرخوشاں کے ازلی و بارئین المخذ
مسرت و انبساط کے مارا و گجرے پہنچے ہوئے بھٹائے دوام کی رزگارِ کلنیان اور
طرے لگائے ہوئے ہنیتِ غفلت و جبروت سے ایک خیال ایک دھن ایک لہریں
جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ ان کی مقدس صورتیں نیروانی میکلیں دھان کی روحانی کیفیتیں
مجھ جیسی مضطرب کی زبان سے کسی طرح ادا نہیں ہو سکتیں۔

اے انسان! میں کیا کہوں اور کیونکر کہوں تجھے حیرت ہوگی اور حیرت ہونے کی
تو بات ہی ہے۔ جب تیرا گذر تاریک راتوں میں سیاہ ڈراونی راتوں میں آنکھوں
مقاموں میں ہوتا ہے جہاں کہ باشندے فنا کی بنیاد نشان "پیارے پائیو پرتہ عدم کی مالک
چادروں کو اوڑھے ہوئے خوابِ راحت کے مزے لے رہے ہیں تو سوچ بتانا تیرے
دل و دماغ میں کیسی غیر محسوس سرگوشیاں ہونے لگتی ہیں تیری امیدیں اور تمنائیں
جنہیں قوتِ برقیہ کے طوفان پر طوفان آتے ہیں کس طرح بے حس و حرکت ہو جاتی ہیں
اور تو ایک ایسے عالم میں پہنچ جاتا ہے جس کا احساس تو خود بھی نہیں کر سکتا۔ کیا تو
بتا سکتا ہے؟ کیا تو اس راز کو منکشف کر سکتا ہے؟ نہیں نہیں تیری حقیقت میں
خوب جانتی ہوں تیرے معلومات سے میں ابھی طرح واقف ہوں تو اونھیں امور
اور اونھیں اسرار پر اپنی دماغی وحسی قوتیں دوڑاتا ہے جھکے مشاہدے یا جھکے انشال

تیرے پیش نظر میں تو ان غیبی رموز میں کبھی دخل نہیں دیتا جنکی سن گن سمجھنے لگی
سن اور غور سے سن یہ سیکڑوں ہزاروں شکستہ مکانات جنکی سر میں اسوقت
تجھ کر رہی ہوں یہ ان خامکاروں - مغروروں - جہانشوروں کی تنگ و تاریک
آرام گاہیں ہیں جنکی نازک و مانگیوں اور بھل انگاریوں نے کبھی اس جانب
خیال کرنے کا موقع بھی نہیں دیا اونکی "عیش و عشرت" کی شہر آشوبیاں اپنی غفلت
زیگیلی و لغیر جی سے ایک عالم کو نچلا بیٹھے نہ دیتی تھیں گویا اون کو ناعابت اندیشی
سے یہ خیال ہی نہ تھا کہ ایک روز ہوائے فنا کا دور دورہ اونکی تمام مجموع
ترقیوں کا خاتمہ کئے بغیر نہ ہوگا۔ وہ نازک اندام "تیریں او" ملا ایک قریب
عشموہ سا "برق انداز" حسینان جہاں جنکے آفتاب حسن کی شعاعیں پتھر کا جگر پانی
کرنے کیلئے تیار تھیں۔ جنکے ایک ایک اشارے پر ہزاروں شبید لاکھوں قتیل
اپنی گراں بہا جانیں صرف ایک تبسم نگاہی پھینٹ چڑھانکے واسطے حاضر تھے
یہ اونکا ادنیٰ "اور عاجزانہ" نذرانہ تھا جسکی شرف قبولیت میں گردن شکنی
اور بے توجہی سے کام لیا جاتا تھا بلکہ بعض وقت اس پر اور ستم کے حاشیے
چڑھائے جاتے تھے کہ جاوہر ہم نہیں لیتے "یہ نذر ہماری شان کے لائق نہیں"
تم نے ہماری عزت میں بڑھ لگایا ایسا حقیر تحفہ ہمارے سامنے کیوں پیش کیا
آہ آج وہ کس ابدی خاموشی کے آغوش میں بحس و حرکت مجبورانہ سا غرق
نوش کئے ہوئے ایسے سوئے ہیں کہ قیامت تک نہ چوکیں گے اب اونکی غربت
اونکی تنہائی کا ہدم ہمارا کوئی نہیں وہ مجھوٹے چاہنے والے و بناوٹی مشاق
وہ جان نثار سپاہی وہ وفادار خدام کہاں گئے کیا ہوئے جنہوں نے اپنے ادما
وفاداری سے ایک عالم میں تلامح مچا رکھا تھا۔ تھکلا ڈال دیا تھا۔

اب بجز میرے اس حیرت نصیبی کا ساتھی کون ہو سکتا ہے اور میرا بھی یہ حال
ہے کہ اس وحشت کسے میں نہائیوں کی روح فرسا بلائیں برداشت کرتی ہوں
ہواؤں کی ظالمانہ دست و دازئیوں کو سہتی ہوں لیکن اون گدشتہ واقعات

کی یاد جبکہ میں ان آسودگان مرگد کی محفلوں میں شمع محفل کے پیار سے اور محبت خیز نام سے بلائی جاتی تھی کبھی اپنے خیال سے اترنے نہیں دیتی ان کی ہستی فانی کے دوا کا اثر میری نازک طبیعت پر ایسا نہیں ہوا ہونکا دھواں بکھر میرے دماغ سے نہ نکلے میں اذکی جدائی کی آگ میں جلتی ہی نہیں گھلتی ہی نہیں بلکہ اپنی ذات کے فنا کرنے میں کوئی صورت فرو گذاشت نہیں کرنا چاہتی اور نہ مشرب وفاداری میں ایسے نعل کو پسند کرتی ہوں جس سے دامن وفا پر داغ لگے۔

میں نے دنیاوی نیز نگینوں کے سلسلے میں ایسے بہت سے واقعات دیکھے ہیں جن سے میرا دل نہایت سرور ہو گیا ہے اور میں نے سمجھ لیا ہے کہ یہاں کی تبدیلیاں فطرتاً کچھ ایسی ہی واقع ہوئی ہیں جنکی شکایت زبان پر لانی بے سود ہے میری آنکھوں کے سامنے روزانہ ہویا یوں کے سیکڑوں نقشے گزرتے ہیں۔ میں دیکھتی ہوں کہ دنیا سفر کرنے والے سفر کر جاتے ہیں لیکن ان کے دوست و احباب عزیز و اقارب مرتد تک آتے ہیں اور آگے قدم نہیں بڑھاتے۔ میں ڈینگ نہیں مارتی سچ کہتی ہوں اور سچ کہنا ہی مجھے فیہا ہے کیا وہ شیعفہ دارفتہ مجھ پر جان سے فدا ہو جائیو والا پڑوانے قابل قدر نہیں جس نے قانونِ فطرت کے خلاف وفاداری ترک نہیں کی جس نے اپنی ہمت مردانہ سے راحت و غم دونوں محفلوں میں میرا ساتھ نہیں چھوڑا امی اشرف المملوک تجھے میں نصیحت نہیں کرتی اور نہ نصیحت کرنا میرا منصب ہے مگر اتنا ضرور کہوں گی کہ ”محبت“ الفت ”چاہت“ پروانے سے سیکھ اور اپنے چاہنے والے ”بھردی رکھنے والے“ پر ایسا ہی فدا ہو جا جیسا میرا غریب دوست مجھ پر فدا ہو جانا ہے فقط سید ظفر حسن (ازلمی اسکول و زمحل)

رام کہانی

رباعیات

(۱)

نام کام جہاں گشتہ تقدیر ہوں میں
خاموش ہوں سکتے بھی ہو مایوسی بھی
اک تھنہ مشقِ فلک پیر ہوں میں
گویا جہنم تن ریخ کی تصویر ہوں میں

(۲)

معدور ہوں شرمندہ تعبیر ہوں میں
ہونے سے تو بہتر تھا نہ ہونا میرا
گویا کسی مایوس کی تقدیر ہوں میں
بیکار چلایا ہوا اک تیر ہوں میں

(۳)

باروں کا گلا کیجئے تنہا کیسا
تنگے تنگے دل پہ چوٹیں کی ہیں
صرف ایک عزیزوں ہی کا شکوہ
قسمت نے ستایا ہمیں کیسا کیسا

(۴)

ہمدرد جو ریخ دینے والا بن جاؤ
جلدی جلدی او بھر ہی میں چوٹیں
پھر کیوں نہ نہی بھی لب پہ لانا بجاؤ
کیا دور ہے دل ہو آیا چھ لانا بجاؤ

(۵)

کیا کہیے کہ کس طرح احباب ہوئے
چپ لگ گئی ہو جو دل کی چوٹیں ابھریں
سچے بنے کیسے کیسے آخر جموئے
کچھ مونہ سے کہے اگر یہ چھ لانا چھوئے

(۶)

یہ کر رہے ہیں عزیز سارے جلدی
پوری کرے اللہ تمنا سب کی
سر کوئی قسلی کا اوتارے جلدی
مار ہی کہیں موت اسکو مار ہی جلدی

(۷)

اقرب جنہیں سمجھا ہوا ہے عقرب ہیں دشمن تر سے اس طرح پرانے کب ہیں
غفلت میں ہوا تک بھی لٹائی ہوا ہے اپنے ہمیں میں اپنے اپنے سب ہیں

(۸)

دل میں نہیں کچھ بھی درد میرا نہ سہی پروا نہیں او کو میری پروا نہ سہی
پیارے میں نیچے جان سو بھی چار ہیں میرے تو عزیز ہیں میں اون کا نہ سہی

(۹)

کس مونہ سے بھلا شکوہ پیدا کر دیں کس طرح شمع جبر با و کر دیں
دل میں ہو سکتا اب نہ زبان قابو میں طاقت بھی اگر ہو تو نہ فریاد کر دیں

(۱۰)

ہاں ضبط خیال شکوہ دلیں بھی نہ آو جو ملے سے بھی آلودہ زبان نہ آو
ہو جاؤ دم باز پسین "اٹ" لب پر نالا "جو گلے تک آئے پسند آجناؤ
محمد قطب الدین تسلی

غزل

جنیوں پر لگے جس وقت مرنے کے آئے وہ تو پھر یہ کیوں نہ آئی
دعا کے غیر پر مجھ سے ملے وہ ناسا کر دیا اٹلے اثر نے
خفتہ ہے۔ انتہا کر دی ہشت میری چپ نے۔ بیان مختصر نے
کہوں کیا جی رہا ہوں کس پہ مرنے گرا آنکھوں ہی آنکھوں میں نظرنے
انگوٹسا رسی نہ سیکھی میرے مرنے نکلا ہوں میں چڑھے۔ سچے ہوا تینے
خط لکھا ہے۔ اور اس وقت گرنے رسی جاو نہ بانی کے اثر نے

جنیوں پر لگے جس وقت مرنے کے آئے وہ تو پھر یہ کیوں نہ آئی
دعا کے غیر پر مجھ سے ملے وہ ناسا کر دیا اٹلے اثر نے
خفتہ ہے۔ انتہا کر دی ہشت میری چپ نے۔ بیان مختصر نے
کہوں کیا جی رہا ہوں کس پہ مرنے گرا آنکھوں ہی آنکھوں میں نظرنے
انگوٹسا رسی نہ سیکھی میرے مرنے نکلا ہوں میں چڑھے۔ سچے ہوا تینے
خط لکھا ہے۔ اور اس وقت گرنے رسی جاو نہ بانی کے اثر نے

عورت بڑی یامرد

(۱۰)

قاہرہ میں میرا ایک دوست تھا میں اور اسکے مسلح و پیرہیز کاری سے بڑھکر
اوسکی لیاقت اور حسن اخلاق کا گرویدہ تھا اور اوسکی دوستانہ ادائیگی مجھ کو اس قدر
بھانگی تھیں کہ اوسکی موجودگی میری تسکین کا باعث بنی تھی۔ اسکے بعد مجھ کو کبھی
ایسی ضرورت محسوس نہ ہوئی کہ میں اوس کے چال چلن کی نسبت کچھ دریافت
کرتا اور اوسکی عبادت کا ڈھنگ پوچھتا کیونکہ مجھ کو اس سے علوم شریعت
پڑھنا اخلاقی سبق سیکھنا منظور تھا میں یقیناً سمجھ چکا تھا کہ محبت کیلئے جو
کچھ میں نے اندازہ لگایا ہے وہ کافی سے زیادہ ہے۔

ہماری دوستی و محبت میں ایک زمانہ گزر گیا نہ میں کبھی اوس کو کسی بات میں
بغیدہ کرتا نہ وہ کبھی کسی ناشائستہ حرکت سے مجھے صدمہ پہنچاتا یا ہانک
کہ میں قاہرہ سے ایک دور دور سفر پر روانہ ہو گیا تاہم مراسلت برابر جا
رہی۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد مراسلت بھی سرد و بگڑ گئی۔ جس سے میرے دل میں
اوس دوست کی نسبت اس قدر غم کے خیالات اور شکوک پیدا ہونے لگے جو ایسی
حالت میں پیدا ہو سکتے ہیں تھوڑی مدت میں میں پھر قاہرہ واپس آیا اور اوس
عزیز دوست کی جستجو کی اوس کے گھر گیا محلہ والوں سے پوچھا۔ مجالس و محافل
میں دریافت کیا۔ مگر اوس کا پتہ نہ ملتا تھا نہ ملا اور مجھ کو معلوم ہو گیا کہ میں اس
عزیز کو کھو چکا ہوں پس اوس روز سے میں نے سنی لا حاصل چھوڑ دی ایک
دن قریب مہینہ کی آخر شب تک میں بنگلہ کو واپس ہو رہا تھا تا کہ کسی سے راستہ
بھول گیا اور ایک اندھیری دھشت ناک گلی میں کل گیا جو آنے جانے والوں سے
بالکل سنسان تھی میں پریشانی و حیرت میں راستہ ڈھونڈ رہا تھا کہ قریب
کے کسی مکان سے ایک در و ناک چنچ سنائی دی اور میں سوچنے لگا

کہ یہ آواز کہہ رہے آئی۔ پھر کر رہی آواز آئی اسکے بعد آوازوں کا
 نانا بندھ گیا جس نے میرے دل پر نہایت گہرا اثر کیا میں تعجب سے
 کہنے لگا نہیں معلوم اس اندھیری رات کے سینہ میں کتنے ایسوں کے
 اسرار اور غمزوں کے راز پوشیدہ ہیں اگر میں اس غمزدہ کو پاؤں تو اسکی
 ہمدردی سے کبھی دریغ نہ کروں اور اس کے لئے امر کا فی کوشش میں
 لاؤں ورنہ کم از کم دو آسمانوں پر وہ جاؤں یہ کہ میں آواز کے پیچھے پیچھے
 اس گھر پر جائیگا وہاں دردناک آوازوں کا منبع تھا دردناک کو لکھنا یا
 تھوڑی دیر کے بعد ایک کس لڑکی جسکی عمر دس سال سے زیادہ نہ ہوگی
 موٹے جھوٹے کپڑے پہنے ہاتھ میں ایک ٹمٹما ہوا چراغ لئے وہ آواز پرانی
 اور مجھے ایسا معلوم ہوا کہ گویا در کمال ابر کے چھوٹے چھوٹے کلوں میں
 گہرا ہوا ہے اسکے حسن و جمال کو دیکھ کر میں حیران ہو گیا اور پوچھا "انہیں
 لڑکی تیرے گھر میں کوئی جایا تو نہیں" میرے اس سوال پر اس نے ایک ذرا
 چیخ ماری جس سے مجھے خوف ہوا کہ کہیں اس کے ہتھے دل کے پرزے نہ
 اڑ جائیں وہ بولی "اے نیکہ مر د کیا تم یہ بے باب کی مروت کر سکتے ہو جو عالم
 سکرات میں بستہ رہ پڑا ہوا دم توڑ رہا ہے۔ یہ کہنے وہ آگے آگے چلنے لگی
 اور میں اس کے پیچھے پیچھے چلا۔ آخر ہم ایک تنگ و تاریک کمرہ میں پہنچے
 یہ کمرہ مجھے قہر معلوم ہوا۔ دیوار بنتر لامیت میں آہستہ آہستہ قہر بڑھا کر
 بیمار کے قریب بیٹھ گیا اسکی حالت نہایت ازک ہو رہی تھی اور اسکا جسم
 بڈیوں کا پنجرہ رہ گیا تھا میں نے مریض سے دریافت کیا کہ اب وہ کیا چاہتا
 ہے" اس آواز پر اس نے آنکھیں کھولیں اور میرے چہرے پر نظر جمادی ہوئی
 دیر کے بعد آہستہ آہستہ ہونٹوں کو حرکت دیکر نہایت است آواز میں
 کہنے لگا "خدا کا شکر ہے کہ میں نے اپنے دوست کو پالیا" یہ سنکر میرا دل بچ و غم
 سے تڑپنے لگا اور صبر جاتا رہا اس وقت غم کا جو ہار مجھ پر ٹوٹا اس کے وزن

کا اندازہ نہیں ہو سکتا میری اس ملاقات نے اس کے ٹمٹمائے ہوئے چراغِ حیات کو اکسا دیا اور میں کچھ تو نائی آئی اور اشارہ کیا کہ اوس کو اٹھا کر بٹھایا جا کر میں نے اپنا مات بڑھادیا اس کے ہمارے سے وہ اٹھ بیٹھا اور اپنا قصہ نہایت ناتواں آواز میں ترک ترک کر یوں بیان کرنے لگا۔

”دس سال سے زیادہ عرصہ گزرا کہ میں اپنی والدہ کے ساتھ آئیہ مکان میں رہتا تھا ہمارے پڑوس میں ایک مالدار میری سکنوت پذیر تھا اس کے مکان میں ایک دوشیزہ بری بیکر تھی میں کہہ سکتا ہوں کہ ایسی حسین جمیل شکیل خوبصورت عورت کسی مکان میں نہوگی اوس کو دیکھنا ہی تھا کہ بے اختیار وابستہ سے جاتا رہا صبر و تحمل رخصت ہو گیا اور ہزار جان سے پروا نہ وار اس کے شمع حسن کا شیدا و شغیفہ ہو گیا رشتہ محبت قائم کر نیکے لئے ہزاروں تدبیریں سوچیں۔ لاکھوں منصوبے باندھے اوس کے دل پر اپنا اثر ڈالنے کیلئے مختلف چالیں چلائی مدت کے بعد اوسے روم خوردہ رام ہوا اور بت ناہر ہاں مہربانی کرنے لگا ایک روز اوس کو آئندہ زندگی کا سبز باغ دکھا کر اور عہد و پیمان کی گرہ استوار کر کے میں نے چنگ پر چڑھایا ا وہ شہود و قاضی کے بغیر نکاح پر راضی کر لیا۔ الغرض عشق و محبت کی آخری منزل تک گوجھو جوری ہی رہی مگر کامیابی کے ساتھ ہو نچنا نصیب ہوا۔ ہماری اس ملاقات کو چھوڑا ہی زمانہ گذرا تھا کہ مجھ کو معلوم ہوا کہ اوس کے پیٹ میں ایک بھٹی اور بعد از چلنی حرکت کر رہی ہے اس خبر سے میرے جو اس باختم ہو گئے اور میں سوچنے لگا کہ ایسا کئے وعدہ کروں یا سرے سے رشتہ محبت منقطع کر دوں اس میں نہیں میں پہلے چلا خیال پہلے خیال پر غالب آ گیا اور میں اوس مکان سے واپس آٹھ آیا جہاں اے دوست تجھ سے ملاقات کیا کرتا تھا اوس کے بعد مجھے اوس نا زمین کی کوئی کیفیت معلوم نہیں ہوئی نہ میں نے کبھی دریافت کی نہ کبھی اٹھائی اس حادثہ کے چند سال بعد مجھے ایک خط پوسٹ کے ذریعہ ملا اس وقت مرلیض نے

اپنی توشک کے نیچے سے ایک خط نکالا میرے حوالہ کیا جس میں لکھا تھا "اگر مجھے کوئی ایسی ضرورت محسوس بھی ہوتی کہ میں تمہیں اوس پوشیدہ عہدہ پیمان یا اوس قدیم عہدہ کی تجدید کیلئے خط لکھنے پر مجبور ہوتی تو بھی میں تم کو ایک حرف تک لکھنا پسند نہ کرتی کیونکہ میں نہیں جانتی کہ ایسا عہدہ جیسا کہ تھا یا دغا بازانہ عہدہ تھا اور اگر ایسی محبت جیسی کہ تمہاری جھوٹی محبت تھی۔ اس قسم کا کوئی استحقاق رکھتی نہ تھی کہ اسکی نعمت کی جائے اور اسکی تجدید پر توجہ دلائی جاوے جو وقت تم بھلے جھوٹ کر گزارا ہوے ہو تمہیں معلوم تھا کہ میرے ہاں میں ایک آگ بھڑک رہی ہے اور جنہیں اس دنیا میں آنے کیلئے نعل در آتش ہے اس کا سبب بظاہر یہی تھا کہ تم کو اون مصیبتوں کے دیکھنے کی برداشت نہ کرنی پڑے جو تمہارے ہی ہاتھوں نازل ہوئی تھیں اور تمہارا ہاتھوں کو اون آفتوں کے پونچنے کی مشقت نہ اٹھانی نہ پڑے جو تمہاری بدولت جا رہی ہوے تھے اسکے بعد کیا میں تم کو ایک انسان تصور کر سکتی ہوں؟ تصور تو کیا انسان سے تعبیر بھی کر سکتی ہوں؟ بے زبان حیوانوں۔ وحشی زندوں۔ گزندہ جانوروں کی کوئی خصلت ایسی ہو سکتی ہے جو تمہاری خصلت کا مقابلہ کر سکے اونکے تمام خصائل وصفات کے تم منظر واحد ہو تم کہا کرتے تھے کہ ہمیں تم سے محبت کرتا ہوں تم اپنے اس دعویٰ میں کہاں تک اپنے ثابت ہووے تم مجھ سے محبت نہیں عداوت کرتے تھے۔ تم نے مجھ کا اپنی شہوت۔ انی کا الزام لگایا اور مجھے ایسا ذالہ تصور کیا جس کو چکر کر تم اپنے نفس کو راضی رکھ سکتے تھے آہ کیا تمہیں اپنا وہ وعدہ بھی یاد ہے جو تم نے مجھ کو اپنی بیباکی بی بی بنانے کے متعلق کیا تھا؟ تم نے اوس وعدہ کو پورا نہیں کیا؟ ہاں تم نے اسکو اس لہو پورا نہیں کیا کہ تم یہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ایسی عورت جو بجز ہے ذلیل و خوار ہے بے اعتبار ہے اسکو اپنے نکاح میں لانے کی عزت دو لگے تباہ کر اس میں کیا جرم ہو؟ اور میں کیوں ذلیل و بے اعتبار ہو گئی۔

کیا یہ تمہارا ہی جرم اور تمہارے ہی ہاتھوں کی لائی ہوئی ذلت و بے اعتباری نہیں اگر تم نہ ہوتے تو میں کیوں گنہگار ہوتی۔ کیوں ذلیل و بے اعتبار ہوتی حتیٰ الامکان میں تم سے بچنے کی کوشش کرتی رہتی مگر تمہارے مقابل میں جھکا ہوا پڑا اور میں اس بچے کی طرح تمہارے قدموں میں گر پڑی جو ایک قوی پہلوان کے مقابل میں بے بس ہو جاتا ہے تم نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر میری عصمت کا خزانہ لوٹ لیا اسکے بعد میرا کائنات مجھے ملامت کرنے لگا اور دل جینے سے سرد ہو گیا میں زندگی کو الوداع اور موت کو خیر مقدم کہنے لگی قیامت کا آنا باقی ہو۔ اور خدا کو شہادہ دکھانا لازمی ہو سچ کہنا۔ بھلا اس بد نصیب عورت کو زندگی کا خاک اطفائیگا جو نہ کسی کی بی بی بن سکتی ہے نہ کسی کی ماں نہ کسی قریب و جلسہ میں شریک ہو سکتی ہو۔ اسکی حالت یہ ہو کہ اہل بیت سے ہر چاہنے کے عزت کے مارے نگاہ زمین پر جمائے ہاتھوں سے منہ چھپائے۔ طعنہ زنیوں اور تھکافضیتیں کرنے والوں کے خوف سے دل مسو سے بیٹھی ہے۔

تم نے میرا چین میری راحت، میری عزت، میری حرمت، غرض میری دنیا بھر کی خوشیاں چھین لیں اس شرمناک واقعہ کے بعد مجھے اس محل کو جہاں میں اپنے والدین کے ساتھ عشرت انگیز زندگی بسر کرتی تھی خیر باد کہنا پڑا اور اون بے شمار و بے انتہا نعمتوں کو جو میرے آس پاس جمع تھیں چھوڑ کر ایک دور دراز ویران محل میں اسلئے نکل جانا پڑا کہ وہاں بھٹک کر کوئی نہ پہچانتے اور بقیہ زندگی کس مہر سی کی حالت میں بسر ہو جائے۔

آنا ہی نہیں تم میرے والدین کے بھی قاتل ہو تھیں نے ان کی جان لی مجھے یقینی طور پر معلوم ہوا ہے کہ وہ میرے فرار ہو جانے کے بعد جہنم میری جہائی کے صدر سے قبل از وقت مر گئے اس نے بعد تم میرے بھی قاتل ہو کیونکہ رنج و غم کا وہ تلخ پیالہ جو میں نے تمہارے مات سے پیا ہے

یہ نزن و الم جو تمھاری وجہ سے مجھے نصیب ہوا میرے جسم و روح پر اس طرح اثر کر رہا ہے کہ اب میں آکر دیکھتے ہوئے انکار کو کی طرح کھانٹوں گے بستر پر پڑی ہوئی دم توڑ رہی ہوں اور سمجھتی ہوں کہ خدا نے مجھ پر مہربانی کی اور میری دعا قبول فرمائی کہ مجھے اس بد نصیب دنیا سے نکال کر حیات (ابدی) اور صرا (جاودانی) عطا کر لیا ہے۔

قصہ مختصر کہ آج صبح کے نکار و نالائز اور خوشخوار قافلہ چور ہوا اور میں نہیں سمجھتی کہ مستحق تعاقب کیوں بن گئی ہوں ہی چھوڑ دیا؟ میں یہ خط نہیں دیکھ سکتی تھی کہ لکھ رہی ہوں کہ ایسا وعدہ کی درجہ کر دوں یا محبت کی سنگین دیکھ کر اس خط کو تمام چاہوں تم خود بھی اتنا سمجھ سکتے ہو کہ تمھارے منہ پر میرے دلیں کیا کیا خیالات ہونگے۔ اس وقت میں تیرے دروازہ پر کھڑی ہوں اس زندگی اور اسکی تمام بھلائیوں پر ہوں، خوش نصیبوں اور بد نصیبوں کو قسمت کر رہی ہوں میں تم کو یہ خط اس لئے لکھ رہی ہوں کہ میرے پاس تمھاری ایک امانت ہے جسکو تم یونانی سے میرے حوالہ کر گئے ہو وہ امانت مجھے پھیر دینی ضروری ہے، اور وہ تمھاری لڑکی ہے اگر تمھارے دل میں کچھ بھی بدشاعت ہے تو پہلے آؤ اور اس لڑکی کو اپنے ساتھ لے جاؤ میں ڈرتی ہوں کہ مبادا وہ بھی اُس بد نصیبی سے حصہ پا جائے جس آؤ اسکی بد نصیبی ماں اسکے قبل پاپکی ہے فقط“

جب میں یہ خط پڑھ چکا تو اپنے دوست کی جانب نظر کی کیا دیکھتا ہوں کہ اسکی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔ میں نے پوچھا یہ خط پہنچنے کے بعد کیا ہوا؟ وہ بولا ”اس خط کے پڑھنے کے بعد مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے پہلو میں بادل کی گرج سی پیدا ہو گئی ہے اور وہ غم و اضطراب سے میرا دل دسینہ چھٹ رہا ہے میں نور خط کے پتہ پر اس مکان کی

طرف روانہ ہو گیا اور وہ یہی مکان ہے جہاں تم مجھ اس وقت دیکھ رہی ہو
میں نے اس معصوم کو اسی جگہ میں جہاں میں اس وقت پڑا ہوا ہوں -
ایک جسم بے جان پایا اور اس لڑکی کو اسکے پہلو میں بیٹھے ہوئے نہایت
تلخ آنسو بہاتے دیکھا اس عبرت ناک منظر کو دیکھ کر مجھے غش آگیا
اور عالم بیہوشی میں میرے تمام جراثیم مجھے وحشی و زندہ سانپ چھو بھوک
کاٹنے اور ڈسنے لگے۔

جب مجھے کچھ افادہ ہوا تو میں نے خدا سوختہ عبد کیا کہ جب تک میں زندہ
اس جگہ سے باہر نہیں نکلونگا میں نے اس کا نام نامیہ لکھ رکھا جو میری زندگی
بھی اسی کی طرح پروردگار کی ہوگی۔ اور میری موت بھی اسی کی طرح بیکساں ہوگی
میں آج بے انتہا خوشی اور مسرت کے ساتھ مرتا ہوں اور میرا دل بھرتا رہا جو کہ
اُن بچوں اور امداد فیضیوں کے سبب جو میں نے برداشت کی میں نے میرا گناہ مٹا کر
سلسلہ سخن بیان تک پہنچا تو اسکی زبان میں لکنت پیدا ہو گئی جہر زرد پڑ گیا اور
بستر مرگ پر پڑے ہوئے اسے دوست میری بیٹی ترے سپرد ہے "وتم کوڑ دیا۔
میں کمال ایک گھنٹہ تک اسکے سر پر ہاتھ دیا اسی رسم کو ادا کرتا رہا جو ایسے موقع پر
ایک دوست دوسرے دوست کیلئے ادا کر سکتا ہے اسکے بعد اسکے دوستوں
کو اسکی موت کی اطلاع دی سب جمع ہوئے اور اسکو اسکی آخری منزل تک
پہنچا آئے۔

تجھنا
ناظرین سچ سمجھنا۔ میں اس وقت یہ واقعہ لکھ رہا ہوں مگر میرا دل رونے سے نہیں
اور میں جب تک زندہ رہوں گا اسکے یاد میں اپنا دلیری بیٹی ترے سپرد ہے نہ بھولوں گا
اے مضبوط دل والے مرد و کمزور طبیعت والی عورتوں پر رحم کر دو جب
تم اون کی عزت، عظمت، عصمت کو لوٹے ہو تو تم یہ نہیں خیال کرتے کہ
تم ایسے معصوم دل اور شریف خون کا ستیاناس کر رہے ہو فقط

ابید السید مصطفیٰ النصفی (ترجمہ اخبار الموبد)

مترجمہ عبدالرزاق بسمل

سوزِ نازاں ہو تو مہرِ دستِ گرجھکاو شاو مانی	کروئے فلکِ دلِ خوش غمناک ایک دم
داتِ نہ آیا اور کچھ اس چرخ کو آیا تو یہ آیا	گھٹنا وصل کی شب کا بڑھانا زنجیر
قائم کا بیکو کر کے زمار سے تمنع کی امید	سخت دیتا نہیں جس کو یہ ہنر دیتا ہو
قائم سا شخص ٹھیکہ کیا چند روز میں	یارب کسی بشر کے نہ پیچھے فلکِ یار ہو
وہابی سے تاباں ہو میں سنتِ ناکارے تراغ	ولوں داغدار سینہ ہے بیانِ اندرِ شبت
میں سے چرخ سے امید کشا دین میں عیش	کس کو مہرِ آبِ خائے وابستہ دین
غالب موعشر کی خواہش ساقی گردوں کو کیا	لئے بٹھا ہر اک دو چاباد وائرگوں بھی
شبیدہ شکل نگینِ فلک نے جسے نامور کیا	تیر بلا سے پہلے مشکاب جگر کیا
نے کوئی سیکرہ دہر میں ہوئے کیا خاک	خبر چرخ ہے اک مے کا کٹورا اولنا
گشتِ بگولے کی طرح اوسکی رہی خاک	جو داسرہ گردشِ افلاک میں آیا
ہر اوسکار با موادِ صد شگِ حوادث	جو شخص کراں گنبدِ افلاک میں آیا
گردشِ چرخ سے شکلِ مہِ نو عالی قدر	در بد پھر تے ہیں بہر طلب ناں محتاج
ستم سے یلِ حوادث کے زیرِ گنبدِ چرخ	جباب وار نہیں کوئی ایک دم محفوظ
پھینکتا ہے تاک کہ ہر اک پشنگِ حادث	آسماں دن رات رکھتا ہو فلاحِ یار

شکایتِ ابا نحر

میر میر صاحب زمانہ نازک ہے	دونوں ہاتھوں سے تھامیے دستا
میر میر زبے طالع اے تیر اوس نے یہ پوچھا	کہاں تھا تو اب تک تجھو کیا ہوا تھا

شکر و صبر

میر میر شکر کرواغِ دل کا اے غافل	کس کو دیتے ہیں دیدہ بیدار
سودا زباں جو شکر میں قاصر شکستہ بالی کے	کہ جس نے دل سے مٹایا غلغلہ بالی کا

وہی ہے خدا نے سلطنت بجزو برنجی
شکر کر تو کہ دیا ہے تجھے انسان بنا
مٹا جس سے تقاضا شکر ہو بدست بانی
بے صدا ہو جا بگاہ ساز ہستی ابدان
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آسان ہو گئیں
شکر اوس کا جسے رامی سو کیا پرت ہیں

نصیر عشق تباں میں ہیں ہی لب شکستہ چشم
ظفر کمر نہ شکوہ کہ مجھ یہ نہ دیا وہ نہ دیا
غالب تمنا کے ریاں محو سپاس بے زبانی ہو
نغمہ دے غم کو بھی ایدل غنیمت چاہ
ریح سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جائیگا
شہید خاک سے اللہ نے انسان بنایا ہر شہید

شادی و غم تو ام

کسی کے گھر میں شادی ہو کہیں نہ گناہ غم
شادی و غم جہاں میں تو ام ہیں
ہر بزم طرب چوں شرہ برہمزد دنی پر
ہنسنے کو گل تو روئے کو شبنم بہت پانی
گریباں بھلا کر خداں نہ ہوتا
سو فحشوں کی دامن رنگین نظر آئی
بزم طرب میں دیکے جگہ نوہ گری کیا
ایدہر و ابل بجے ہے او دھو نوہ و غم
اتم نہ کسی گھر میں کہیں بزم طرب
اگر عید کا اک دن تو عشرہ ہر محرم کا
اشک آنکھوں سے ٹپکتے ہیں خوشی کے آتش
رخ خداں گل پر گریہ شبنم مویہ ہر
نظر کر شبنم و گل پر یہ رونی چودہ ہتار
خداں اگر ہے برقی تو بار اشکبار
سرو خاطر میں نشہ ماتھا کہ ساتھ اوسکے آٹا

میر دوزگی دہر کی ثابت ہے یہاں ہی دل اٹھا آیا
درد دل صد چاک ہے گل خنداں
یہاں عیش کے پردہ میں چھپی دلکش ہے
مصطفیٰ وابستہ ہیں طرب بے غم بہت ہے یہاں
سوز غم و شادی نہ تو ام ہو تو یہاں گل
سودا اس باغ میں اک گل کہ خداں جو کبھی آیا
افسوس پینائے مے کی طرح ہیں تو نے اے بہر
سودا گلاب بند زیر سیف فلک کیونکہ سیکووں
نصیر دنیا بھی ہے اے اہل نظر جائے تماشا
ذوق جہاں میں عرصہ عشرت سو سوادہ چند غم
ظفر یہاں ریخ کے آثار خوشی کے باعث
غم و شادی میں باہم دو نو اس گل آ رہی
غم و شادی میں اک جاو نو گلشن میں بارے
پیدا ہوئی ہیں شادی و غم باہم اے ظفر
شہید چرخ جادو کا حال کچھ نہ پوچھو کہ ساتھ اوسکے آٹا

شوق بیدار

میر امیدوار وعدہ دیدار مر جلا
جرات محروم میں اگرچہ دیدار سے یہ آنکھیں
مصحفی نزع کے وقت بھی ہونہ کر کے اودھن کر لیا
سوز زندگی آخر ہوئی آیا نہ وہ دلدل حریف
رہے نزع میں دیکھنے کی حسرت
ذوق یہ چاہتا ہے شوق کہ قاصد بجا ہی ہر
غالب غلط نہ تھا میں خط پر گماں تسلی کا
گوش بھیج دیا م چشم محروم جمال
رہے چشم تر میں حسرت دیدار نہاں
شہید محروم دیدار بتاں ہوں یاد رخ میں دیدار
آنے ہی آتے ہمارے قیامت کو کیا ہوا
پر جن کا کرشمہ جی میں سما گیا ہے
مرتے مرتے بھی اوستے ایک نظر دیکھ لیا
مرتے مرتے بھی نہ دکھلا با مجھو دیدار حریف
کیا کیا دل میں بھرا ہوا ہے
آنکھ اپنی ہوا لفظ خط پر لگی ہوئی
نہ مانے دیدہ دیدار جو تو کیونکر ہو
ایک دل تس پر یہ نا امید فاری ہوئی
شوق غناں گسختہ دریا کہیں جسے
دیدہ شوق دید میں حسرت سوار ہو گا

شفاعت

ظفر اے ظفر شافعِ محشر کی محبت ہو جسے
شہید اے حامیِ دو عالم کیا ہی شہید کو غم
رہے شہید ایک غلام آپکا و جنِ محشر کے
کیا ہو محشر کا پھر اوس مرموستان کو جو
جب آسرا ہوا اوس کو روزِ شہور تیرا
ہے شفاعت کی اوستے مایہ لولاک ہوں

باب القصار صلح کل

میر چاروں کا ہے منجھیلایہ سب
سو داکس کی ملت میں گنوں آپکو بتلا ایشخ
تا بان ہم تو تا بان ہوں ہیں للہیب
سب رکھے سلوک ہی ناچار
تو کہے گبر مجھے گبر مسلمان مجھ کو
تفرقہ دیکھ سب کے مذہب کا

دُورِ نیک و دیکھتے ہیں سب کو ایک نگاہ	روشن ضمیر ملتے ہر اک نیک بد سے ہیں
ہنقا دو دو طریق حسد کے عدد ہیں	ایسا ہے یہ طریق کہ باہر حسد سے ہیں
غالب ہم موعود ہیں ہمارا کیش ہو ترک سویم	ملتیں جب مست گین اجڑا دیساں گئیں
مومن بلیک حرم ہم میں نہ نافوس کلمیا	پھر شیخ و برہمن میں ہو کیوں غافل انا
ظفر جایگا جس ملت میں تو دلانی دیکھا تھا	آرام کر نہلو جو تھکے تو صلح عمل میں

صحبت نیک

شبیدہ ہورِ نافت تو کسی صاحبِ ایمان کے ساتھ	اکام اللہ جو ڈالے تو مسلمان کے ساتھ
--	-------------------------------------

صحبت ناموفق

غالب نہ جانوں نیک میں یا بد میں صحبتِ نافت	جو گل ہو تو ہو گلِ سخن میں خوش ہو گلِ سخن میں
شبیدہ صحبت مجھو ایسوس ہو جو ایک نفس میں	طوطی کے کرے ساتھ کوئی نراغ و زنجیر

صاف باطنی

(پ)

میر دل صاف ہو تو جلوہ گر یا رکیوں نہ ہو	آئینہ ہو تو قابل دیدار کیوں نہ ہو
جرات مثل آئینہ با صفا ہیں ہم	دیکھنے ہی کے آشنا ہیں ہم
سوز آئینہ سا تو صاف کر دل کو	دیکھ تو اس میں کون ہے ہمدم
مصطفیٰ صفا کے دل میں ہو کیا نظر نہیں آتا	جو دیکھو جامِ جہاں میں ہو کم یہ جام نہیں
ظفر دیکھنی منظور ہو صورت جسے اس کی	دل کو صاف اپنے کریم آئینہ سالِ چرخ
کوئی ہوز رشت کوئی خوب چاہے تھکے	مثال آئینہ تو سب سے سیدہ صاف ہو
جو ہے دل میں وہ ہی منہ پر لائیں آئینہ دا	ہم نہیں ہیں وہ کہ دل میں اور منہ پر او ہیں

عجیب و غریب توارد

(۴)

جلیل القدر حضرت جلیل کا دیوان "تاج سخن" جب شائع ہوا اور میری نظر سے گزرا تو بعض غزلوں میں ایسے مصرعے اور شعر نظر سے گزرے جو مجھے نئے ہوئے معلوم ہوئے اور میں نے سوچنا شروع کیا کہ یہ غزلیں میں نے کہاں مولانا جلیل کی زبانی یا کسی اور سے سنی ہیں اس فور و فکر میں مجھے ایک شک ہوا جس کی تصدیق کیلئے میں نے اپنے عزیز دوست مولوی محمد عبدالحی صاحب بازرغ حیدر آباد میٹیم ہنکنڈہ کو ایک خط لکھا اور ان سے خواہش کی کہ آپ کی فلاں فلاں میں میں غزلیں ہوں تو عنایت فرمائے مجھے انکی از حد ضرورت ہی حضرت بازرغ ایک سیلانی طبیعت کے آدمی اور بعض اسباب سے مجھ سے ناواقف تھا پھر ایک ہی وفد لکھنے غزلیں میں تو کس طرح غرض کی جھینے کے بعد غزلیں آئیں اور مجھے تسکین اور اپنی شک کی تصدیق ہوئی جب میں نے ان غزلوں کا جو میری بارائیر میں قبل کی سنی ہوئی تھیں مولانا جلیل کی ہر طرح غزلوں کے ساتھ مقابلہ کیا تو مجھے ایک عجیب حیرانی ہوئی مصرع کے مصرع و دونوں غزلوں میں یکساں اور برابر پائے چونکہ یہ ایک عجیب و غریب توارد تھا جسکی مولانا جلیل کو خبر ہے نہ حضرت بازرغ کو۔ اس لیے میں نے ارادہ کیا کہ جہاں قدما کے توارد کا حال اکثر تذکروں میں درج ہوا ہے وہیں اس عجیب و غریب توارد سے صحیفہ کے ناظرین کی ضیافت طبع کی جائے مجھے تو دس بار اہم طرح غزلوں کے اشعار میں یہ توارد نظر آتا ہے مگر یہاں صرف ایک ہی غزل کے توارد کو پیش کیا جاتا ہے "یتاب کہاں تک" اُجاب کہاں تک" والی غزل میں بازرغ کہتے ہیں۔

تڑپوں میں بھلا صورتِ یتاب کہاں تک انسان ہوں انسان کو ہوتا ب کہاں تک
مولانا جلیل کے اسی زمین میں دو شعر ہیں جنہیں یہ دونوں مصرع موجود ہیں۔

مرنے سے کوئی خوش ہو تو مر جانا بھی اچھا
ہو دوست پر میں جو جھلٹا ہوا ساغر
بازغ کہتے ہیں۔

وہ بزم میں اپنی مجھ آنے نہیں دیتے
مولانا جلیل کا مصرع ثانی بھی قریب قریب ہم ضمون ہے
آخر کھٹ بنوں نے لیا دامن لیلی
بازغ کہتے ہیں۔

کیا چارہ دل اوپری تدبیر سے ہو گا
مولانا جلیل فرماتے ہیں۔
جب فصل گل آئیگی چمک جائے گا ٹٹو
بازغ کہتے ہیں۔

کب تک دل زار آتش فرقت میں تلگا
مولانا جلیل کا شعر ہے۔
مشکل ہو کہ دل دست خانی میں ہر جا
بازغ کہتے ہیں۔

اس وعدہ وفا کی کہ بھی صد تو شیب
مولانا جلیل کے شعر کا دوسرا مصرع توجہ طلب ہے۔
نظارہ لطف شیب مہتاب کہاں تک

بکھری ہوئی زلفیں رخ روشن ہو بناؤ
بس ہو چکی سیر شب مہتاب کہاں تک
آخر پر ہم مولانا جلیل اور حضرت بازغ کا ایک شعر جو دونوں غزلوں میں جوابیہ
ضیافت طبع ناظرین کیلئے درج کرتے ہیں۔

مولانا جلیل فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں۔
ہو تیری جوانی کہ پھٹی پڑتی ہو ظالم
پھر کوئی سنبھالے دل بیتاب کہاں تک

۱۲۔ یہ شعر پڑھ گیا ۱۲ اڈیٹر ۱۳۔ انہی نچرل ہونے کا اعتراف نہ کیا جاوے تو شعر نظر گئے کے قائل ہیں

حضرت بازغ کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں۔
کسب تک: وہ تصوری تصویریں ملیں گے
آخر نظر آئیں گے مجھے خواب جہان تک
نقلی میدان آبادی

ریویو

الحظ الاسلامی

مصنف علیجناب مولوی سید محمد یوسف الدین صاحب صوبہ دار صوبہ گلگت بلتستان
”اسلامی رسم الخط کی اصلاح پر مولوی صاحب موصوف نے یہ ایک ”جواب“
”کتاب لکھی ہے۔ اور نہ صرف کتاب لکھی بلکہ جدید رسم الخط کو ایجاد کر کے اس کا
””ٹاپ رائٹر بھی بنوا لیا ہے۔ مگر اب کتاب اسلامی دنیا اور اسلامی اخبارات
”مولوی صاحب موصوف کی ان کوششوں سے بے خبر ہیں۔ اور شاید اس کی
””تجزیہ کر کے اب تک مولوی صاحب نے اپنی کتاب کسی اخبار یا رسالہ کو تنقید
”کی غرض سے نہیں دی۔

”سب سے پہلے صیفہ اس کتاب کو پبلک سے انٹر ڈیوٹس کلاتا ہے
”اور اس کا اس کو حق بھی حاصل ہے۔

”ریویو میں جہاں جہاں ہم کو ریویو نگار کی رائے سے اختلاف ہوا
””ہے وہاں ہم نے اپنے خیالات ظاہر کر دیے ہیں۔ امید ہے کہ ناظرین سن
””کو غور و امان سے ملاحظہ فرمائیں گے۔“

اڈیٹر

مولوی سید محمد یوسف الدین صاحب صوبہ دار گلگت بلتستان صرف سرکار عالمی کے ایک
قدیم۔ تھو قابل ترین۔ زمانہ شناس۔ اعلیٰ منہ میں بلکہ علوم مشرقیہ کے
طاہر۔ بذلہ سنج۔ اور ہمدرد ملک و قوم بزرگ ہیں اور ان کو
ایک حق بہادر ہے ملک کی بدقسمتی سے وکن میں ایسی نظیر آپ

ہ گئے ہیں۔ اگر آپ پہلے سے فرائض پر کاری کے ساتھ ساتھ علمی و قلمی خدمات کیلئے کمر بستہ کو جسیت کرتے تو یقیناً اب تک بہت کچھ فائدہ ملک کو پہنچا چکے ہوتے۔ اب آپ کی توجہ کچھ عرصہ سے اس جانب مبذول ہوئی ہے۔ اور آپ نے کام کرنے کیلئے اصلاح رسم الخط کے میدان کو پسند کیا ہے۔

تمام دنیا کی زبانوں کی طرح ہر ایک رسم الخط کی ایجاد بھی وقتاً بہ وقت ہوئی اور نہ رسم الخط قواعد و اصول کا پابند رہتا ہے بلکہ رفتہ رفتہ اس کے وضع و ترکیب کی بنیاد پڑتی ہے اور قوم کی تمدنی ترقی کے ساتھ ساتھ اس میں اصلاح و رد و فن آتی جاتی ہے اور ایسے قواعد و اصول مرتب ہوتے ہیں جو رسم الخط کے تابع بنتے ہیں۔ رسم الخط پہلے اور قواعد و اصول اس کے بعد مرتب ہونے کی وجہ سے دیا کے ہر ایک رسم الخط میں نقص موجود رہتے ہیں اور مجبوراً ان کو گوارا کرنا پڑتا ہے۔

آج کل سائنس اور ٹیویجر کی تیر گھائی کی بدولت یہ ناممکن ہو گیا ہے کہ تصنیف و تالیف کی اشاعت قلمی یا شنگی پریس کی چھپی ہوئی کتابوں سے ہو سکے بلکہ ہر زبان کی ترقی کیلئے لازمی و ضروری ہو گیا ہے کہ اس میں ناپ اور مائیں راہٹر موجود رہیں۔ اور یہ دونوں اسی صورت میں کارآمد اور مفید ہو سکتے ہیں جب حروف اور اعداد کی تعداد جہاں تک ممکن ہو کم رہے تاکہ کمپوزیٹر اور ٹائپ راہٹر کا کام آسانی سے کام کر سکے اور تمام حروف اس کے ذہن نشین رہیں حروف و اعراب کی تعداد اور سیاق و سباق کم ہو سکتی ہے جب حروف مفرد صورت میں لکھے جائیں اور اعراب بھی بشکل حروف لکھے جائیں آج کل تمام یورپین زبانوں نیز چینی۔ جاپانی۔ بنگالی۔ مرہٹہ۔ گجراتی۔ انگریزی زبانوں کا کتابی رسم الخط اسی طریقہ پر بنایا ہوا ہے اور اسی لئے ان زبانوں کو جو ترقی نصیب ہو رہی ہے وہ محتاج مایاں نہیں۔

عربی۔ ترکی۔ فارسی اور رسم الخط مرکب حروف میں

اگرچہ ان زبانوں کیلئے خط نسخ کا ٹائپ جس کو عربی حروف کہتے ہیں زمانہ دراز سے متعلق ہے اور چند سال سے اس کا ٹائپ ایئر بھی بن چکا ہے۔ مگر جو آسانی فخر حروف میں لکھے جانے والے ٹائپ میں پائی جاتی ہے وہ اس میں مفقود ہے نیز اکثر فارسی وار و نحو اس کو سکھانے کا شکل پڑھ سکتے ہیں۔

نستعلیق کا ٹائپ تو بالکل نہیں بن سکا ہے۔ ان دشواریوں کو رفع کرنے کے لئے ایک طویل عرصہ سے بعض عیسائی مسلمانوں نے اس طرف اپنی توجہ مبذول کی ہے اور ان ہی دشواریوں کو بتایا کہ جو سببات تھوڑے آگرہ و اودھ کے ہندوؤں نے پروفیشنل گوٹنٹ کا یہ حکم بارہ سال پیشتر حاصل کر لیا ہے کہ کاغذات و مطبوعات سرکاری میں جو ہاں جہاں اردو بہ خط نستعلیق لکھی جاتی ہے وہاں ناگری حروف میں بھی لکھی جائے۔

سب سے پہلے اس کا خیال سر جان مالک کو آیا اور اس کے متعلق انہوں نے ایک کتاب بھی لکھی۔ پھر ایک ایرانی امیر نے اس کیلئے عملی کوشش کی اور آخر میں یہی چارہ کار بتلایا کہ پریس کیلئے مفرد حروف اعراب کے ساتھ لکھے جائیں اور اسی طریقہ پر انہوں نے گلستان کو شائع کیا۔ مگر اس کوشش کو ملکات میں میں رواج عام نہ حاصل ہو سکا۔

تقریباً پندرہ سولہ سال پیشتر سرکار اصفہان نے نستعلیق خط کا ٹائپ تیار کرانے کی کوشش کی اور اس کام کو انجام دینے کیلئے ایک کمیٹی قائم کی گئی جس کے سربراہ مولوی محمد عزیز صاحب تھے۔ مگر مولوی محمد عزیز صاحب ایک وقت یہ فراموش تھے کہ خط نستعلیق کا ٹائپ بنانے میں اس قدر دشواریاں نظر آئیں کہ اس کے بنانے کا خیال بھی ترک کر دیا گیا اور اس کے ٹائپ کیلئے ... حروف اور مرکبات بنانے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس قدر کثیر التعداد ٹائپ کو جنکر جانا قریب قریب ناممکن ہے۔ اگر ٹائپ بن بھی جائے تو اس قدر گران قدر

اوسکی شیان شدہ کتابت پر غاید ہونگے کہ چمک اوسکی متعلیٰ نہ ہو سکیگی۔
اردو ناگری کے ناخوشگوار جھگڑے کی بدولت ہندوستانی مسلمانوں کو اصل
رسم الخط کا خیال آیا۔ غالباً مولوی نظام الدین حسن صاحب سابق جج ہائیکورٹ
سہکار آصفیہ پہلے ہندوستانی مسلمان میں جنہوں نے اس کے متعلق ایک مختصر کتاب
لکھی اور طریقہ اصلاح چمک کے سامنے پیش کیا۔ صاحب موصوف نے بھی یہی
علاج بتایا کہ مفرد حروف اعراب کے ساتھ لکھے جائیں۔

اسی زمانہ میں مرزا محمد بیگ صاحب آج نے ایک رسالہ موسوم ”توابع طالعہ“
شیان کیا جس میں اصلاح کی تدبیر بتائی گئی کہ اعراب اور علامات واضح طور پر لکھی جائیں
اسی زمانہ میں محمد حسن الباقی نے مصر میں اس بحث پر ایک عربی کتاب لکھی اور
یہی رائے دی کہ حروف مفرد حالت میں لکھے جائیں اور ہر حرف صحیح کے بعد اعراب
بھی حروف کے ہی سلسلہ میں مثل زبان انگریزی لکھے جائیں۔ موجودہ طریقہ پر
اور پریشی نہ لکھے جائیں۔

ان سب کے بعد مولوی سید محمد یوسف الدین صاحب نے اپنی توجہ اس
مذہب کی اور تقریباً تین سال تک مسلسل محنت اٹھانے کے بعد ایک نیا
رسم الخط اجا کیا ہے اور اس کا ٹائپ اور ٹائپ رائٹر بھی اپنے ذاتی خرچے سے
تیار کرالیا ہے۔ اپنی تحقیقات کے نتائج اور نئے رسم الخط سے چمک کو متعارف
کرائے کیلئے انہوں نے ایک کتاب الخط الاسلامی شیان کی ہے جس پر ہم اس وقت
ریویو کر رہے ہیں۔

کتاب کے ابتدائی حصے میں انہوں نے اسلامی خطوں کی تاریخ اور ان کے
اصول و نکات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اردو زبان میں اس بحث پر
بجز مولوی نظام الدین حسن صاحب کے ایک مختصر مضمون کے اور کوئی چیز
موجود نہ تھی۔ اب مولوی سید محمد یوسف الدین صاحب نے ایک قیمتی
انضافہ اردو میں کیا ہے البتہ اسکے ساتھ ایک کمی یہ رہی ہے کہ جن جن

خطوط کے حالات لکھ گئے ہیں اور ان کے نمونے نہیں بتاؤ گئے ہیں۔ اگر اساتذہ فن کے عمدہ ترین قطعات ہاٹ ٹون تصویروں کے ذریعہ سے اس کتاب کے ساتھ شائع کئے جاتے تو یقیناً بہت دلچسپی کے موجب ہوتے اور ایسے قطعات کا حاصل و شائع کرنا مولوی سید محمد یوسف الدین صاحب نے نہ ہی وجاہت اعلیٰ انفر کیلئے دشوار نہ تھا۔

اس کے بعد تفصیل یہ بتایا گیا ہے کہ رسم الخط میں کیا کیا نقص ہیں تفصیل کا اجمال حسب ذیل ہے۔

- (۱) مفرد حروف باہم ہم قیامت و ہم حیثیت نہیں ہیں (پ، پو، ال، اک) (ث)
- (۲) مفرد حروف کو مرکب لکھنے سے انکی اصلی صورتیں اس قدر بڑھ جاتی ہیں کہ ان کا سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے مثلاً ”ج“ میں ب کی شباهت طاق اقی نہیں پتی ہے اور چھاپنے میں کثرت تعدا کی وجہ سے ضرورت سے زیادہ وقت صرف ہوتا ہے۔
- (۳) بعض حروف کا تلفظ مونہ سے تو ادا کیا جاتا ہے مگر اوسکی کوئی خاص شکل نہیں ہے جیسے فون غنہ۔ واو مجھول۔ یاے معروف۔ اے مختلف وغیرہ
- (۴) اسبیطح بعض اعراب کا تلفظ مونہ سے ادا کیا جاتا ہے مگر اوسکی نہ تو کوئی صورت معین ہے نہ نام۔

(۵) حروف پر حرکات نہ لکھنے کی وجہ سے کسی لفظ کا صحیح تلفظ ادا کرنا مشکل ہے مثلاً لوٹنا۔ ملنا۔ گل۔ گل۔ گل۔ وغیرہ

مذکورہ بالا نقصانات کو دور کر نیکاً ذریعہ مولوی صاحب کے پاس بالکل اموزگار

- (۱) حروف کی وضع و حیثیت میں بقدر ضرورت تبدیل کی جائے تاکہ تمام حروف ہم قیامت و ہم حیثیت ہو جائیں۔

(۲) حروف بالکل مفرد حالت میں لکھے جائیں اور انکی شکل ہمیشہ ایک ہی رہے ایسی نہ ہو جیسے ترکیبی حالت میں بدل جاتی ہے۔

(۳) جن حروف کی آواز مونہ سے نکالی جاتی ہے اور کتابت میں انکی کوئی

خاص صورت نہیں ہے اور کئے لئے نئی صورتیں وضع کی جائیں یا موجودہ حروف پر کوئی خاص امتیاز بڑھا کر وہی کام میں لائے جائیں۔

(۴) اعرابی حیثیت سے جتنے سُزموں سے نکلتے ہیں اور تمام کے نام رکھے جائیں اور ہر ایک کی ایک خاص صورت وضع کی جائے۔

(۵) ہر حرف پر حرکتیں لکھی جائیں۔

(۶) ہر حرف اعراب بجا اس کے کہ نیچے یا اوپر لکھا جائے۔ حرف صحیح کے بعد لکھا جائے۔

مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ ان اصلاحات کا نتیجہ یہ ہو گا کہ چھاپنے کیلئے اتنے ہی ٹائپ کافی ہونگے جتنی حروف صحیح اور حروف اعراب کی تعداد ہوگی اور ٹائپ رائٹر بھی بنالیا جائیگا جواب تک نہیں بن سکتا ہے۔

اس کے بعد کتاب کے تقریباً دو ثلث حصہ میں سنسکرت۔ فارسی۔ عربی۔ انگریزی حروف اور اعراب کا مقابلہ اور دو کے حروف اور اعراب سے کیا گیا ہے کہ اور زبانوں میں بمقابلہ اور دو کون سے حروف و اعراب زیادہ ہیں اور کون سے حروف و اعراب کم۔ تاکہ اس مقابلہ کے بعد جو حروف و اعراب دو میں نہیں ہیں وہ بڑھائے جاسکیں۔ اور طول طویل بحث کے بعد اضافہ حروف و اعراب کئے بارہ میں حسب ذیل خیالات ظاہر کئے گئے ہیں۔

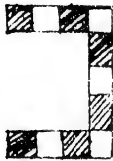
سنسکرت۔ عربی۔ انگریزی۔ زبانوں میں سے کوئی حرف قابل اضافہ زبان اردو میں نہیں ہے۔ البتہ فارسی کے پانچ حروف فون غنہ۔ واو معدولہ واذ مجھول۔ ہائے مختفی۔ یاے مجھول کیلئے جو اس وقت بھی اردو میں متال کئے جا رہے ہیں (مگر ان کیلئے خاص شکلیں نہیں ہیں) خاص شکلیں تجویز کرنا یا موجودہ حروف میں کسی قدر امتیاز پیدا کرنا چاہیئے۔

اعراب کیلئے بھی انگریزی سے کوئی چیز لینے کی ضرورت نہیں ہے اردو میں جس قدر اعراب موزن سے نکالے جاتے ہیں اونکی کل تعداد ۲۳ ہے

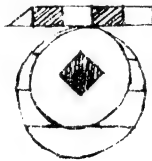
معرنی کے۔ انارسی کے اور مسکرت کے اس لیے ان سب کے واسطے اشکا وضع کئے جائیں۔ چونکہ موجودہ اسلامی خطوط میں کوئی خط ایسا نہیں ہے جسکا حروف ہم قاست و ہم نشیت ہوں اسلامی کل اعراب و حروف کے اشکا نئے وضع کئے جائیں۔ اس کیلئے خط ثلث و کوئی سے مدد لی جائے۔

ان سببہ تصنیف است کہ بعد مولوی صاحب نے یہ ظاہر کیا ہے کہ ان تمام ضرورتوں سے جو اوپر نہ کہ ہوئیں ہیں جو کیا کہ ایک نیا خط اختراع کریں جس میں وہ تمام رعایتیں ملحوظ ہوں جسکا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ مولوی صاحب نے اس خط کا نام بہ رعایت سلطنت آغنیہ نظامیہ خط نظامی رکھا ہے

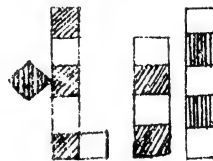
اس کتاب میں خط نظامی کے تمام حروف و اعراب کے اشکال و حدود لکھے گئے ہیں مگر نمونہ کسی عبارت کو اسی خط میں نہیں لکھا گیا ہے۔ ضرورت تھی کہ کم از کم دو چار صفحوں میں خط نظامی کا نمونہ بتایا جاتا جس سے واضح طور پر نئے خط کا حسن و قبح ظاہر ہو جائے کتاب میں یہ لکھا گیا ہے کہ ایک فہم اس خط میں طبع کوایا گیا ہے۔ (اڈیٹر) بہتر ہو گا کہ الخط الاسلامی اور اس نسبت کا ایک ایک صفحہ مولوی صاحب تمام اردو رسائل و اخبارات کو عنایت فرمائیں اس غرض سے کہ ناظرین سے خط کے صورت شناس نہیں ذیل میں اس کے حروف صحیح و اعراب کے اشکال لکھے جاتے ہیں۔



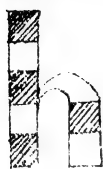
دال



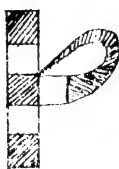
جیم



الف ہمزہ - ب



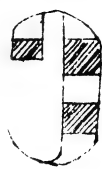
د



صاد



سین



ز



کاف



قاف



ف



عین



واو



نون



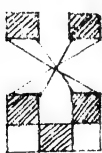
میم



لام



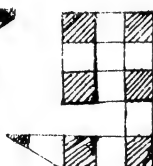
راء



تاء



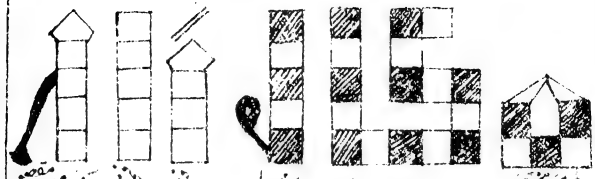
ذال



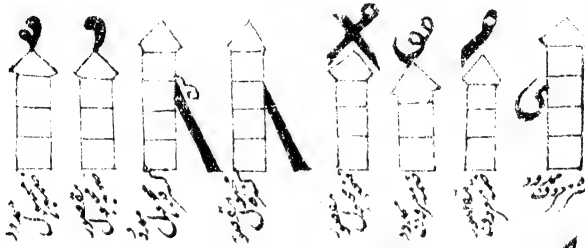
زائ



سین



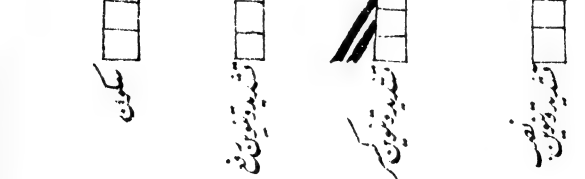
مربع حیات یات معروف یات معروف یات معروف یات معروف یات معروف



مربع حیات مربع حیات مربع حیات مربع حیات مربع حیات مربع حیات مربع حیات



مربع حیات مربع حیات مربع حیات مربع حیات مربع حیات مربع حیات مربع حیات



مربع حیات مربع حیات مربع حیات مربع حیات مربع حیات مربع حیات مربع حیات

مولوی صاحب کا دعویٰ ہے کہ دنیا خط اس بات کی کفالت کرتا ہے کہ اگر دنیا ہر کی زبانیں نہیں تو کم از کم سنسکرت، انگریزی، عربی، فارسی، انگریزی کے جس لفظ کو چاہیں اصلی تلفظ کے ساتھ اس میں بے تکلف نقل کر سکتے ہیں اور کسی لکھنے پڑھنے والے کو یہ دشواری نہیں پیش آتی کہ کسی حرف یا اعراب کو اس کے اصلی تلفظ کے ساتھ اور اکرے میں تامل ہو۔ بلکہ ہر زبان کا لفظ اسی تلفظ میں لکھا اور بولا جاسکتا ہے۔

مولوی صاحب نے نئے خط کو وضع کرنے کی ایک اور وجہ یہ بھی بتائی کہ خطاطی یا کتب مستقل اور مشکل فن بن گیا ہے۔ موشگافیوں کے باعث اسکے ماہر اور کامل الفن استاد ہر زمانہ میں کم گذرے ہیں۔ مرید جب خطوط کا لکھنا ہی ریاضی قاعدہ کے تابع نہیں آتا ہے بلکہ بالکل لکھنے والے کی مشاقی اور نظر پر منحصر ہے۔ اس کے برخلاف ان کا خط نظامی اصول ریاضی پر مرتب کیا گیا ہے۔ اور ہر نقشہ نگار آسانی اور سہولت اس کو سہولت کے ذریعہ سے واضح اور عمدہ شکل میں لکھ سکتا ہے۔

کتاب کے چند آخری صفحات میں مولوی صاحب نے موجودہ خطاطی کی خوبی کے عنوان سے چند باتیں لکھی ہیں اور بتایا ہے کہ اس کی قابل قدر خوبی یہ ہے کہ اس میں اختصار بہت ہے۔ یہ ایک وصف ہزار وصف کے برابر ہے اسی صفت سے ہمارا موجودہ خط سنسکرت، ہندی، پہلوی، انگریزی ان تمام خطوط سے ممتاز ہے اس امتیاز میں وہ شارٹ ہندو ٹیگ کے قریب قریب ہو گیا ہے غالباً اصناف خط عربی کا منشا یہ تھا کہ اس خط کو کاروباری لوگوں کیلئے کارآمد بنائیں کہ ان کا وقت اور کاغذ لکھنے میں زیادہ صرف نہ ہو۔ صفت اس میں ضرور ہے انگریزی اور سنسکرت میں یہ بات نہیں ہے اسی وجہ سے اس کی تعلیم و تعلم کو ہم ان نقصانات اور دشواریوں کے ساتھ بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ کیونکہ وہ کاروباری لوگوں خصوصاً حکام اور وکلاء اور ایڈیٹران

انبار کیلئے بہت کام آ رہا ہے یہ ایک سن اتفاق ہو کہ پہلے سے ہمارا خط شارٹ
بنڈہ راشننگ کا قیام مقام ہو اگر ہمارا خطاطوں نگاری میں ویسا ہی ہوتا جیسا کہ
سنگرت یا انگریزی ہو تو ہم ناگزیر آج شارٹ بنڈہ ریٹنگ کو سیکھنے کی کوشش کریں
مگر ہمارے موجودہ خط نے ہم کو اس سے مستغنی کر دیا ہے۔

مذکورہ بالا عبارت کو جب صفحہ ۷۷ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے جہاں یہ لکھا گیا کہ
”حروف کے غیر معرب ہونے کی وجہ سے کسی لفظ کا صحیح تلفظ ادا کرنا دشوار ہو گیا ہے یہ
بڑا نقص ہے یہ ضرر اس نفع سے بدرجہا زیادہ ہے جو مختصر نگاری میں ہو تو دونوں
کا مطلب صاف صاف سمجھ میں نہیں آتا۔ اس کے بعد قواعد جامعہ یہ میں مرزا اوج تھا
نے جو طریقہ اصلاح رسم الخط کا لکھا ہے اس کو باختصار بلا کسی اظہار رائے کے
لکھ کر رسالہ کو تتمہ کر دیا گیا ہے۔

یہ ہے ایک مختصر سا خلاصہ ”الخط الاسلامی“ کا اور ان کوششوں کا جو اصلاح
رسم الخط کے متعلق اب تک عمل میں آچکی ہیں۔

اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ خط نظامی فی نفسہ کیا ہے اور وہ عام طور
پر مروج بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟

دنیا میں سب سے زیادہ مشکل کام اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ کسی ترقی یافتہ
مروج زبان۔ اور اس کے رسم الخط کی اصلاح ہو۔ کیونکہ زبان یا خط کسی قاعدہ
یا اصول پر نہیں وضع ہوتے ہیں اونکی بنیاد بیقاعدگی پر پڑتی ہے اور جب قیثرت
تو عدم مرتب ہونے لگتے ہیں تو وہ خط یا زبان کے تابع ہی رہتے ہیں۔ دنیا میں کوئی
زبان یا کوئی رسم الخط ایسا نہیں ہے جس میں کچھ نہ کچھ نقص اور عیوب موجود نہ ہو
انگریزی اور اس کے رسم الخط کو ایچے آج دنیا بھر میں انگریزی سے زیادہ ترقی یافتہ
اور مروج زبان کوئی موجود نہیں ہے مگر اس کے باوجود وہ اس قدر بیقاعدہ اور اس
درجہ بے اصول ہے کہ اس کا اعتراف ہر انگریزی خوان کرنا ہے نہ تو حرف ہی
کانفی میں نہ اعراب ہی پورے ہیں لکھا کچھ جاتا ہے اور اس کو پڑھا کچھ جاتا ہے

ایک ہی اعراب سے کہیں کچھ آواز نکالی جاتی ہے اور کہیں کچھ ان خامیوں کے متعلق خود مولوی سید محمد یوسف الدین صاحب نے بحث کی ہے۔ باوجود ان مشکلات کے کروڑوں اشخاص اس کو سیکھتے ہیں اور کچھ عرصہ کے بعد بولنے اور لکھنے پر قادر ہو جاتے ہیں۔ رسم الخط کی امتریوں سے خود انگریز واقف ہیں اور ان کے لائق ترین فضلاے السنہ کو شش کر رہے ہیں کہ اصلاح ہو جائے۔ اور اصلاح کے ذرائع اور طریقے مضبوط ہو چکے ہیں ان کے راج کیلئے علاوہ بہت سے لوگوں کے مشیر اسٹیڈنٹ اور ٹیچر ریویو آف ریویو فور جیسا قابل مستعدی اثر عالم ان تھک کو شش کر رہا ہے مگر رواج عام کے سامنے کچھ پیش رفت نہیں جاتی پریسیڈنٹ روز ولٹ نے چار پانچ سال قبل حکم دیدیا تھا کہ یونائیٹڈ سٹیس (امریکہ) کے تمام سرکاری تحریکات اور کاروبار میں اصلاح شدہ رسم الخط عام کیا جائے۔ مگر ایک ہی سال کے بعد یہ ظاہر ہو گیا کہ اصلاح دشوار ہے اور ایسا بنا پر بلا حکم منسوخ کر دیا گیا۔ اور پرانا رسم الخط دوبارہ مروج ہو گیا جبکہ انگریز اور امریکن باوجودیکہ آج علم و ہنر کے مالک ہیں لکیر کے فقیر نہیں بنے رہتے اس بات میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں کہ بجائے اس لفظ کے جو لکھا جاتا ہے مگر بولانہیں جاتا یہ کیا جائے کہ وہی لفظ لکھا جائے جو بولاجائے تو ہندوستان میں نہ صرف ہندوستان بلکہ کل عربی فارسی اردو ترکی بولنے والوں میں از سر تا پا نئے رسم الخط کا رواج جو ہر حرف و صوت میں مع اعراب لکھا جائیگا دشوار ہی نہیں بلکہ نامکن ہے۔ (اڈیٹر) مجھے اس خیال سے اتفاق نہیں ہے۔ اگر کوئی سچی چیز یورپ اور امریکہ میں فروغ نہیں پاسکی ہے تو ضرور نہیں ہے کہ وہ ہمارے ملک میں بھی رواج نہ پاسکے۔ حالات مختلف ہیں۔ اس وجہ سے نتائج بھی مختلف ہونگے اگر فی الوقت ہماری دسی کتاب میں خط نظامی میں چھاپ کے۔ اس پر شہر عالی جائیں اور دس پندرہ سال کے بعد سرکاری تحریک میں بھی اسی خط میں شائع ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ خط نظامی کم از کم قلم و نظام میں رایج نہ ہو جائیگا

اگرچہ اصولاً مفرد حرف کا مع اعزب لکھا جاتا ہی رسم الخط کا صحیح طریقہ ہے لیکن عملاً سب سے پہلا نقصان یہ ہوگا کہ مختصر نویسی باقی نہ رہی گی جسکے متعلق خود مولوی سید محمد یوسف الدین صاحب نے تفصیلی بحث کی ہے۔ کاروباری لوگوں کیلئے جس قدر مختصر نگاری کی ضرورت ہے وہ ظاہر ہے۔ خط نظامی اختیار کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وقت کا غدر نہ سیاهی نہ زیادہ صرف ہوگا (اڈیٹر :- اس کا دفعیہ یوں ہو سکتا ہے کہ کاروباری خط لکھ کر جواب ہے۔ اور خط نظامی صرف کتابوں اور مطبوعات کیلئے مختص کر دیا جائے) دوسرا نقصان یہ ہے کہ اگرچہ سمجھدار اور تعلیم یافتہ لوگ دو تین ماہ کی مشق میں نیا خط نظامی سیکھ جاسکتے ہیں لیکن عام علم یافتہ جو موجودہ خط کو مشکل سمجھ سکتے ہیں نیز عورتیں اور بچے اویسی قدر مشکل سمجھتے اس نئے خط سے واقفیت پیدا کرینگے جس قدر کسی نئی زبان کو سیکھنے میں پیش آتی ہے (اڈیٹر :- یہ خرابی موجودہ نسل تک رہیگی اوس کے بعد نہیں) اس خط کو ملک میں رواج دینے اور پھر شخص کو اس سے واقف بنانے کیلئے ہزاروں لاکھوں کتابوں کی ضرورت ہوگی اور ان کیلئے ایک عظیم رقم صرف کرنی پڑیگی۔ یہ رقم جہاں سے آئیگی درحالیکہ اہل ملک کیلئے ایسے پیسوں کی فریض باقی میں جنہیں روپیہ کا صرف اس سے زیادہ ضروری ہے (اڈیٹر :- مدہ کتابیں جو لوگ چھپوینگے ان کے جیب اس رقم کی کفالت کر سکتے ہیں)۔

تیسرا نقصان یہ ہے کہ موجودہ رسم الخط کی لکھی ہوئی لاکھوں کتابیں اور دفتری عربی کی جواب تک بارہ سو سال سے لکھی جا رہی ہیں وہ کیا بچے (اڈیٹر :- جب تک ان کا کاغذ فرسودہ نہ ہو کام میں آتی رہیگی) موجودہ نسل کو جو موجودہ رسم الخط سے واقف ہے یہ ضرورت نہ ہوگی کہ خط نظامی میں یہ سب کتابیں نقل ہو کر اوسکو دی جائیں مگر آنے والی نسل کیلئے کیا کیا جائیگا یا تو قرآن شریف جدید تفسیر فقہ عقاید صرف نحو۔ تاریخ ادب

فلسفہ حکمت۔ غرض ہر ایک موجودہ کتاب کو خط نظامی میں شائع کرنا
 ٹریکا ورنہ ہماری آئندہ نسل اور وحشی قوموں میں بہت کم فرق ہوگا اور اسکو
 از سر نو علوم و فنون کو سیکھنا پڑیگا اور علوم و فنون کو نئے رسم الخط میں
 قتل کرنے کیلئے کڑوڑوں روپیہ کے مصارف کی ضرورت ہوگی مثلاً قرآن مجید
 کو لیجئے جس کے کم از کم پچاس لاکھ نسخے ہندوستان کے سات کڑوڑ مسلمان
 کے پاس موجود ہونگے یہ خیال کیجئے کہ نئے پچاس لاکھ قرآن شریف خط نظامی
 میں طبع کرنے کیلئے کس قدر وقت اور کس قدر مصارف عاید ہوں گے۔
 (اڈیٹر۔ موجودہ اور آئندہ زمانہ میں اگر مطابع یہ تمام کتابیں خط نظامی میں
 چھاپیں تو کافی ہے۔) پھر موجودہ قرآن شریف بہ جز دفن کر دینے با
 تبرک کیلئے رکھ چھوڑنے کے کیا کیئے جاسکتے ہیں (اڈیٹر۔ موجودہ نسلوں
 کے کام آئیں گے) اگر یہ کہا جائے کہ آئندہ نسل کو بھی دونوں قسم کے رسم
 یعنی نستعلیق و نظامی دونوں سکھائے جائیں گے تو پھر کیا حاصل دوسری
 محنت اور نو کرنی پڑیگی اور تاویل و دو عملی میں ادنیٰ جان بچھسن جائیگی اور اڈیٹر
 صرف خط نظامی سکھایا جائے تو کیا کافی نہ ہوگا) نیز موجودہ نسل کی
 غیر قوموں کو جو اردو سیکھنا چاہیں کون سا خط سکھایا جائیگا اگر ان کو
 نیا خط بتایا جائے تو بہ جز خط کے وہ کیا حاصل کر سکیں گے۔ زبان اور لہجہ
 واقف ہونے کیلئے موجودہ خط کا جاننا لازمی رہیگا۔ پھر پچاس روپے دوسری محنت
 میں کیوں گزار رہوں؟ دونوں قسم کے خط سیکھنے سے ہمارے رسم الخط کی
 ایک بے نظیر خوبی کہ کتابی اور تحریری حروف ایک ہی ہیں بالکل جاتی بیٹی
 (اڈیٹر۔ جب مطابع تمام کتابوں کو خط نظامی میں چھاپنے لگیں گے اور
 ٹائپ کے سبب بہت سستے میں چھاپیں گے تو یہ تمام خرابیاں دور ہو جائیں گی)
 ہم سولوی سید یوسف الدین صاحب سے یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر
 مفرد حالت میں حروف مع اعراب کا لکھا جانا مناسب و ضروری ہی

ضمیمہ تعلیمات

واقع ۲۸ فروردی ۱۳۸۰ھ

نقل اساتذہ و قریظا امت تعلیمات ممالک و سرحدیں عالی

۱۳۸۰
نشان

مقدمہ

منجانب انظم صاحب تعلیمات ممالک و سرحدیں عالی طلبہ مطلوبہ جات سامان ضروری متعلق مدارس
ذریعہ حدیثہ صابان مدارس بلکہ و اسامات { ملول پراکری علاوہ شاہی ہنول بیج اسکول
بقدمہ مندرجہ حدیثہ تعلیم جی کہ براہ کرم اپنے اپنے صوبہ کے جیلہ اسٹریٹ صاحبان کو فریٹ
ملی اسکول فریٹ گریڈ مل اسکول و صدر مدرس صاحبان مدارس مومن آباد بنگلوی
پن مٹھواریہ کھم پیہ کو ایک ایک مطلوبہ سامان صبح ذیل کا جسکی مدارس مذکورہ میں
فی الحال ضرورت ہے اپنے اپنے دفتر پر پیش کر نیکاکم فرمایا جاسکے۔

بلاک بورڈ اید لزمینہ مدرسین کی سیایا الماریاں قابل استعمال دفتر و دیگر
اشیائے ضروریہ (گلوب نقشہ جات تصاویر آلات علم طبعی کتب برائے کتب خانہ
ڈسکینج) فرش بوریا اس مطلوبہ میں شریک نہ ہونا چاہئے مطلوبہ جات مذکورہ الصدا
بزرگان انگریزی وارڈو اس بیج سے مرتب ہونے چاہیں کہ جب وہ آپ کے توسط
سے دفتر پذیر وصول ہوں تو بصورت ضرورت اصلاً بطریق انفرادی یا اجتماعی
بفرض منظوری حکمہ سرکار پر پیش کی جاسکیں۔

مغنی نہ رہے کہ ترتیب مطلوبہ جات میں ہر قسم کے فریج پر کا امتداد یعنی طول عرض
بصرحت دہج ہونا چاہیے اور موجودہ سامان مدرسہ کی بھی تفصیل بتانی چاہیے تاہنا
اس بات کا بھی اظہار کرنا چاہیے کہ جو نسخ نامی سامان کے متعلق پیش کی جائیں وہ کسی
فرم کے ہیں اور مطلوبہ سامان کہاں سے کس قیمت پر فروخت ہو سکتا ہے۔

مشرعہ دستخط

سید الطاف حسین مددگار ناظم تعلیمات

مراسلہ دفتر نظامت تعلیمات ممالک محروسہ بنگالہ علی

واقع ۲۳ فروردی ۱۳۲۰ء

۱۷۰۵
نشان

مقدمہ

منجانب ناظم صاحب تعلیمات ممالک محروسہ بنگالہ علی { واپسی کتاب الرائے بدرجہ متعلقہ خدمت صدر مہتمم صاحبان مدارس بلدہ و اسمات } اندرون یک ہفتہ بعد ختم معائنہ بمقدمہ مندرجہ صدر نگارش ہے کہ یہ بات اکثر و بیشتر دیکھی گئی ہو کہ کم و بیش جملہ صدر مہتمم صاحبان اسمات بعد ختم معائنہ مدارس کتاب الرائے بخرض اندراج رائے اپنے ہمراہ لیجانے میں اور اوسکی واپسی میں ضرورت سے زائد مہینوں تعویق روا رکھی جاتی ہے جو اصولاً و عملاً نا درست ہے اس لئے کہ مدعا علی معائنہ یہ ہونا چاہیے کہ جو تقاضا و اسقام معائنہ کے وقت تعلیم و یا انتظام مدرسہ کے متعلق معلوم ہو جائیں اور اسکا ارتقاء و افادہ بروقت عمل میں آئے اور یہ باحسن وجوہ جب ہی ممکن ہے کہ صدر مدرس متعلقہ کو بعجلت ممکنہ اون پر وقوف حاصل ہو لیکن بدیر واپسی کتاب مذکور میں یہ غرض ایک بڑی حد تک مفقود ہو جاتی ہے قطع نظر اسکی کسی دوسرے افسر مجاز کو معائنہ مدرسہ کے وقت عدم موجودگی کتاب الرائے سے مدرسہ کی اصلی حالت سے بیگانگی رہتی ہے اور اس بد عملی کی وجہ سے وہ مدرسہ کے نظم و نسق ضبط و انتظام اور تعلیم و تعلم کے متعلق صحیح اور قطعی رائے قائم کرنے سے محذور رہتا ہے نظم و نراں بذریعہ پڑا ترسیم ہے کہ آپ صاحبان جب کبھی کسی مدرسہ کی کتاب الرائے اپنے ہمراہ کسی خاص وجہ سے لیجائیں تو مناسب ہو گا کہ تاریخ ختم معائنہ سے ایک ہفتہ کے اندر کتاب مذکور بدرجہ رائے مدرسہ متعلقہ پر واپس کر دیا کریں اور باظہار حالات خاص جسکی اطلاع راست محکمہ یا پر مہولی چاہیے دوسری ہر حالت میں مدت مقررہ بالا سے مطلقاً تجاوز نہ ہونا چاہیے

شرح دستخط

سید الطاف حسین مددگار ناظم تعلیمات

نقل رسالہ دفتر نظامت تعلیمات ممالک محروسہ سرکاری

واقع ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ

۱۳۸۴
نشان

مقدمہ

منجانب ناظم تعلیمات ممالک محروسہ سرکاری عالی
خدمت صدیقہ ہم صاحبان مدارس بلدہ و است
آپ کے مدرسہ میں جو اخبارات یا رسالہ جات اپنے وقت معینہ پر وصول ہو کر یں سبکی
اطلاع براہ مہربانی فوراً ایک مناسب صورت تک انتظار کر کے اس محکمہ پر دیجایا کرے
تاکہ یہاں سے بہتر اخبار یا رسالہ متعلقہ کو اس امر کی اطلاع دیکر آئندہ کے واسطے
انہیں تنبیہ کیا جایا کرے نیز جو پہلے نہیں پہونچے ہیں وہ بھی بھیجنے کیلئے انہیں
لکھا جایا کرے سرکار سے جو چندہ ادا کیا جاتا ہے وہ پورے سال کا ہوتا ہے اور
کوئی وجہ نہیں ہے کہ اخبارات اور رسالہ جات برابر وصول نہ ہوں۔
ایک ایک ٹنٹی پیسے غرض صدر مدرس صاحبان ہائی اسکول بلدہ و اضلاع
و مدرسہ نسوان اعزہ کے دفاتر پر روانہ کیا گیا۔

شرح دستخط

سید الطاف حسین صاحب پرنسپل مدرکات نظام تعلیمات

نتیجہ امتحان مڈل اسکول سرکاری عالی بابۃ ۱۹۱۷ء
چادر گھاٹ ہائی اسکول

شریک ۸ کامیاب ۱۳	۲۹	سید محمد قمر الزماں
۳ بشیر احمد	۳۰	سید محمد شفاعت حسین
۱۴ محمد عبدالرحمن	۳۳	انندی دین
۲۲ محمد ارشاد الحق	۴۵	ناراین گلچمن پٹان کر

۴۹	ٹی گویند راو دیسپانڈی	آل سینٹ ہائی اسکول
۵۲	سید علی احمد	شریک ۴ کامیاب ۸
۶۰	گویشور کرشنا راو	عبد السلام خاں ۱۰۵
۶۱	سی راگھو لوچکر مائی نائیڈ	محمد سراج اللہ حسین ۱۰۷
۷۱	زنگا چاری گوپال چاری	محمد وزیر الدین ۱۰۹
۷۲	آر وکٹ رامنا راو	سید عبدالقادر ۱۱۰
	سٹی ہائی اسکول بلدہ	محبوب راج ۱۱۱
	شریک ۱۶ کامیاب ۷	چھیل داس ۱۱۲
۷۰	محمد نور اللہ	سید حسن الدین ۱۱۳
۷۱	محمد روح اللہ	سید غوث الدین ۱۱۵
۸۲	احمد حسین	مدیرہ اعزہ شریک ۴ کامیاب
۸۴	فیض حسین	سید محمد موسی زیدی ۱۱۹
۸۹	محمد عبدالرحیم	مدیرہ صفیہ الانام شریک ۹ کامیاب
۹۲	سید حسن جعفر	عباس علی خاں ۱۲۱
۹۴	وٹاری بابا راو گوڈ سے	دھرم راج ۱۲۳
	رزیڈنسی اسکول حب آریا	ڈی دیوی پرشاد ۱۲۴
	شریک ۸ کامیاب ۶	سید ابراہیم ۱۲۹
۹۵	محمد عاتق خاں	مدیرہ ویدک دھرم پور کاشنکا
۹۶	محمد خواجہ رحیم الدین	شریک ۴ کامیاب ۱
۹۸	جی سرنیاس راو زنگا چاری	ہنمنت شام اوہ بھوکلے ۱۳۳
۱۰۰	کیشو رام کپ سامی	اسلامیہ بورڈنگ اسکول ملک
۱۰۱	کلور کینسلر پوراجیا	شریک ۷ کامیاب ندارد
۱۰۲	پانڈو رنگ راو شرانکر	مدیرہ صفیہ ملک شریک کامیاب

۱۳۱	خواجہ محمد بخش سیول انجمن رنگ اسکول شریک اکامیاب ندارد	ای۔ دی ٹیل اسکول جوئیگر شریک کامیاب ندارد نماگی طلبا
۱۳۲	۱۰۰ جوییل کرافٹ بائز اسکول ۱۰۰ شریک کامیاب ۱	عبد الحفیظ خان بشیر احمد
۱۳۳	وذا تعلیمات سیول یویم اسکول نظام آباد شریک کامیاب	۱۹۳ غلام احمد صدیقی ۱۹۹ غلام محی الدین خان ۲۰۰ حسن علی مرزا
۱۳۴	۲۰۶ جگوتہ سیدو باجو ۲۱۶ بی پد منا بہار او	۲۰۶ کرن پرشاد ۲۱۶ سیر منتظم حسین
۱۳۵	۲۲۰ یویم اسکول ناچو شریک کامیاب ۲۲۳ دھروانج سوار او	۲۲۰ محمد عبدالقادر ۲۲۳ محمد عبدالوہاب
۱۳۶	۲۲۵ سرخواس چاری ۲۲۶ یویم اسکول موہن آباد شریک کامیاب ندارد	۲۲۵ محمد ایوب ۲۲۶ محمد رفیع الدین ۲۳۱ محمد یعقوب
۱۳۷	۲۳۵ یویم اسکول نانڈی شریک کامیاب ۱	۲۳۵ شیخ احمد ۲۳۶ سید عباس حسین
۱۳۸	۲۵۳ غلام دستگیر نانڈی ٹیڈا دی اسلامیہ اسکول شریک کامیاب ندارد	۲۵۳ سید امداد حسین ۲۵۴ سید امتیاز حسین ۲۶۱ سید محمد جمعی
۱۳۹	۲۶۲ یویم اسکول گو لکنڈہ شریک کامیاب ۱	۲۶۲ سید محی الدین حسین ۲۶۴ سید ذکاوت علی ۲۶۵ سید ضامن سینی
۱۴۰	۲۶۶ مرزا محمد عابد حسین بیک	

محمد عبدالوارث	۳۱۴	سید یاور حسین	۲۸۹
چنابلی سیوری نارایا	۳۲۲	محمد صلاح الدین	۲۸۳
پاسرئی کما سامی	۳۲۶	۹۰ چاری سواکر	۲۸۵
پاسرئی زکنا بیگلر	۳۲۷	مکونشٹ ناریل اسکول سید آریا	
پاسرئی پانڈو ونگم	۳۲۹	شریک (۱) کامیاب	
یلا گویندر اچلو	۳۳۰	صغیر حسن	۲۸۶
ناب سنگلا فینیا	۳۳۱	خانگی طلبا	
نرالا کیشولو	۳۳۲	بلونت بارس	۲۹۳
سو ونگم گویندر اچلو	۳۳۳	جیپت سرینیت	۲۹۵
ونکی پورم ناگوا چاری	۳۳۴	داتاری منگی کر	۲۹۶
جوسف پھل	۳۳۵	گووندراو سرو وھونکر	۲۹۷
کنا شنبم دی کرشنا بائی	۳۳۷	شیو رام نگر اس	۳۰۳
یس - پی - جی - ای دی اسکول		داس دیوارا من راونکر	۳۰۴
سکندر آباد شریک - اکامیاب		سید غلام محمود	۳۰۶
سید احمد بیک	۳۳۷	یویم اسکول کرمنیک شریک کامیاب	
خانگی طلبا		خانگی طلبا	
درا ب ہرنجی بنگالی	۳۵۹	رام ناتھ چاکری	۳۰۸
ای - بی - یوڈل اسکول محبوب		سبراو کما ورپو	۳۰۹
شریک کامیاب ۲		محبوب کالج سکندر آباد شریک	
ملکلا پی لکشیہ	۳۸۶	کامیاب ۱۵	
پاسم ویلسم کرے	۳۹۹	جلدی جینا	۳۱۳
ایل - ییم - اسکول گلبر شریک		موتی لال	۳۱۴
کامیاب ۱		زمین العابدین	۳۱۶

کامیاب ۱	یویم اسکول شوراپور شریک کامیاب	۳۹۵
نارائن راو ۴۲۵	بنیم اسکول دیگر شریک کامیاب	
دی یو اسکول لیمت نگر شریک	بنیم اسکول لجاپور شریک کامیاب	
کامیاب ندارد	خانگی طلبا گلبرگ شریف	
طلبانواناث یم-ای-ای-دی	نارائن راو ۳۹۵	
گرل اسکول وقار آباد شریک	گووینٹ ہائی اسکول ونگ آباد	
کامیاب ندارد	شریک ۱۹ کامیاب ۸	
سینٹ اینس کاوندی ہائی	جہری بھائی ۳۹۸	
اسکول سکندر آباد شریک	تراب محی الدین ۴۰۰	
کامیاب ۲	قاتری راجندر بوجاری ۴۰۵	
ربنی تہا ۴۲۹	گوپال کرشنا بھالی ۴۰۷	
س صوفیہ مدرس ۴۳۰	کشن دھن رائے ساگر ۴۰۸	
یوروپین ہائی اسکول	قاتری بہار گوناٹل ۴۱۲	
بلازم	جہادیو کرشنا جوشی ۴۱۳	
شریک اکامیاب ندارد	نارائن سداشیو بوشی ۴۱۴	
مسلو گرل اسکول سکندر آباد	یویم اسکول اورنگ آباد	
شریک ۷ کامیاب ۲	شریک ۵ کامیاب ندارد	
جیورنل سمبول ۴۴۲	یویم اسکول پٹن شریک	
مڈے شٹا ۴۴۵	کامیاب ندارد	
	یویم اسکول پربھنی شریک	

منبریں

— مسٹر سٹین بی۔ ایچ پرنسپل نظام کالج حال وظیفہ یاب کوہ برہنہ رنے اورن طالب علموں کی نگرانی پر مقرر فرمایا ہے جو سرکاری خراج سے بغرض تعلیم انگلستان روانہ کئے جاتے ہیں۔ نگرانی کی تنخواہ تین سو چاس (۱۷۵) پونڈ۔ یعنی پانچ سو چار سو سو چاس روپیہ (۱۷۵) سالانہ مقرر ہوئی ہے۔ بشرطیکہ طالب علموں کی تعداد میں سے زائد ہو۔ زائد ہونے کی صورت میں فی طالب علم دس پونڈ ایک سو چاس روپیہ (۱۷۵) سالانہ کا الاؤنس زائد دینا پڑے گا۔

— وہ طلباء جو اپنے والدین کے خراج سے پڑھنے گئے ہیں۔ مسٹر سٹین کی نگرانی میں آنا چاہیں تو ان کے والدین کو باضابطہ درخواست سرکاری پیش کرنی ہوگی۔ درخواست منظور ہونے پر دس پونڈ (ایک سو چاس روپیہ) سالانہ پیشگی دینے پڑینگے۔

— اس نگرانی کی نسبت جو قواعد مرتب ہوئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں :—
۱۔ جو طلباء سرکاری خراج سے انگلستان بھیجے جاتے ہیں ان کو لازم ہوگا کہ سرکاری رہنما کی ہدایت و نصیحت پر پوری طرح کاربند رہیں۔

۲۔ سرکاری رہنما کا فرض ہوگا کہ جیسے جلد ممکن ہو طالب علم سے ملکر اسکو نروزی ہدایت و انگاہی دیں۔ اور اس یونیورسٹی یا کالج میں شریک کرادے جسکی تعلیم کیلئے سرکاری وظیفہ دیا گیا ہے۔ اگر یونیورسٹی یا کالج میں فوراً شرکت نہ ہو سکتی ہو تو ایسے ذرائع اختیار کرے جس سے وظیفہ دینے کی غرض پوری ہو سکے۔ اس صورت کی اطلاع فوراً ناظم صاحب تعلیمات کو دی جائیگی۔

۳۔ سرکاری رہنما و دار ہوگا کہ زمانہ تعلیم میں طلبہ ایسی جگہ قیام کریں جہاں رہنا پوری نگرانی کر سکے۔

۴۔ سرکاری رہنما ہر طالب علم سے سرکالجز میں کم از کم ایک مرتبہ ضرور ملیگا اور پروفیسروں سے ملکر ہر طالب علم کے چال چلن اور ترقی تعلیم کی نسبت

اطمینان کر لیا اور خاطر خواہ ہونے کی صورت میں طالب علم کو یا ضرورت ہو تو فریڈرک کو توجہ دلا دیا۔ اور ہر کالج ٹرم کی مدت کے چال چلن نیز ترقی تعلیم کی اطلاع ناظم تعلیمات و اسکالرشپ کمیٹی کو دینا۔

دک اگر کوئی طالب علم کسی بڑے فعل کا ترکیب ہو تو سرکاری رہنما اسکی اطلاع مع اپنی رائے کے ناظم صاحب تعلیمات اور اسکالرشپ کمیٹی حیدر آباد کو دینا۔

دک سرکاری رہنما کا کام ہو گا کہ قبل از قبل اس کا تصفیہ کر دی کہ ہر طالب علم کو تعلیمات کس طرح اور کس کی صحبت میں بسر کرنا چاہیے۔ فوقتاً

دک سرکاری رہنما کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ ہر طالب علم کے اخراجات کی دقتا جانچ پڑتال کرتا رہے۔

دک جو طالب علم خانگی طور پر بلا امداد سرکاری انگلستان گیا ہو اس سے بھی یہ قواعد متعلق ہو سکیں گے۔ بشرطیکہ اس کے ہر پست کی تحریری درخواست ناظم صاحب تعلیمات کے پاس آئے اور صیغہ فیائن کے ذریعے سے سرکاری منظوری حاصل ہوئی ہو۔ اس نگرانی کی بابت ہر طالب علم کو دس پونڈ

(ایک سو پچاس روپیہ) مالانہ کی رقم ادا کرنی ہوگی فقط
عاجز صاحب تعلیمات الہ آباد کی نمائش سے واپس آئے اورنگ آباد
میں مقیم ہیں۔

مسٹر مہوشیر تعلیمات۔ مدراس کی کانفرنس میں شرکت کرنے کو گوتھوٹ اپس لگو۔
نامہ محمد صاحب مددگار مدرسہ اہل ہندوستانی سرکار الہ آباد کی نمائش
محمد عبدالقادر صاحب مقطع دار کے علاقہ میں منتقل ہوئے ہیں۔

سعید احمد صاحب مدرس دینیات برانچ سکول ہنگنڈہ کی مدت ملازمت
۱۱ بہمن ۱۳۴۶ کو ختم ہوتی تھی۔ لیکن ناظم صاحب تعلیمات نے تحریک کی تھی کہ تنخواہ
میں غلطی ہو گئی ہے۔ اس لئے کارنامہ وغیرہ کے معائنہ کے بعد دفتر صدر صاحب سرکار
سے صاحب موصوف کی تاریخ ختم ملازمت ۱۱ بہمن ۱۳۴۶ قرار پائی۔

_____ ناظم صاحب تعلیمات مدرسہ پر پراپریری نہ کھنڈہ کے اخراجات کو مدرسہ جگتیل کے اخراجات سے بدلنا چاہتے ہیں۔ اسکی کارروائی جاری ہے۔
_____ طلباء کو طغیانی زدہ رود موسیٰ کو اور ایک سال تک فیس سے معاف رکھنے کی منظوری صادر ہوئی ہے۔

_____ چونکہ پر بعضی میں طاعون پھیلا ہوا ہے اسلئے طاہر حسین صاحب صدر مدرس مڈل سکول کو مدرسہ فوقانیہ بلدہ میں اور غلام علی صاحب بوٹھری اور عسکر علی صاحب کوزر ٹینسی مڈل سکول میں کام کرنے کا حکم ہوا ہے۔
_____ مرزا اسکندر بیگ صاحب سررشتہ دار تعلیمات صوبہ میک کا تبادلہ مدوگا مڈل سکول (کچھوچھو) میں خواہ سے عمل میں آیا اور انکی جگہ مرزا محمد جعفر صاحب میمنشی کو مستقلانہ ترقی دی گئی۔ میمنشی کی خدمت پر محمد ابراہیم صاحب نائب میمنشی فائز ہوئے۔

_____ سید محمد حسن آزاد صاحب مدوگا مدرسہ بھونگیر و سید شرف علی صاحب مدوگا مدرسہ نظام آباد کا بہ تراضی طرفین تبادلہ عمل میں آیا۔
_____ محمد حسین صاحب مدرس راجم پیٹ تعلقہ کاماریڈی موہاجی (دھ) نے انتقال کیا ان کی جگہ عباس علی صاحب مدوگا مدرسہ میں کھنڈہ کو (دھ) کی ترقی دی گئی۔

_____ فقیر محمد صاحب منشی فاضل و ٹیکرک پاس موہاجی (دھ) مدرس بھونگیر کا تقررانی سکول اورنگ آباد میں (دھ) پر ہوا ہے اور انکی جگہ عبدالحی صاحب صدر مدرس پرگی کو دی گئی ہے۔

_____ اب تک مستقل صدر مہتمم صاحب بیدک نے مدارس مکمل فواریں پیٹ کا دورہ کیا ہے۔ اب ۱۶ فروردی ۱۳۲۱ء سے مولوی عبدالحق صاحب بی۔ او۔ منہم صدر مہتمم نظام آباد کے دورہ میں مصروف ہیں۔

_____ اسپنل کا امتحان بموجب ساگنڈہ شدہ اس سال بھی دیکھنا ۱۳۲۱ء میں ہوگا۔

_____ ناظم صاحب نظام آباد کا تبادلہ ٹیڑہ اور ناظم صاحب کیننگر کا نظام آباد پر کیا
_____ محمد علی صاحب مدرس کھنل کے انتقال کی وجہ سے عبدالحی صاحب نشی فاضل

صدر مدرس مدرسوہی علیہ اور عبدالغنی صاحب مدرگا زارین پیٹ مواجی
علیہ اور شیخ محبوب صاحب مدرگا زار کھنل مواجی علیہ کو سلسلہ وار پانچ پانچ کی
تسنی دی گئی۔ آخری دس کی جگہ پر ازراہ پرورش ابوالحسن صاحب برادرزادہ
مرحوم کا تقرر عمل میں آیا۔

_____ اس ہفتہ میں چادر گھاٹ لمبی اسکول کے طلبہ نے فٹ بال میچ کے جلتے
علیہ جو ترم صاحب مدارس بلندہ کو بھی مدعو کیا تھا وہاں جناب موصوف نے جو لکچر دیا
اس کا حاصل حسب ذیل ہے۔

”جیسے آج چادر گھاٹ لمبی اسکول کے اسٹریٹس فٹ بال ٹورنمنٹ کے فاضل
کھیل دیکھنے سے بڑی مسرت حاصل ہوئی۔

طلبہ میں ہر قسم کے کھیلوں کا شوق پیدا کرنا ضروری ہے یہ اسی طرح ہو سکتا
ہے کہ وقتاً فوقتاً ٹورنمنٹ منعقد کئے جائیں ہمارے آقائے نعمت خلدائے ملکہ نے
بار بار اس امر پر زور دیا ہے کہ طلبہ کی دماغی تعلیم کے ساتھ جسمانی ورزش کا بھی
خیال رکھا جائے اور یہ دیکھنے سے بڑی محو مسرت ہوتی ہے کہ ہمارے مدارس کے
طلبہ دفتر اعلیٰ کے اس ارشاد مبارک کی تعمیل کر رہے ہیں۔

اب چند الفاظ فٹ بال کے متعلق بیان کرتا ہوں یہ ایک مردانہ اور صحت بخش
کھیل ہے اور اس میں بازمی لپچانے کیلئے محنت صبر و استقامت بہادرانہ عزم
اور سب سے بڑھ کر متفقہ کوشش درکار ہے۔ اسے طالب علمو! میں امید کرتا
ہوں کہ بسطیح تم نے ان مذکورہ بالا صفات کو اس کھیل میں استعمال کیا ہے
اسی طرح جب زمانہ سے مقابلہ کرنے کا وقت آجگاتم اس وقت بھی ان صفات
سے کام لو گے۔“

_____ ۸۔ اردو ہفت روزہ ۳۲ کوآل سینٹ انسٹیٹوشن میں فٹ بال ٹورنمنٹ

کافیٹیل ہے۔ نظام کالج اور آل سنیٹ انسٹیٹوشن کا مقابلہ ہوگا۔ جیتنے والے کو مشرمپوشیر تعلیمات انعام تقسیم کریں گے۔

منظوریات

— مشرم رام راویم اے کا تقرر خدمت ڈی ایسٹریٹ سائنس پر نظام کالج کیلئے جاب ہو
اصہ عمل میں آیا۔

— ہائی سکولوں کیلئے یہ سالہ صحیفہ کی ۷ کاپیاں سرکاری خراج سے خریدی گئیں۔
— مدرسہ پنکجا تعلقہ کلنگور اور مدرسہ آستما پور تعلقہ بھونائیہ کیلئے ایک ایک جڈ
مدروکار کی منظوری صادر ہوئی۔

— مشرم کے جی۔ کالے سابق صدر مدرس مدرسہ راجپور کیلئے سرکار سے انعام
منظور ہوا دوتین ماہ کی واجب الادا تنخواہ دینے کی منظوری صادر ہوئی۔

— مڈل سکول مشمورہ میں دو بیت انخلا تعمیر کیے گئے ہیں اس لیے ایک خاکروہ
مواجبی (لہو) مانڈ کے تقرر کی منظوری سال رواں سے صادر ہوئی۔
— مدرسہ مذکور کے فرنیچر کے لئے لاصحہ کی منظوری دی گئی ہے۔

— مدرسہ انسوانیہ مشمورہ کے کمرایہ میں سال رواں کے شروع سے عرصاں
کا اضافہ منظور ہوا ہے۔

— مڈل سکول حکمر کامکان قریب الانہدام ہونے سے سرکار نے (دس) مانڈ
کی منظوری تا تعمیر مکان مذکور صادر فرمائی ہے۔

— ترمیم مدرسہ اپر پامیری تعلقہ مہال گورہ کے لئے (دیس) کی منظوری
صادر ہوئی ہے فقط

مدرس صاحبوں فرما طر صاحبوں کی خدمت میں خاص طور پر لکھا
اگر آپ منظوری کو رسالہ آپ کیلئے زیادہ دلچسپاں پیدا کریں تو جہاں تک ممکن ہو اسکی ترویج
اشاعت میں کوشش کیجئے اور اپنی دوست احباب کو اس غرض کی اطلاع دیجئے اور ہمدردی کی توجہ لائی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مبشر صحیفہ جلد زمرہ توحید

(۳)

برج الاول کا ہینہ مسلمانوں میں عیس کا ہینہ سمجھا جاتا ہے کیونکہ اسی ہینہ پر خدا کی رحمت بدرجہ اولیٰ فرمائی ہے محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا پر نازل ہوئے اور مجھے توحید سے مشام عالم تازہ ہو گئے اس لیے نامناسب نہ ہو گا اگر نزدیک صیغہ بابتہ اردو ہیشت سنت ایف تو حید کے متوالوں کی زمرہ توحید سے ضیانت طبع کھلے اور خدا نیاں رسول کو ترانہ نعت سے مت بنا دیا جائے امید کہ ذیل کی نظموں جو سہرت میں نہایت ذوق و شوق سے پڑھی جائیں گی۔

رباعیات

(۴)

(۱)

بتلانہ سکاف سلف پایہ تیرا کچھ عیس سمجھ ہی میں نہ آیا تیرا
حیران میں سب عقل کے چنگے میرا پایا ہی سراغ جس نے پایا تیرا

(۲)

لوکل نہیں اور گل میں رنگت بوہی تو کعبہ نہیں کعبہ میں ہی ہر سوہی
تیری ہی طرف نہیں اشارہ ممکن پھر سارے جہاں میں صرف تو ہی توہی

(۳)

جو جانتے میں صرف وہی جانتے ہیں باقی ترسے ہوئے کو فقط مانتے ہیں
تو کون ہو، کس طرح سمجھ میں آئے خود کو کہیں میں، بس یہ نہیں جانتے ہیں

(۴)

جو کہ بین غفلتوں کے مارے بند غلین نہیں حسرتوں سے پیارے بند
وہ رحمت عام بھی ہے وصفت کی دلیل میں ایک تری نظر میں سارے بند

(۵)

کثرت میں بھی وحدت آرائی ہے ہر فرد نے صورت ہی بند پائی ہے
تک تک کا ہے اک دلیل توحید ذرہ ذرہ گواہ یکسانی ہے

(۶)

خطاب بہ انسان

کہیں ہم میں اے ذرہ نامو وہی تو معدودہ ہی تیری عقل معدود ہے تو
موجود اس انسانا دان نہ بن موجود نہیں وہ اور موجود ہے تو

(۷)

بدست خودی نہ اے خود آرا بنجا خود اپنے لیے آپ نہ پر وہ بن جا
نہ خیر تعینات نہ کڑے کر دے اے نظر ہم چھیلے دریا بن جا

مختار قطب الدین شاہی حیدر آبادی

ترانہ لغت

(۸)

رباعیات

ہر دہر رسل ہا شمس بظلی پیغمبر حق مدنی العسبانی
جراستی امنی و راغ کر بود امی و ابی فدائے کاشمی لیبی

سودا ش برائے حل سودا اگر دید
نقش تدش چوں میرضا گروید
احدا حدست از حلاوت لیکن (۲)
لب بند ندیم میم پید اگر دید
اشکے شل دس کا بنایا ہی نہیں
یہ پایہ کسی نے پایا ہی نہیں
لعان تجلی کا کبان تک جو بیاں (۳)
مدید ہے کہ اس پر ہی ماحیا ہتھی
ہاں کیا ہوا ہے سایہ اگر زات ہو
مگر طے کیا چاند کیا کریمات ہو
دن رات تھا بلورندہ پیش نظر (۴)
مہراج ہوئی تو کیانی بات ہوئی

تم

راحت دل دل بیاب میں جا آجا
بخت زلفت کو بھی اک بار نکالے آجا
اے مرے چاند مرے گھر کے آجا
خواب میں زلفت کو کھٹے سہرائے آجا
اشک اکھون میں میرا ور پ میں نالے آجا
زخم دل زخم جگر جو گئے آسے آجا
دل ہوا داغ پرے جان کے لالے آجا
بیکسی پر سری خوں روتے ہیں چھالے آجا
راہ میں چھوڑ گئے فائدہ واسے آجا
رحمت عالمیاں کون ہوا ترے سوا
کس کی تعریف میں ہے تیرے لولاک اما
چاند و کمرے پہلا کس کے اٹارے ہو
کون ہے ماہ عرب کون ہے محبوب ندا
اے دو عالم کے حنیفوں سے ترا آجا
موش ٹول شب و رفت نے اڑا رکھا ہے
غفل کو حلقہ پڑھیاں کے اٹھا رکھا ہے
بس سواسن کے اب جسم میں کیا رکھا ہے
دم تری دید کو اکھون میں لگا رکھا ہے
میں یہ سب ہر تیرے ہی سنبھالے آجا
مہیاں میں میرے گناہوں کو اگلاتے ہیں
کاتب نامہ اعمال بھی مٹاتے ہیں
کیا کفن خاک آفتاب مجھے پہناتے ہیں
ہوں سیسار مرے عیب کئے جاتے ہیں
کلی دالے مجھے کلی میں چھپالے آجا
لوک کییتے میں اب نہ بیاں صراط
پادوں کٹ کٹ کے ہوں جاتے ہیں تراب صراط

دو قدم ملے نہیں ہو سکتا ہر میدان صراط
دیکھتے ہیں تجھے پھر بھر کے نغمہ بیان ہر
ڈنگھلاتے ہیں قدم کوں سنبھالے آجا

تیری کیا بات ہے کیا شان ہر اللہ غنی
گنج اسرار کی ہے ہاتھ میں تیرے کبھی
تو ازل سے ہوا گنجور جناب احدی
وقف ہے تیرے لیے دولت کثر خفی
کمل گئے ہفت سماوات کے مالے آجا

گھر سے وہ ماہ عرب جب شب معراج بولا
کہہ کے سب فرشتے ملے تا بمقام اٹھنے
راہ میں آنکھیں کھچاتے تھے فرشتے ہر جا
پونچھا محبوب تو مشاطہ رحمت نے کہا
فلوت راز میں اے ناز کیا ملے آجا

تیری تسلیم کو غم گردن افلاک ہوئی
دونوں عالم کی تجھے ہم نے حکومت دی
فخر کے ساتھ زمیں نے تیری پاؤں کی
ہم نے خوش ہو کے تجھے ساری خدا کی بخشی
اپنے بندوں کو کیا تیوے دے لے آجا

اس بیاباں میں نہیں خار میں تو کا نشانہ
یاں نہ کثرت کی جگہ ہے نہ دوزی کا
کفر سے کوئی غرض ہے نہ خیال ایساں
زنگ وحدت ہے یہاں غیور وحدت میں نہاں
اے گل گلشن لولاک لالے آجا

دیکھیں کب تک ابھی قسمت میں ہو آئینہ دنیا
ہوئے تھے جاتے ہیں ہرے زخم بزرگ مینا
اے میحان نفس اب ہو گیا مشکل جینا
صورت لالہ ہے پرواغ بیاں کا سینہ
پڑ رہے ہیں ترے بیمار کے لالے آجا

صلو علیہ وآلہ

یک شب منہ کون و مکان در شوق رو دو جلا
از پر تو ماہ عرب در جلوہ محبوب رب
بگذشت از آسمان بلغ العلاء بکمالہ
ز دھندہ بر خور شد شب کشف الدجی بجلا
بدر اتم مہر کرم نیکو شیم حسیہ الامم
آئینہ ندادہ در جہاں ہای مہاجران من و شما
خوابید گزرا آتش اماں صلو علیہ وآلہ
سید احمد حسین امجد جید آبادی

دھونسا

(سلسلہ کیلئے دیکھو نمبر ۳۷ جلد ۶)

(۴)

مرزا کا حیدر آباد پہنچنا | مرزا کے ایک فرزند اور دو بارس رنیت مسیح میر کریم الدین
بلگرامی تھے مرزا نے پہلے ہی اون کو حیدر آباد بھیجا کہ وہ اپنی

اور نذرین پیشگاہ میں گزرائی تھیں اس لیے حیدر آباد پہنچتے ہی اس کا امر اسے
حیدر آباد سے سلسلہ ملاقات جاری ہو گیا۔ سب سے پہلے اُس نے فواب و قارا الدولہ
بہادر سے شرف نیاز حاصل کیا۔ اور پھر اون کے توسط سے میر موسیٰ خان بہادر کو اللہ
مدار الہام بہر کار عالی کے پاس نذر گزرائی اور سرکوبی راجہ سیدک گول کی اسد خاں کے
خدمت سابقہ پر اپنی بھالی چاہی۔ کن الدولہ بہادر کو مرزا کے اوصاف اور اچھی
آمد کی اطلاع میر کریم الدین حسین بلگرامی کے ذریعہ سے ہو چکی تھی۔ اس لیے وہ بہت ہی
تپاک سے ملے۔ مرزا کے حالات بطیب خاطر سنے۔ اور اسے ہر طرح سے اطمینان دیا
اس کا معروفہ اپنی رائے کے ساتھ پیشگاہ میں تیار میں روانہ فرمایا۔

منظوری مرافعہ میں تعویق | اس زمانہ میں بند گانہ عالی بلغم گورہ بند اس کے اظہار
اور مرزا کی پریشانی | سیر و تفریح میں مشغول تھے اس لیے استقامت سلطنت
چند روز تک ملتوی رہے یہاں تک کہ مرزا کو سید اب

آئے ہوئے چار بیٹے گئے۔ اس مدت میں مرزا نے بہت کچھ کوشش کی مگر ملازمت
سے بہرہ اندوز نہ ہو سکا۔ اب مرزا پر عمرت اور افلاس کی وجہ سے سخت تکلیف گذر رہی
لگی۔ اس کی فوج پر غارت گشی کی فوجت آگئی اور وہ بہت ہی ہوشیار ہو گیا۔ اگر نواب
مدار الہام بہادر کی نظر اتفاقات اس پر نہ ہوتی ہر وہ وقت غارت گشی اس کی امید کو نہ بڑھاتے
رہتے تو مرزا اپنی تمام فوج کو رخصت کر دینے پر مجبور ہو جاتا۔

مرزا کا خدمت سابقہ پر عود کرنا اعلیٰ حضرت کو سیتا رام راج کی سرکوبی اس بغاوت کی یاد دلائی جس میں جو اس نے میر شہاب الدین خاں بہادر کے مقابلہ میں کی تھی منظور تھی جب آپ سیر و تفریح سے فارغ ہوئے اور مرزا کی عرضی ملاحظہ سے گذری تو آپ نے صوبہ داری سید کا کول پر نواب میر حسن علی خاں بہادر قطب الدولہ کا تقرر فرمایا اور مرزا ابراہیم بیگ خاں کو خطاب "فاضل بیگ خاں" سے سرفراز کر کے بفرض نبیہ سیتا رام راج نواب قطب الدولہ بہادر کے ساتھ جانے کا حکم دیا۔ مرزا بہ نیل مرام نواب صاحب کے ساتھ سید کا کول پہنچا۔ اور ایمانگیر اقبال گاراجہ کو راجہ تک تخت و تاج کر کے اس کا معاصرہ کر لیا۔ سیتا رام راج مرزا کے مقابلہ کو عاجز آ گیا اور اس نے اس کی درخواست کی۔ نواب قطب الدولہ بہادر نے بے مصلحت فوت سیتا رام راج کے قصور کو مٹات کر دیا اور صوبہ سید کا کول پر بآسانی قابض و متصرف ہو کر مرزا کو اس کی سابقہ خدمت دیدی۔

مرزا کا آگے کی بات تھی میں آج ملنا ہے کہ وہ نرمل میں لکھا ہے کہ سرکاراٹ سید کا کول راجہ بندہ کی بھیلی بندہ کو فورہ کوئی دیر کوئی بلی کے بغاوت کی آمدنی ایک فرانسیسی فوج کے اخراجات میں مقرر تھی۔ اس فوج کے افسر کا نام بوسٹ تھا۔ یہ امیر الممالک نواب صلابت جنگ بہادر اور فرانسسوں میں مخالفت پیدا کر گئی تو کارپورازان سرکار عالی نے سات لاکھ روپیہ سالانہ کے معائنہ میں ازاد کشیدہ نامہ مورخہ ۱۱۰۰ رمضان المبارک ۱۲۸۱ سرکاراٹ مذکورہ گزیر دیا کہ بعض واقعات ہیں وہ ہیں۔ لیکن خصوصیات معذور نظام میں کرنل بیگم فریڈرک میو ایک کتاب "بھارت کے خداداد دست نظام کے حوالہ سے اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں کر رہے ہیں۔

نویسندہ صاحب سابق میں سرکاراٹ خلع کو کہتے تھے اور اس کے انتظام حفاظت وصولی اللہ ان کے لیے اسی قدر مختار ماکم کا تقرر کیا جاتا تھا اور وہ بد وضع عزاجات وغیرہ سالہ مقررہ رقم پاتا کہ جیسا تھا۔ ۱۲۰

”سندھ میں آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی نے شاد عالم پادشاہ غازی سے۔ کابل
 و شمال کی سندھ و ایرانی حاصل کر لی۔ لیکن یہ سرکار میں صوبہ دکن سے متعلق تھیں اور نہ جانب
 ”حضور نظام فرانسیسوں کو بطور جاگیر فوجی خدمات کے معاوضہ میں اس زمانہ کے دستور
 ”کے مطابق دی گئی تھیں۔ چونکہ اس زمانہ میں سلطنت دہلی کے دربار کی خرابیوں اور وہ دہلی
 ”کے طرز عمل کے باعث صوبہ دکن نے ملکیت اصفیہ کا جائزہ ریب بر کر لیا تھا۔ اس لیے
 ”انگریزی کمپنی اس سند کے ذریعہ سے دیوانی سرکارین پر تصرف نہیں ہو سکتی تھی لہذا اس
 ”مقصد کی تکمیل کے لیے اس کو فرمانروا دکن کی عمارت کرنی پڑی اور اسی عمارت پر نظام
 ”خاں بہادر نظام دکن سے سند ذیل مجدداً حاصل کر لی۔

”دیسلمہ دیپانڈیہ۔ مقدمان۔ کاشنکاران۔ اور رعایا کے سرکار۔ احمد
 ”دیور مستطی نگر۔ سیکاکول۔ یعنی انگریز متعلقہ صوبہ حیدر آباد دکن کو معلوم ہو کہ ہم
 ”بکمال احترام و عنایات و بہادری انسانیت کے مطابق ۱۲ نومبر ۱۷۷۷ء کو تہائی علاقہ
 ”سرکارین مذکورہ متعلقہ جاگیر مصطفیٰ انگریز قلعہ کو نڈا اہلی و معمولی مواضعات متعلقہ
 ”کابل الماس وورپین انگریزی کمپنی کو جنگی عوضی ہمارے روبرو پیش اور منظور ہوئی دوا
 ”بطور انعام یا بخشش کے عطا اور مرحمت فرمایا ہے۔ جس کے عوض میں مذکورہ بالا انگریزی
 ”دیکھنی نو لاکھ روپیہ سالانہ اور کتنی بڑی اور جملہ انراجات سہ بندی و آفات ارضی سماں
 ”دکنی و سردار ہوگی اس لیے تم ہمارے قلعہ کھان غدر کو یہ بالا وغیرہ کو حکم دیا جاتا ہے کہ بداع
 ”دو جمع کمپنی کے لایہوں کی مانتی میں بہرہ اور ادائیگی واجب مالکداری وقت معینہ پر ادا کر لے

مدد ہو

عہ اس عہد نامہ کی دفعہ سوم یہ تھی۔

”دفعہ ہفتم جب اعلیٰ قوت موسم سرما کے مقام پر دکن اور فرس ہو گئے اور موسم سرد
 ”کی فوج کو موسم سرما کے لیے کی اجازت ملے گی تو کمپنی کی فوج بھی اپنے عہد کو جانے کی اجازت پاگی
 ”دفعہ ۸ مذکورہ بالا سے جنوبی و بائیں سرحد کی فوج بھی نقل و حرکت داروں کی فوج کے تھی
 ”اور مالک آقا اور ملازم نوکر کی حیثیت رکھتے تھے۔ معاملہ بالکل برعکس نہ تھا ۱۱۔

اس انقلاب کے بعد قطب الملک صوبہ دار سید کا گول ایک لاکھ روپیہ سالانہ سرکار انگریزی سے بطور معاش مقرر کرائے نانہ لشین ہو گیا مگر مرزا دھونسا بدستور اپنی خدمت پر مامور رہا اور اس نے سرکار انگریزی کی مانتی قبول کر لی۔

مقرر تہ نامل

چند روز کے بعد سرکار انگریزی نے مرزا کو امیر الہند والا جاہ کی خدمت میں اس غرض سے بھیج دیا کہ وہ چٹیا پٹن کے بعض ضروری انتظامات کی انجام دہی کرے مرزا حسب التعمین نامل کو روانہ ہوا اتفاقاً رستہ میں ٹنڈل سے اس کو مقابلہ کرنا پڑا اور اس پر معاش میں اس کے بارہ سوار کام آئے۔

انوج آصفی کے مقابلہ میں جب مرزا امیر الہند کی خدمت میں پہنچا تو مرزا کا شکست پانا۔

اور اپنی جرات فوج اور انگریزی بلٹنوں کو ساتھ لیکر قلعہ نمک کو چلا گیا اور اسکو ہر طرح مخالفین کے حملوں سے بچانے کی فکر کر کے نکلا اس شان میں سرکار عالی کی فوج نے حیدر علی خاں کی مدد معاون ہو کر قلعہ پر حملہ کیا مرزا نے آنے والی فوج کو بہت کچھ روکا لیکن چونکہ اسکی تعداد زیادہ تھی مرزا کے بنائے کچھ نہ بنی اور فوج سرکار عالی نے قلعہ کا دہری پٹن پر قبضہ کر لیا مرزا اور اسکی باقی ماندہ فوج چٹیا پٹن کو بھاگ گئی۔

مرزا کا حضور کے پاس امیر الہند اس کے بعد بندہ کا فغانی نے حیدر آباد اگر فوج کی سفارش پہنچانا۔

مساعدت نواب رکن الدولہ بہادر مرزا الہام سرکار عالی اور وقار الدولہ بہادر کو نواب امیر الہند والا جاہ کے پاس چٹیا پٹن روانہ کیا جب یہ دونوں والا جاہ سے ملاقات کر کے شرائط صلح طے کر چکے تو رخصت کے وقت والا جاہ نے مرزا دھونسا کا نام نواب رکن الدولہ کے ہاتھ میں دیا۔ پہلے مرزا کی امانت و دیانت کی بہت تعریف کی اور پھر فرمایا کہ اس شخص نے قابل قدر خدمتیں انجام دی ہیں جن کا کافی صلہ ہم بھی اسے دے سکتے تھے مگر یہ سرکار عالی کی ملازمت کا بھد شایق ہے لہذا اس کی

خدمت میں امانت دار کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ وہ اسکی نمانارہ کارگزاری سے بہت خوش ہونگے اور یہ بہت نامزدگاری ہے۔

دربار آصفی سے مرزا کا سفر قرار ہونا | دارالمہام بہادر بطیب خاطر مرزا کو اپنے ساتھ حیدرآباد ولس اور حضور پرنور

کے دربار میں امیر الہند کے کلمات سفارش کے ساتھ پیش کیا چنگ حضور نے مرزا کی جلاوت اور بہادری قلعہ کاویری میں بر ملا نظر فرمائی تھی اس لیے مرزا کو حمایت و قدر دانی قلعہ کھم و تنگنہ مرزا کو سفر قرار فرمایا اور پھر چند ہی روز کے بعد کراٹا رام گیرہ الیگندل اور بعض مواقع سرکار ناندیہ اس کے تفویض کیے۔

سرکارات مفوضہ کا انتظام | اس زمانہ میں سرکارات ونگل کھم و الیگندل کے زمیندار باطل باغی ہو گئے تھے۔ وہ

برہمنوں اور بد معاشوں کے ساتھ سلوک سلوک اور رعایتیں کر کے انھیں اپنے پاس رکھا کرتے اور ان کے حاصل کردہ مال و خروٹہ سے حصہ لیتے اور انکی زر مالگاری میں پہلوئی کرتے اور جو حاکم وصول مالگاری کی کوشش کرے اسے انھیں بد معاشوں کے ذریعے سے ہر قسم کی تکلیف اور نقصان پہنچاتا ان کا شمار ہو گیا تھا کسی حاکم یا عامل کی ماتحتی وہ ہرگز قبول نہیں کرتے تھے۔ اور باوجود متواتر کوششوں کے اس سرزمین میں امن قائم نہیں ہوا۔ متاعب مرزا یہاں کا کار فرما ہوا تو اس نے ان زمینداروں کی سرکوبی نہایت ہی سیرمی سے شروع کر دی۔ اس میں شک نہیں کہ ایسی سیرمی سیاست کے اعلیٰ اصول میں داخل ہے۔ بد معاشوں اور سفاکوں پر کچھ بھی شفقت کرنی خلق اللہ کے خون میں ہاتھ رنگنا سے مرزا نے انھیں سخت سخت سزائیں دیں اور اکثر بڑے بڑے سرکش زمینداروں کو بڑی طرح سے قتل کیا جس کا یہ مبارک نتیجہ ہوا کہ چند ہی روز میں اس کے تمام علاقے شور و شر سے پاک ہو گئے اور اس میں بید امن و امان قائم ہو گیا۔

آسی راوز زمیندار یا لوشچہ کی سرکوبی اور خطاب کا اضافہ | چنانچہ آسی راؤ

زمیندار بالونچہ قوم بلیمید اور راجی واری کی سپاہ جمع کر کے بھیر خود سر ہو گیا تھا۔ اور
مدائی زور انگیزی میں پہلے تو کراہتا جب بالونچہ مرزا کے علاقہ میں آگیا تو اس نے
خوڑا اور اس چوکی پر زمیندار غور کے سلطان اور اس کے تمام مال و متاع کو ضبط کر لیا۔
زمیندار مقابلہ کی تاب نہ لا کر موضع چلواری کی طرف بھاگ گیا مرزا اللہ یار بیگ خاں۔
(مرزا ابراہیم بیگ خاں دھونس کے بڑے بھائی) نے اس کا تعاقب کیا اور اس کو
گرفتار کر کے اس کا سر کاٹ دیا۔

تذکرہ نزل میں لکھا ہے کہ اس کا رگنداری ہمد ہمدی کے صلہ میں مرزا ابراہیم
بیگ خاں دھونس کو مضابطہ جنگ اور مرزا اللہ یار بیگ خاں کو "ثابت جنگ"
خطاب ملا۔ مگر صاحب ترک صفیہ و مدیقتہ العالم کا بیان ہے کہ جب مرزا ابراہیم
بیگ خاں نواب یکن ہمد و ہمد کے ساتھ چنیائین سے حیدر آباد آیا۔ اور باریاب
دریاء ہوا تو بندہ کا خیالی نے ہر پنج اثنائے سلاہ کو اسے خطاب "مضابطہ جنگ"
اور سرکارت محکمہ و الگندل سر فراز فرمائیں۔

فتح قلعہ و ملیپ کنندہ | اس ناخست و تاراج سے بفتح و ظفر فراغ ہو کر اور بہت
سامان غنیمت حاصل کر کے مرزا قلعہ و ملیپ کنندہ
پر قابض ہو گیا اور اسے نہایت مستحکم بنا کر قلعہ ظفر گڑھ سے موسوم کیا۔ اور تمام مال
غنیمت اس میں بجاخت رکھ دیا۔

تسخیر کر گزشتہ | اسی زمانہ میں زمینداران کر گڑھ نے بغاوت اور سرکشی کی
اس لیے نواب میر نظام علی خاں بہادر سرکار نے ان کی
تہدید و تنبیہ کا ارادہ فرمایا اور مرزا کو قلعہ ظفر گڑھ سے طلب کیا مرزا فوراً قلعہ داری
ظفر گڑھ پر چلکے پٹنٹ کو مامور کر کے حاضر بارگاہ ہوا اور ایک جواز فوج اور چند اہل
کے ساتھ جس میں راجہ لعل کبیری منگ قلعہ از قندھار وکن بھی تھا اس مہم پر روانہ ہوا
یہ فوج حیدر آباد سے ۹ شعبان المعظم ۱۲۸۵ھ کو روانہ ہوئی، روزی قلعہ کو اس
نے سورج بندی کی اور ۹ روزی قلعہ کو حسب و نفاہ زمینداران کر گڑھ کو مطیع کر دیا

کر کھجیرا اوستہ جنوبی و غربی جانب کو ہستان اور غارستان پر واقع ہے یہاں کے زمیندار ہمیشہ سے سرکشی اور بغاوت کے عادی تھے کسی عامل یا حاکم کی انہوں نے اطاعت نہیں کی تھی مرزا کا ایسے پرخطر اور دشوار گذر مقام پر فوراً پہنچنا اور وہاں ہی روز میں وہاں کے زمینداروں کو اپنا مطیع و منقاد بنالینا ایک خدا داد کامیابی تھی

تسخیر قلعہ کلیانی | اس مہم سے واپس ہونے کے بعد راجہ راجندر قلعہ راکھیا پانی جو بوجہ ناخرانی و بغاوت مسئلہء عین قلعہ گوگندہ میں

قید کر دیا گیا تھا۔ مر گیا۔ اور اسکی المیہ تباری ساز و سامان حرب و استحکام قلعہ کا انتظام کر کے سرکار عالی کی اطاعت سے منحرف ہو گئی اس لیے سرکار عالی نے چند امراء کے ساتھ مرزا دھولنہ کو اسکی تنبیہ کا حکم دیا۔ مرزا نے بہت ہی آسانی سے اس مہم کو سر کیا اور قبل صاحب ترک آنفنیہ (۱۱۵۵) کو کوہستانی ہوا خواہان سرکار عالی کے زیر حکومت آگیا۔

مرزا کو نرمل بطور جاگیر سر فرار ہونا | ان جانبازیوں کے انعام میں نرمل مرزا کو بطور جاگیر سر فرار ہوا اس زمانہ

میں نرمل گنگاراؤ کے زیر حکومت تھا اور یہ شخص خود سری اور تعصب میں مشہور تھا اس لیے مرزا نے بلا امداد سرکار نرمل جانے امداد اس پر تسلط حاصل کرنے میں پس پیش کیا اور نواب رکن الدولہ بہادر کے ذریعہ سے بند گانگالی کی امداد چاہی مرزا کامر و ضہ الملوحت نے قبول فرمایا اور خود بنفس نفیس تسخیر نرمل کا ارادہ کیا۔

تسخیر قلعہ نرمل | محرم الحرام ۱۱۵۵ کے عشرہ مبشرہ کے بعد سرکار عالی کی فوج نے قلعہ نرمل کا محاصرہ کیا اور مرزا دھولنہ نے موضع المیل پانی میں

جو نرمل سے ایک کوس کے فاصلہ پر ہے مورچہ بندی کی گنگاراؤ نے چھ روز تک سہارا لشکر کا مقابلہ کیا اور بعد میں عاجز آکر حیدر آباد جھدار سے چاہ مانگی جھدار نذر کرنے

میر کا مالی کے پاس مفارش کر کے اوسکو دعا و فذہ نزل پر گناہ منور ولادیا اور تیار
۱۹۹۹ء محرم ۱۲۹۹ھ تلع نزل اور اوس کے مفادات پر (جن کا سلسلہ سرحد راز مک تھا)
میرزا دعوٰنا کا بھضہ ہو گیا۔

میرزا کا بادشاہ کی دعوت کرنی | مرزا نے جوش عقیدت سے بادشاہ کو تمام
امرا کے ساتھ دعوت دی اور ایک کشتی

جو اہل تین کشتی لباس خاص۔ اور ایک ماحی نذر گزارا بند گانالی نے ماحی معاف
کر دیا اور پہلی دو فدیہ قبول کر لیں اور مرزا کو مانی ملتا ہے دو ہزاری منصب و ہزار
اضافہ خطاب | سوار اور خطاب غفر الدولہ سے سر فرار کیا مانی آئندہ

محمد عبد الوہاب عند السب حیدر آباد

نزل

عیش بھی فرقت میں اندوہ بلا سے کم نہیں
تافلہ عمروں کا ہے رواں شام و سحر
ٹپنے میں اس سے شگفتہ اس حود داغ آزد
ہو کے ہم پامال ہوتے ہیں زمانے میں غریز
کر دیا بچپن وضع بے تکلف نے سننے
ہوئے ہی ہوئے ہوئے ہمدوم مانند شہر
زندگی سے دفعتاً باہوس ہو جانا ہودل
میں سے مانا دین ہے اللہ کی جید مگر
عفو کی خواہش بھی ہے برأت بھی تو تھیکر
ہو گئے واقف وہ میرے حال سوا چٹل
جان کر بھی ہوتے ہیں انجان جھکو و کھکر
آرزو سے وصل میں اس کے توڑ ہوتا چٹل
جام منی میرے لیے جام فنا سے کم نہیں
شور و غلغلہ نفس بانگ و راحت کم نہیں
میری آؤ گرم بھی با و صبا سے کم نہیں
اپنی قسمت قسمت برگ فنا سے کم نہیں
آپ کی سادہ فراہی بھی اداس سے کم نہیں
یہ ہماری ابتدا بھی انتہا سے کم نہیں
آید پیری بھی پیغام فنا سے کم نہیں
حرص بھی میری یہاں فضل خدا سے کم نہیں
یہ معافی بھی میری کوئی خطا سے کم نہیں
میری خاموشی بھی عرض دعا سے کم نہیں
آشنا ہو کر بھی وہ نا آشنا سے کم نہیں
ابتدا رماں کی میرے انتہا سے کم نہیں
توڑ مہدوی حیدر آبادی (سلطانیریننگ دم)

مدار الامر مولوی عبدالوہاب

(۱۰)

مشرق میں ہندوستان سے جس قدر بالکمال اسلامی مشاہیر نے اپنے آپ کو دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اس لحاظ سے ہندوستان کو دیگر بلاد اسلامیہ سے کسی طرح کم درجہ پر نہیں رکھا جاسکتا۔ اگر ہم صرف علمی کے زمرہ پر نظر ڈالیں تو ہم کو کچھ کم مشاہیر ملینگے۔ شاہ ولی اللہ اور بحر العلوم ہندوستان کے مشہور کائنات کے دو ایسے بگڑے ہوئے جو ہر میں جنکی نسبت بے شبہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اسلام کے آٹھ مشہور اہل کمال میں سے ہیں جنہوں نے وقتاً فوقتاً اسلامی علوم کی تجدید کی ہے اور جس طرح کہ ہندوستان اسلام میں دیگر بلاد اسلامیہ سے کچھ گھٹا ہوا نہیں ہے اسی طرح خطہ مدراس بھی بہت سے ایسے بزرگ کی فہرست پیش کر سکتا ہے جنکے علم و فضل کی ایک زمانہ میں دھوم مچی ہوئی تھی اور جن کا علم و فضل ہر طرح قابل تقلید و تذکرہ ہے چنانچہ مولوی محمد تقی صاحب مولوی فاضل نے قاضی بدرالدولہ مرحوم اور مولوی محمد باقر آگاہ مرحوم کا اور مولوی عبدالباسط صاحب نے عارف الدین خان، رفیق کاندھلوی اسی صحیفہ میں لکھ کر ناظرین کے خدمت میں پیش کر دیا ہے اسی سلسلہ میں مولوی عبدالوہاب مدار الامر کا بگڑے ہوا رخورد قاضی بدرالدولہ میں تذکرہ کیا جائے تو غیر موزوں نہ ہوگا۔

خاص اوصاف مولوی صاحب مرحوم | ہر شخص کا تذکرہ لکھنے سے پہلے ضروری ہوتا ہے کہ ان خاص اوصاف کو بیان

کر دیا جائے جن کی وجہ سے اسکی زندگی قابل تعریف ثابت ہوئی ہے مولوی صاحب مرحوم بالکمال انسانی افراد کا عمدہ نمونہ ہیں ہر قریب قریب عربی کے ہم عصر دنیاوی اعلیٰ ترین اغراض کے ساتھ علم و فضل اور تقدس و ذاتی اوصاف۔ پابندی و قاطعیت اور سب فضائل کے جمع ہوجانے کی بدولت اس قابل ہیں کہ آئندہ نسلیں ان کو اپنا قابل تقلید نمونہ قرار دیں۔ سب سے بڑا وصف جو مولوی صاحب کی زندگی میں

معاذ حق پر نظر آتا ہے یہ ہے کہ مولوی صاحب کا شمار ان منتخب افراد میں سے کیا جاسکتا ہے جنہوں نے اس کلیہ کو غلط ثابت کر دکھایا کہ العلماء ابدال الہم علی النبیاء جس طرح سے مولوی صاحب اپنے علم و فضل کے لحاظ سے بے نظیر تھے اسی طرح دربار نواب کرناٹک میں بھی سب سے اعلیٰ رتبہ دار اہلبائی پر فائز تھے اور میں غریبی و محنت کے ساتھ آپ نے مولوی "اور نواب" کی دو نظام مختلف حیثیتوں کو اپنی ذات میں جمع کر دیا اس سے عیساکر علماء کو اس بات کی نظیر مل سکتی ہے کہ اگر وہ چاہیں تو اپنی علم و فضل کے باقی رکھنے کے ساتھ ہی دنیوی مدارج میں ترقی بھی حاصل کر سکتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کی فضیلت یا بے ریا تقدس میں ذرا بھی فرق آئے اسی طرح نوابوں کو اس امر کا سبق مل سکتا ہے کہ جہاد و شہر اور طرقات کے ساتھ ہی وہ اپنا خدا کے ساتھ معاملہ بھی پاک و صاف کر سکتے ہیں یہی اسلام کی خالص تعلیم ہے اور اسی کے لیے صوفیہ کرام نے نصیحت کی ہے۔

حالات پیدائش و تعلیم وغیرہ آپ کی ولادت و بچپن اولیٰ الاولیاء کے حالات پیدائش و تعلیم وغیرہ آپ کو بڑھاپہ میں ہی اپنے والد ماجد مولوی محمد غوث شرف الملک بہادر سے ہی (جنکی سوانح غری بھی لکھی جاتے ہیں) قابل ہے) تعلیم و تربیت پائی۔ اور انہیں علم ملک العلماء مولانا علاء الدین مرحوم کے پاس کی بچپن ہی سے تحصیل علم کا شوق رہتا تھا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ حدیث فقہ تفسیر ریاضیات وغیرہ میں کامل و متماثل پیدا کی مولوی صاحب کو علوم جدیدہ کی طرف بھی توجہ تھی اگرچہ اس زمانے کی عام اسلامی حالت کا اندازہ کریں اور پھر اس کے ساتھ مولوی صاحب کی اس تربیت کو ملائیں تو معلوم ہو سکتا ہے کہ مولوی صاحب کس قدر عالی و باغ شخص تھے یہی نہ حکمت بیگزانیہ - ہندوستان پر ترقیل کی کتاب میں اور نقشہ جات و گزشتہ جرائد گزشتہ سنی یا اردو میں ترجمہ ہوئے تھے اور خود مقدس حکماء اسلام کی کتابیں نہایت تلاش و کوشش کے ساتھ جمع کی تھیں۔ چنانچہ خود انہوں نے بھی غزشتہ کتاب رسالہ لکھا ہے۔

ریاضیات کے علم میں جواب مسلمانوں میں قریب قریب مفقود کے ہو گیا ہے

مسلم یونیورسٹی اسلام کی آپ بیتی

(۳)

کہ تنہائی سی تنہائی میں ہوتی تو بصر میری
ایک لاکھوں ایک لاکھوں اکیلے سہتے گزرتے میری
قیامت ہو میری ہر شب بلا ہے ہر صبح میری
کسی کی شب شب آفت نہ ہوگی ہر گز میری
گزیراں ہوا اثر سے اب وعلت با اثر میری
نقطہ کروٹ بدلے کتنی ہے اب ات بھر میری
مصیبت بڑ گئی ہے آگ اب تو میرے ہر پیر
نہ نالوں میں ہر دل میرا نہ سفتا ہے ہر گز میری
مخالفت ہے خود میری گزیراں جو نظر میری
طبیعت تابع فرماں تھی پہلے جس قدر میری
گور کیا ہمسری پھر کیا کوئی شوریدہ ہمسری
ستم نور سے میں اس نے کیسے کیسے جان میری
جہاں میں تداریں ہوتی تھی اب پیشہ دینی
یہ آخر کس لیے قسمت تھی اتنے آج ہر سہری
بھری رہتی تھی میرے عاشقوں ہی گزرتے دینی
پیشہ کر رہے تھے اصحاب اہل نظر دینی
جتنی تھی عرب سنہ تا عجم تیغ و دوسرے میری
آفتاب ہو کہ وہ سطوت غم کی آخر کہ ہر پیر

میرے پیار سے مسلمانوں! تبصیر کچھ ہے خبر میری
ناب ہے ساعت عشرت اب عیش کی گزیراں
ناب ہے خودی کے دن اب وہ وقت خود دانی
کسی کار و روز روز غم نہ ہو گا ہے مگر میرا
میری بے فکر یاں مغلوب ہیں فکر و ترو کی
نقطہ تشویش ہی کرتے گذرتی ہے مجھے دن
مجھے کنبھلانا لازم مجھے کورج سہنا ہے
کچھ ایسا مجھے ہے رخ ہو گیا ہے میرا ہر سہری
خواس و خوشیوں میں تو ان و تاب بنگان
اوسے اب و سقد بر گشت خاطر و گشتا ہوا
وہنا ہے میں نے سراپا کچھ ایسا اپنی حالت
ستایا کیسا کیسا انقلاب دھڑلے جھٹکو
زمانہ فز کوئی کرتا تھا اب سو پیشہ محمد پر
زمانے والے آخر کیوں میری تعلیم کرتے تھے
بنا کرتے تھے میرے نام کے دکنے زمانے میں
مجھے کو جانتے تھے اپنا مادی رہنا اپنا
وہ دن بھی تھے کہ میری وہاک تھی ہر گز
موافق میرے عاشق تھے مخالفت مجھے نہ لایا

کہاں ہیں وہ جو میری ہر ادھر جان دیتے تھے
 کہاں میں یہ جنہیں تھا نا ز میری شانِ غلط
 مجھے اسلام کہہ جو میری نظم کرتے تھے
 اسیر خود پسندی میں گرفتار انا نذیت
 یہ کیا خوابِ جہالت قوم پر چھایا جا رہا تو
 کنارہ کش میں کیوں مجھے میرے سبطین و اولاد
 یہ کیا ادوار چھاپے بغفلت کیسی مل رہی
 جو کفر از کعبہ بر نیز و کجا ماند مسلمان
 گرے جاتے ہو کیوں تو نہ دلت میں رہا سچلا
 مجھے کیوں پانہیں لیتے کہ اب بھی قتل باقی
 ذرا چشمِ بصیرت کھول کر دیکھو تو کھل جائے
 سنبھالا تھا مجھے مرحوم سید نے کیسی کج
 اوس کی سعی ہر دانہ کا ہے اب تک اثر باقی
 خیال آنے لگا ہے قوم کو بار و گر میرا
 علیگڑھ تھا تو انکے کلے گریبے ساز و سامان
 خدا رکھے سر آغا خاں نے اپنی ہی کاٹل
 جریو نیورسٹی اس وقت قائم رہنے والی
 بناؤ احمد آغا خاں کا میرے چاہن و اولاد
 یہی امداد ہوگی فیض بخش عام دنیا میں
 یہی گنج پھر یہ میری ذات بیشک برصِ عالم
 اگر جو قوم آمادہ تو میرا ہو چھٹا کیا ہے
 قبولِ اہل ایمان ہو وہ یونیورسٹی بازرع

کہاں ہیں وہ جو لیتے تھے خبرِ ٹھونچ میری
 کہاں ہیں وہ جو نہرت جاتے تھے غور میری
 وہ کوسوں بھاگتے ہیں اب تو صورت دیکھ میری
 اسیر کرتے ہیں ذلت سے نہیں سنتے مگر میری
 اسے پروا نہ تھی افسوس پہلے کھد میری
 طرفداری نہیں کرتا کوئی فرد بشر میری
 مسلمانو! ذرا چو کو اسنو بار و گر میری
 رفاقت چھوڑے دیتے ہو بھلا کیا جان کیل
 مجھے کیوں بھول بیٹھے ہو ضرورت ہوا اگر میری
 نہ رہتے تھے کتنے میرا نہ منزل پر نظر میری
 کر لینے و اگینو لکیر ہی میں اب خبر میری
 نہیں تو ٹھوکرین کھاتی تھی عزت و بعد میری
 کہ بھیل نیکیاں ہوتی جلی میں تہر میری
 ترقی طرق کہنے لگی بار و گر میری
 کہ پہلے اوسیں شامل تھی جماعتِ مختصر میری
 بڑھائی عالم امکاں میں رونقِ پیشہ میری
 اوس سے اب بڑھ چکی شانِ شوکتِ شام میری
 کہ امداد پر امداد میں باہم و گر میری
 اسی امداد سے پہنچ چکی قسمتِ اوج پر میری
 ہنگام پھر یہ ہستی منیعِ علم و ہنر میری
 تعجب کو عجب ہو گا ترقی دیکھ کر میری
 پسند اہل دانش ہو یہ نظم مختصر میری
 بارغِ حیدر آبادی

مولوی صاحب کو پوری اہمیت تھی اور منصبِ اعظمِ لہب اور سماعِ محبوب میں تو ان کی ایک خاصہ بہارت تھی جبکہ نظرباب ماضی دشمن اور شہ

حالات ملازمت وغیرہ

محرم ۱۲۸۵ء کا عیدہ اور اس کے ساتھ آفتاب گیری، شامیانہ، نوبت اور شہر کا شرف

صاحب کے سب سے اعلیٰ اہل خدمت ویرانی پر مامور کیے گئے جسکی ماموریت اللہ
لاکھو فی حق اہل کے بعد آخری نواب غلام محمد غوث خاں مرحوم نے بھی نبھائی۔

میں عہدہ ریفرمی پر بحال رکھا اور مدارالامراہ اور کاغذیاب عطا کیا گیا اور اب مرحوم کے انتقال کے بعد ناقصیہ قطعی اسٹیٹ کا تمام انتظام آپ جی نے انجام دیا۔

اخلاقی حالت | اس دنیاوی اغراز کے ساتھ آب کا اتقا اور برہنہ کاری تمام خطہ

مثال ہو سکتی ہے کہ سرکاری اور خانگی کام کے لیے انک انک دات فلور رکھے جائیں اور

خانگی کام کے لیے ہرگز سرکاری قلم و اوت کا استعمال نہ کیا جائے پناخپ اگر بھی ہو جائے

تصرف میں نہیں لاسکے۔

جیسا کہ ویسٹ میں قاعدہ کی بات ہے، جہت سے مخالف اور عداوت رکھتے ہیں
حسد بھی آپ کے لئے اور گواہ کو ان کے سزا دینے کا پورا پورا اقتدار تھا مگر آپ

جس قدر اہل غرض آپ کے پاس آتے تو پہلے ہی ایک وفد خود کر کے مختصر سا سفر
ویدیا کرتے تھے اور اس کے بعد بھی کوئی شخص اصرار کرتا رہے تو مطلقاً موجب نہیں

کرتے بلکہ پہنے، دلائے وغیرہ میں معروف ہو جاتے اگر کوئی شخص سب دشمن پر آمادہ ہوتا
 حد آپ کو برا بھی کہہ دیتا تو اسکی مطلق پر واپس نہیں کرتے تھے چنانچہ نواب صاحب کے
 کسی ملازم نے برسر مجلس سخت کھانا کھا، مگر آپ متاثر نہ ہوئے۔ دوسرے نڈر دی
 ملازم ناز صبح کے پہلے آپ کی دیوڑھی پر تکتا رہا اور بے آب و بار آئے تو فوراً قہر پ
 بر گزرا اور کہنے لگا: کھانا کھا کر اسے میں آج ابھی سوراخ کھا کر دفن متوش ہو کر بید
 ہوا۔ جب کہ کافی میں نہ کی تھی اس کی مڑاٹی۔ پھر الطبع دیوان صاحب نے اس کا
 یہی جواب دیا کہ بھئی تم سب وقت میرے دیوڑھے ہو کر گذرے۔ اسی وقت میں تمہاری
 خطامعات کر چکا۔“

کبھی کوئی ناخراک لاپ کی زبان سے نہیں نکلا۔ امیر غریب سب کے ساتھ کھانا
 طہر پر بنا دے کرتے کسی کی غیبت نہیں کی اپنے مخالفین سے بھی کلامت پیش آتے
 غیرت و مبرات بہت کہہ کیا کرتے تھے حالہ رحمی خویش و قبیلہ پروری میں بے نظیر
 تھے بہت ساری کاموں کی ساری مامور قبیلہ پروری میں ہی معرفت ہوا کرتی
اشتغال حدیث سرکاری کام کے ساتھ اپنی علمی اشتغال اور فن حدیث کی تحریر
 کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے آپ کی کتابت بمقابلہ آپ
 کے معاصرین بلکہ گذشتہ کاتبوں کے بھی بہت بڑی ہوئی تھی بارہ لاکھ حدیث (جساب
 فی بیتہ و معروف) آپ کی تحریر ہوئی ہے کسی دن جعفر، سفر، خوشی، غمی میں حدیث
 کی تحریر کو نافذ نہیں کیا۔

درست حدیث اس قدر کثرت کار کی وجہ پابندی اوقات ہے مولوی صاحب کی
 پاجھری وقت موجود مسلمانوں میں بہت کم باقی جائیگی۔ جن لوگوں نے دیوان صاحب
 کو دیکھا ہے ان کا بیان ہے کہ بلحاظ اون کے انقباض اوقات کے اگر کوئی مدار الامر
 بہادر کو اپنے کاموں میں مصروف دیکھتا تو فوراً معلوم کر لیتا کہ اب نفلان وقت ہے
 انہی اسباب کے باعث نواب غلام غوث خان بہادر مرحوم بھی آپ کی بہت کچھ وقت
 میں لگاتے تھے ادا آپ کے زہر و تھوڑی امانت دیانت پر نواب صاحب کو کامل ملتا

نظارہ حضرت سید علی پیراں صاحب تاور فی حبیب اللہ قدس سرہ سے بیعت کی تعلیم کی راہ بہت سے فیوضات باطنی حاصل کیے۔

سفر حرمین شریفین | دو مرتبہ آپ حج فرمایا۔ شہر مدینہ سے مشرف ہوئے ہیں نہایت اعزاز کے ساتھ بندہ گاہ مدراس سے اپنا خاص جہاز روانہ

ہوا اور وقت روانگی تعلقہ مدراس سے اور مدینہ میں پہنچنے کے بعد تعلقہ مدینہ سے ۱۰-۱۱، توپونکی سلامی آماری گئی۔ جہاز میں بھی اپنے تمام کاموں کو برابر چاہندی کہ ساتھ ادا کرتے تھے حدیث شریف کی تحریر بھی جاری تھی واپسی کے وقت بھی وہی اعزاز کیا گیا اپنے سفر کا سفر نامہ بھی لکھا ہے جس سے مولوی صاحب کی وسیع واقفیت اور تحقیق کا اظہار ہوتا ہے۔ عادات، اخلاق، مذہب تجارت، زبان جن باتوں کا بیان کنج کل کے سفر ناموں میں کیا جانا چاہیے سب کو فصاحت کے ساتھ لکھا ہے۔

تھنائیف | اگرچہ آپ کی تھنائیف اقلہ اور انکی وضاحت و کثرت آپ کے برادر غور و مولوی محمد صیف اللہ بدر الدور مرحوم کے برابر نہیں ہے مگر جب آپ کے کثرت کار سرکاری اور کتابت فن حدیث کو اس کے ساتھ ملایا جاتا ہے تو دونوں کا موازنہ برابر ہو جاتا ہے تاہم آپ کی تھنائیف کثرت سے ہیں جسکی فہرست مبع ذیل ہے جلد تھنائیف آپ کے ہاں میں جنہیں سے اکثر شایع ہو گئی ہیں باقی کتب قوم کی بے قومی کے وجہ سے شایع نہیں ہوئیں۔

(۱) اکل الوسائل رجال الشاہل للفرزدی عربی اور فن رجال میں ہے اور طبع بھی ہو چکی ہے۔

(۲) کوکب الدریۃ منتخب احادیث بحالہ النور یہ کتاب بھی عربی میں ہے فن حدیث میں لکھی ہے اب تک طبع ہوئی کی فہرست نہیں آئی لاکن اکثر علم دوست حضرات نے اس کے متعدد نقلین کر لی ہیں۔

(۳) رسالہ فی علم الجفر فیہ عربی میں ہے مفسر ان کی مراد کتاب کے نام ہی سے ظاہر ہوتی ہے یہ کتاب بھی طبع نہیں ہوئی۔

- (۴) کشف الاحوال عن اقدار رجال دہ آسماء صفحہ ۱۲۱ اور فن رجال میں ہے۔
- (۵) بدور الفرہ فی آسماء القراء الخضرہ عربی فن تہذیب میں ہے۔
- (۶) ذایہ السون فی مناقب ریحاۃ الرسول فارسی مناقب میں ہے۔
- (۷) تصنیف اخیر خلاصۃ البیان فارسی فقہاء میں ہے۔ طبع بھی ہو چکی ہے۔
- (۸) کاشف الرمزات الی الورقات فارسی اصول فقہ شافعی میں ہے۔
- (۹) ترجمہ اردو شمایل فارسی ادعیہ میں ہے۔
- (۱۰) سفر نامہ جہاز فارسی جس کی صراحت اوپر ہو چکی ہے۔
- (۱۱) ایضاً دفعہ دوم
- (۱۲) جہتہ ابواب عربی فارسی فقہ شافعی میں مختصر کار آمد رسالہ ہے جس میں ضروری مسائل درج ہوئے متعدد وقت طبع ہوئی ہے۔
- (۱۳) سئلہ العربین فارسی میں ہے طبع بھی ہوئی ہے۔
- (۱۴) ترجمہ بعض ابواب انکار نامہ نووی فارسی ادعیہ میں ہے۔
- (۱۵) ایک قول دو تعویذہ الریحان فارسی۔

وفات

۱۷۷۷ء سال کی عربیائی اور تقریباً تمام عمر تک جو اس قوی رہ جاتے تھے کبھی عینک لگانے کی ضرورت نہ پڑی صحت کامل طور سے دست تھی اور اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اگر ہندوستانی باشندے بھی قوانین حفظ کی رعایت کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اپنی عمر طبعی تک نہ پونچیں کم خواہی ریاضت اعتدال کی وجہ سے آپ کے قوی برابر قائم تھے آخر شہید ۱۷۷۷ء در جمعہ ۱۷ ربیع الاول کو وقت ظہر بشکوہ فالج انتقال ہوا۔ مسجد والا جاہی میں اس مقام پر آپ کو کفن کیا گیا جہاں بیسویں علماء و خطہ مدراس اپنا اپنا فیض پہنچانے کے بعد آرام کر رہے ہیں مقبولیت عام کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بیسویں تاریخیں لکھی گئیں جنابہ چند تاریخیں ذکر کر رہے ہیں۔

از مولوی نجم الدین حسن مرہوم فرزند شیریں سنجی خان مرہوم اتریں سابق

کرورہ مستحب چودہارا امیرا جلاوٹا شدہ معزول الشہیں
سلطان گفت دل تنہا من کج تقویٰ شدہ معزول الشہیں
والہ ایضاً

ان در انتقال زمانہ عشر کورا و شیر سیمینہ پاک شدہ
از سرور و غفلت خودی عفت کج و بیجاک شدہ
انہ سپر ناہد

ناور از ہر حضرت دیوان سال مولود وقت ویر گفت
عمر و سہ فایدہ سہ رتلت بنہا عفو سر بسر گفت
۱۲ ۸۵

از مولوی حسین عطاء اللہ مرہوم و مغفور

یغفر اللہ بلا حساب

۱۲ ۸۵ ہجری

از نواب عبدالغنی خان امیر ڈپٹی کلکٹر

رحمہ اللہ اصرارہم قدامت یداہ
لنجاتہ من الداء کسبت یداہ سدا
عَفَرَ بِصَفْحِ اللّٰهِ فَنَسِيتُ یداہ
وَجَدَ الْاَسِيرَ عَائِلًا یَغْفِرُ بِلَادًا
۱۲ ۸۵

محمد مصطفیٰ
مشتاق شہادت ہی ہوں میں سخت ملو
اس طرح سے رپوں کہ ترپنے کے تو بھی
بانغ سیدنا ہادی

مسلم یونیورسٹی

رباعیات

(۱)

سید کی تہی بات اور دن کے لیے اس کا دن اور اس کی رات اور دن کا
سب جیتے میں اور اپنے لیے جیتے ہیں دنیا میں تھی اس کی ذات اور دن کیلئے

(۲)

اسلام کے درو سے نہ ہر دم روتا مشہور زمانہ میں نہ کا نسر ہوتا
فخر پر تھا مخالفت سے بچتا کیونکر آخر تھا حسین بھی کا سید ہوتا

(۳)

اسلام کے کیا ہم نہ گہ بیان رہیں کیا دل میں نجات کے نہ ارمان رہیں
ایسی تو نہیں چاہیے تعلیم جدید کافی ہے کہ ہم صرف مسلمان ہیں

(۴)

ایم۔ اے بھی ہو طالب ہر فن بھی ہو پکڑے ہوے امید کا دامن بھی رہو
مکن نہیں اسلام کی ہو یہ تسلیم انسان بھی رہو عقل کے دشمن بھی رہو

(۵)

پھر ماہر فلسفہ نمازی ہونگے پھر ہم ہی میں غزالی و رازی ہونگے
ہونگے کو بھلگیر میں علم و مذہب پھر ایک حقیقی و مجازی ہونگے

(۶)

مکن نہیں ناچار علی گڑھ ہوگا ہاں! ہوگا خوش انجام علی گڑھ ہوگا
امید لے سمت کے بنے "باب علوم" اس شہر کا اب نام علی گڑھ ہوگا

(۷)

ہاں صفت ہوا بھوتیں سنبھالو لوگو بگڑی ہوئی تقدیر نبالو لوگو

جھولی ہے تمھاری نہیں آغافان کی اپنے لیے نیرات نکالو لوگر

(۸)

اں اپنی بھی اور قوم کی بھی آن رہی
قرآن ہوئے "سیر و مہدی" کی قسم پر
دوانا کہ دیشہ کا نارا مان رہیہ
سادات کا تہذیب ہے دور ادھیان ہے

(۹)

ہو طالب محبت تو مصیبت نہ ہو
ہو جائیکہ تندرست سارے اعضا
خود غرضی ہو دم دونہ ہمارا پھر
مدد ہے علیگڑھ اسے مضبوط کرو

(۱۰)

اے قوم کے آزاد خیالوا اٹھو
دینے کو میں امید کے بندے تیار
گردن میں جلو جھولیاں ڈالو اٹھو
لوں باز ہو کر مانگنے والو اٹھو

(۱۱)

نکا دے اگر غریب بھائی نینا
لاکھوں کا جس اکرام سے نینا چندہ
جو کچھ دے علیگڑھ کا فدا فی نینا
نینا اوسے اغراز سے پائی لینا

(۱۲)

شاموں سے ہی وہ غریب بھائی پڑا
مزدور کا پیٹ کٹ کے جو ملتی ہے
پریت سے ہی وزن میں وہ رائی چڑھا
رہس لاکھ سے بھی دعا باک پائی ہے سوا

(۱۳)

چرچا ہے ترے کام کا گھر گرسید
ایکاش ترے ساتھ سب کچھ ہوتا
اب نام ہے تیرا ہرزباں پرسید
انوس کہ زندہ نہیں تو سرسید

عقوبت الدین قسلی حیدر آبادی

ولہ

اسباب طرب ملیں جہاں سے لاؤں
اسکے ہے محبت بھی کہیں سے بھائے
لوں! چین کے عالم آسمان سے لاؤں
کس سے مانگوں میں دل کہاں سے لاؤں

۱۵ اصلی مرجان کی شناخت یہ بتلائی گئی ہے کہ اس میں ایک قسم کی خوبست پائی جاتی ہے جو مصنوعی میں نہیں ہوتی۔

۱۶ نیوگرائنڈ میں ایک درخت پایا گیا ہے جس سے بغیر دوسری شے ڈالنے کے خاصی سیاسی فحش ہے۔ روشنائی کی رنگت پہلے سرخ ہوتی ہے اور چند گھنٹوں کے بعد سیاہ ہو جاتی ہے۔

۱۷ ملک ٹیچ پکانا کی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں موسمی تغیر بہت خفیف ہوتا ہے گویا کہ ہوتا ہی نہیں۔ مقیاس انحرارت گریس ۷۸ درجے پر اور سریا میں ۷۷ درجے پر رہتا ہے۔

۱۸ سچے موتی کا لکڑا جب تک کہ چھ سات سال کا نہ ہو موتی نہیں پیدا کر سکتا۔

۱۹ عموماً حیوانات تیز جانتے ہیں لیکن اونٹ ایسا جانور ہے جو تیز نہیں جانتا۔

۲۰ ایک ڈاکٹر محقق امراض دماغ کا قول ہے کہ مین گھٹنے کا مطالعہ آٹھ گھنٹے کی صاف محنت کے مساوی ہے۔

۲۱ روسی شاہی آبی حوض میں (۶۰۰) سال عروالی مچھلیاں پائی گئی ہیں۔

۲۲ چینی وجا پانی اکثر و بیشتر فرنیچر کا تخت بناتے ہیں۔

۲۳ سترو دھات مساوی الوزن سوئٹسے زیادہ قیمتی ہیں۔

۲۴ گائے کا اثر دوران خون پر بھی ہوتا ہے۔

۲۵ ڈارون صاحب کا قول ہے کہ جانور بھی مثل آدم کے جنوں سے متاثر ہوئے ہیں

۲۶ چین کی نہرونیہ کی سب نہروں سے بڑی ہے۔

۲۷ طاعون (پلیگ) کیلئے ناگ سانپ کا زہر بہت مفید ثابت ہوا ہے۔

۲۸ دنیا کی یونیورسٹیوں میں سب سے پرانی یونیورسٹی الازہر ہے جو شہر قاہرہ میں مشہور ہے۔

۲۹ ملک چین وجا بان میں بعض سیم کی چھلیاں گز بھر کی ہوئی ہیں۔

سید ظہور علی

بقیہ ریویو الخط الاسلامی

(۴)

تو موجودہ رسم الخط کے حروف اور اعراب کو ہی مدہ شے زیادہ کیوں نہ لکھا جائے؟ جس سے نئے خط کو سیکھنے کی زحمت ہی نہ اٹھانی بڑیگی یا ناگری حروف ہی کیوں نہ اختیار کیے جائیں جس کے لیے ہمارے ہندو ہمسایوں کی سخت کوشش ہو رہی ہے جس سے ایک بہت بڑا ایلا (ایلا) ہندوستان سے ناپید ہو جائیگا اور ہندو مسلمان ایک ہی خط میں لکھنے پڑھنے لگیں گے (اویڑ)۔ یہ ترکیب سب سے عمدہ ہے اگر اس کو ذرا اور وسعت دیدہ کیلئے اور رسم و رواج اور مذہب غیر کی خصوصیتوں کو بھی ترک کر دیا جائے تو ہندو مسلمان حقیقی معنوں میں ایک ہو جائیں گے اور آئے دن کے جھگڑوں اور مخالفتوں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائیگا (مسلمانوں کے موجودہ حروف نتیجہ ہیں دیگر ہزار سال کی مسلسل تدریجی ترقی کے اور اس میں جو خوشنمائی اور خوبصورتی پیدا ہو اس کا اعتراف خود مولوی صاحب کرتے ہیں اس کے برخلاف خط نظامی خط کوئی اور خط نہ تھا اسکا اصلاح شدہ شکل ہے جو تیسری چوتھی صدی ہجری میں رائج تھے اور اس میں خصوصیت صرف یہی ہے کہ آلات ریاضی سے بھی آسانی لکھے جاسکتے ہیں جب خط کوئی دولت قوم کے ضروریات کو آسانی کے ساتھ پورا نہ کرنے کی وجہ صدیوں سے متروک ہو چکا ہے تو پھر کسی قدر اصلاح کے ساتھ اس کو رائج کرنا گویا ایک ہزار سال پیشتر چیچے پلٹ جانا ہے۔

مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ موجودہ خط کا لکھنا مشکل ہے اور اس کے ماہر اور کامل انفن اساتذہ ہزار مانہ میں کم گذرے ہیں جنہوں نے تمام عمر اس کی خدمت میں رہ کر نام پیدا کیا ہے۔ جیسے ابن مقفلہ۔ یا قوت۔ میر غا۔ میر عبد کش۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ مسلمانوں میں کتنے کو علی سینا۔ ابن رشد۔ فابانی پیدا ہوئے اور ہزار مانہ میں کس قدر ایسے لوگ ہوئے ہیں جو انہیں منوں حکیموں کے کلام کو سمجھ سکتے تھے۔ کس قدر امام ابو نیفہ امام شافعی امام مالک امام حنبل پیدا ہوئے اور ہزار مانہ میں کتنے ایسے فقہیہ گذرے ہیں جو اپنے اپنے

مذہب کی خدمت میں مصروف رہے۔ اس کا جواب غالباً بالکلیہ یقیناً یہ شخص ہی دیکھا فلسفہ اور فقہ کے امام اور مجتہد توبہ خزانہ زرگواروں کے جن کا نام نہ کر رہا ہو چکا ہے مسلمانوں میں کوئی پیدا نہیں ہوا۔ مگر ان کے کلام کو سمجھنے والوں اور اس سے کام لینے والوں کی قدر و منزلت اور ہر ملک میں لا انتہا رہی ہے یہی جواب ہم مولوی سید محمد یوسف الدین صاحب کو دیتے ہیں کہ بلاشبہ ان مقلد - یا قوت - عداوت - پیچیدگی کے فطرتاً پیدا نہیں ہوئے۔ مگر خوشنویس تو لاکھوں کی تعداد میں پیدا ہوئے ہیں۔

ہمارے خیال میں خط نظامی کو بھی باقاعدہ اہم اصول سے لکھنے کے لیے محنت اور مشق ضروری ہے۔ آلات ریاضی کا اس کے لکھنے میں استعمال کرنا طویل اہل ہے۔

مولوی صاحب کا یہ دعویٰ کہ خط نظامی میں ہر ایک حرف صحیح اور حرف اعراب ہم قامت اور ہم جنسیت ہے شاید بالکل صحیح نہ ہو گا کیونکہ اس میں چھوٹے بڑے حروف موجود ہیں اور یہی حالت نستعلیق کی ہے آخر اس میں بھی ب ت ث ط پ ف اور ج چ ح خ غ ع اور ذ ز س ز و وغیرہ وغیرہ بھی ہم قامت و ہم جنسیت ہیں جس قدر امتیاز حروف میں پایا جاتا ہے اس قدر تو ہر ایک رسم الخط میں موجود ہے اور اس کا ہونا عدم التباس کے لیے ضروری ہے۔

الفرض بلحاظ اذن مشکلات کے جواز مترایا موجودہ و مروجہ رسم الخط کے تبدیل کرنے میں پیدا ہونگے اور بلحاظ اذن موافقات کے جو انگریزی جیسی ترقی یافتہ زبان کے اصلاح رسم الخط ملک میں عاید ہو چکے ہیں ہم دعویٰ سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ملک خط نظامی کو قبول کرنا تو درکنار موجودہ رسم الخط کو ہی مفرد حروف میں اعراب کے ساتھ لکھنے کے لیے تیار نہیں ہے اور غالباً مولوی سید محمد یوسف الدین صاحب کی محنت شاقہ کا وہی انجام ہو گا جو اب تک اصلاح رسم الخط کی کوششوں کا ہو چکا ہے۔

یہ ایک اصولی بحث ہے کہ مسلمانوں کے رسم الخط کو بجائے مرکب حروف کے مفرد اشکال میں ایک نئے طریقے سے لکھا جائے یا نہ لکھا جائے مگر اصول بحث کے قطع نظر یہ دیکھنا چاہیے کہ جو نقص موجودہ رسم الخط میں ظاہر کیے جاتے ہیں اس کے اصلاح کیلئے

علم کیا ہو بہت ہے اور کیا ہو سکتا ہے۔

جو نقص بنائے جاتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) ٹائپ جالے میں بہت وقت ہوتی ہے۔

(۲) ٹائپ رائٹر موجود نہیں ہے۔

(۳) زبان کے سیکھنے میں وقت ہوتی ہے۔

(۴) معین الخط نہیں لکھا جاسکتا۔

ٹائپ کے جالے میں اگر یہ وقت ہوتی ہے لیکن ٹیکسٹ اور ممبروں نے اس کام میں اس قدر مہارت اور ذرا دلت پیدا کر لی ہے کہ اب اولیٰ کے پاس وقت نہیں رہی ہے وہ اگر کسی اخبارات کے مالکین کو کہیں کہ فرما دیجئے کہ اس قدر جلد کی ضرورت ہے تو وہ اس میں جو سہولتیں دے گا کہ وہ بہت کم حالت کے مالکوں کو بھی دے گا۔ البتہ ایران و ہندوستان میں لکھنؤ کے عامہ دینی اور علمی چھاپے کی کتابوں کو چھپانے اور مدد دینے کی ضرورت ہے۔ کچھ ٹائپ کے پاس کم فایم ہو رہے ہیں۔

ٹائپ رائٹر کے رکاوٹوں سے بھی اعلیٰ شاہد مولوی سید محمد رفیع الدین صاحب کو نہیں سہا سکتے۔ وہ اصل عربی ٹائپ رائٹر ہیں۔ چھاپے عام طور پر فروخت ہوتا ہے مصر میں فروغ بھی ہے اور اس میں نامی اردو اخباریں بھی عربی حروف میں لکھی جاسکتی ہیں حیدر آباد میں بھی ایسے دو تین ٹائپ رائٹر موجود ہیں۔ چنانچہ ہندوستان پر قبلا یورپ کے مفلس ملک ہے اس لیے ہمارے کثیرہ ٹائپ رائٹر خرید کر استعمال نہیں کیا جاتا ہے۔

زبان کے سیکھنے میں بلاشبہ وقت ہوتی ہے لیکن جن لوگوں کی مادری زبان بھی ان کو اوس کا احساس تک نہیں ہوتا اور جن دوسری قوموں کو بھی یہاری زبانوں سے کام نہیں ہے وہ بھی اس کو سیکھ ہی لیتے ہیں بہت سی زبانیں مثل انگریزی سنسکرت چینی وغیرہ ایسی ہیں کہ ان کا سیکھنا بہ نسبت مادری زبانوں کے زیادہ مشکل ہے تاہم ان کی بھی لاکھوں گڑبڑوں کو سیکھتے ہی رہتے ہیں۔ انہوں نے عربی۔ فارسی

اور زبانوں کو کڑوڑوں لوگ سیکھ چکے ہیں اور سیکھ رہے ہیں اور سیکھتے چلے جاتے ہیں بہ نسبت اصطلاح رسم الخط ایسے صرف ونحو کے کتابوں کا تصنیف کیا جانا جن میں ضرورت اور اہم قواعد وغیرہ ضروری وغیرہ قواعد میں اتنا زیادہ تفریق پیدا ہو سکے زیادہ ضرورت اور زیادہ مفید ہے ہر حال موجودہ رسم الخط کے عادی تیار نہیں ہیں نہ اوس کو چھوڑ سکیں یہی حالت تلفظ کی ہے حقیقت میں غیر زبان کے الفاظ جو ہمارے رسم الخط میں لکھے جاتے ہیں بعض وقت اوس کا صحیح تلفظ بمشکل ہو سکتا ہے لیکن یہی حالت ہر زبانوں کی ہے۔ انگریزی میں کب غیر زبان کے الفاظ کا صحیح تلفظ ادا ہوتا ہے بہ نسبت اور زبانوں کے ہماری زبان بھی ایسی زبان ہے جس میں اس قدر مختلف زبانوں کے الفاظ صحیح طور پر لکھے جاتے اور بولے جاتے ہیں۔

الفرض عربی اور ترکی زبان کے رسم الخط کو اس قدر رواج عام ہو گیا ہے کہ اب ہم کو اوس کے لیے کسی نئی تجویز نکالنے کی ضرورت نہیں ہی ہے البتہ عربی سیکھنے میں آسانی پیدا کرنے کے واسطے زیادہ آسان اور زیادہ مختصر صرف ونحو کے کتابوں کی ضرورت ہے بلاشبہ ہم لوگوں کو اپنے اردو رسم الخط کے متعلق کچھ کرنے کی ضرورت ہے اور زبان فارسی حروف میں لکھی جاتی ہے اور فارسی حروف اور اوس کے جوڑوں کے کثرت کی وجہ اوس کا ٹائپ اور ٹائپ رائٹر نہیں بن سکا ہے مگر کام کرنے کے لیے عربی حروف اور عربی ٹائپ رائٹر موجود ہے اور اوس کا گمان شمارف اور دیگر ادبیت کی وجہ رواج نہ ہو سکا ہے ہم کو سب سے پہلے اس امر کی کوشش کرنا چاہیے کہ فارسی حروف کا ٹائپ و ٹائپ رائٹر بن سکے اور ساتھ ہی بعض ضروری حروف مثیل واو مجہول و او معروف وغیرہ میں اتنا زیادہ کیا جاسکے اور اوس کے لیے اوس کو کوشش سے مدد لینا چاہیے جو مولوی عزیز مراد صاحب کر چکے ہیں اور جس کا مواد غالباً نقد عدالت میں موجود ہے اور یہ دیکھنا چاہیے کہ بجائے سات معروف کے ڈیڑھ دو سو حروف سے کام لے سکتا ہے اگر یہ ممکن نہ ہو کہ فارسی حروف کا ٹائپ و ٹائپ رائٹر بلا اغراب بن سکے تو ناگزیر عربی حروف کا ٹائپ فوراً استعمال کر دینا چاہیے ساتھ

ہی ان حروف و اعراب کے لیے جو اردو و فارسی میں ہی موجود ہیں زیادہ اقلیٰ زری
 شکل پیدا کرنا چاہیے اور یہ کام کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے ٹایپ رائٹر کی بہ لحاظ اسکے
 نگران تر مصارف کے ابھی ہم کو چند ان ضرورت نہیں ہے البتہ سرکاری و ذاتی اور مولیٰ
 تجارت کے کوٹھیوں میں اس کو رواج ہو سکتا ہے ہمارا خیال ہے کہ مولوی سید محمد یوسف ^{رحمۃ اللہ علیہ}
 صاحب ہی اس کے متعلق کامیاب ہو سکتے ہیں اور ان کو بلحاظ اداس کے کہ ان کی
 سہ سالہ منت مشاقتہ ناکامیاب ہو چکی ہے از سر نو محنت کرنا چاہیے سرکار عالی نے
 کچھ عرصہ پیشتر یہ حکم نافذ کر دیا ہے کہ سرشتہ تعلیم کی تمام کتابیں عربی ٹایپ میں شایع
 کی جائیں اس کے متعلق قیام مطبع کی تجاویز زیر غور ہیں۔ سرکار عالی کی کوشش سے بہت
 جلد ٹایپ کار وراج کل ملک میں ہو جائیگا۔ ایسی صورت میں مولوی سید محمد یوسف الدین
 صاحب کی کوشش بالکل موقع اور بر محل ہوگی۔

ہم کو ڈر ہے کہ ہمارے آزادانہ اور ناقذانہ خیالات کی وجہ سے مولوی سید محمد
 یوسف الدین صاحب پرانی لکیر کے فقیر کا خطاب نہ دیدیں جس سے وہ الخط الاسلامی میں
 ہر اس شخص کو جو ان کے خط کو ناپسند کرے مخاطب کریں گے۔ مگر جب حالت یہ ہے
 کہ انگریزی جیسی زبان بولنے والے رسم الخط میں پرانی لکیر کے تابع ہیں اور ایک خفیف سی
 اصلاح نہیں کر سکتے ہیں تو باوجود نوجوانی پرانی لکیر کے فقیر کہلائے جانے کو ناگوار نہیں
 خیال کرتے۔

ہم تعلیمات کی خاطر واقعات سے چشم پوشی نہیں کر سکتے یہ ظاہر ہے کہ موجودہ
 مروج حروف بھی اگر مفروضہ حالت میں لکھے جائیں تو اس کے ہر کہیں رواج پانے کے
 لیے بیسیوں برس اور کڑوڑوں روپیہ کے مصارف و رکارہیں ورنہ موجودہ ہم الخط
 کو بھی حشہ جاننا لازمی ہوگا۔ اداس صورت میں اس تبدیلی سے کوئی نفع پیدا نہیں ہو سکتا
 اس سے ہمارے رسم الخط کی یہ خوبی کہ وہ ہاختصار تھوڑے کاغذ پر کم وقت میں لکھا جا
 سکتا ہے اور اس میں تحریری و کتابی حروف جدا جدا نہیں ہیں بالکل جلی جاگی اور ہی وجہ کہ
 اس تحریر کو باوجودیکہ بعض کتابیں بھی اس میں شایع کی جا چکی ہیں بالکل ناکامی ہو چکی ہے

جب حقیقت حال اس طرح ہے تو موجودہ حروف و کنا رتے حروف کو جن سے اب ہم بالکل نا آشنا ہیں مفروضہ شکل میں معد الاعراب لکھے جانے کو کامیابی ہو سکتی ہے یا نہیں اس کا تصفیہ خود قوم کر دیگی۔

ہمارے خیال میں مولوی سید محمد یوسف الدین صاحب کی محنت نئے حروف کے وضع کرنے میں بالکل بکایا گیا۔ البتہ اس سے اون ہندو کو جو موجودہ انگری حروف کو کل ہندوستان کا مروج رسم الخط بنانے کی لا حاصل فکر میں پڑے ہوئے ہیں ایک بڑی شد ہو جائیگی اور وہ اس شخص کی طرح جو کلہاوا اثر لیا و لا اثر خواستے آخری فقرہ حذف کر کر ہر چیز کے کھلنے پینے کو جائز سمجھنے لگا تھا خط نظامی کو پس پشت ڈال کر موجودہ خط کے خلاف بتائے ہوئے دلائل کو جھٹڑے پر چڑھا دینگے۔

باجوہرہ کہ ہم کو خط نظامی کی کامیابی کا یقین ہے تاہم الخط الاسلامی کا سالطما^ظ ندرت اور تاریخی تحقیقات اس قابل ہے کہ ہر وہ شخص جس کو اردو تاریخ اور اردو رسم الخط سے دلچسپی ہے گہرے غور و فکر سے مطالعہ کر کے کتاب کی قیمت اور مقام فردوس کے متعلق کوئی اطلاع ہم کو نہیں ہے غالباً خود مصنف صاحب سے ہی اس کا علم حاصل ہو سکتا ہے۔

محمد منظر

گزشتہ نمبر میں اس ریویو کا جس قدر حصہ طبع ہوا تھا اس کے ساتھ میرے اتفاقی یا اختلافی نوٹ بھی موجود تھے لیکن اس مرتبہ جو حصہ چھاپا ہے وہ ان نوٹوں سے معرا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اپنی محنت علالت کی وجہ سے پنے نیا لا کو طاب نہیں کر سکا ناظرین سے معافی کی امید ہے۔ ایڈیٹر
رباعی

حرم جویاں ورے رامی پرستند فقیہاں و فترے رامی پرستند
براہن پرودہ نامعلوم گزود کرباراں دیگڑے رامی پرستند
عرفی شیرازی

غزل

شوخی نگئے حجاب میں بھی
 کشتہ بھی مجھے کیا تو ہنسکر
 لاکھوں میں تمہیں کو جن لباً ہے
 تم سیکڑوں سیدھیان بناؤ
 مٹی میں طار ہے ہو کیوں دل
 اللہ سے خوف معصیت کا
 تکلیف بڑھی تو چین آیا
 ہونے میں نئے نئے نظارے
 معشوق کو ہے مبعی تو خواہش
 جلوس میں ترے جو کچھ کہ دیکھا
 وہ ہم وہ ہماری عشق بازی
 لو آؤ دکھائیں دل ہم اپنا
 اللہ سے حق عالم انہرہ
 بے نیں بھی خط کے عقانال
 فرقت میں رہا تصور اون کا
 کثرت سے ملے شراب وحدت
 لوگوں نے بنایا ہے سمندر ان کو
 بازغ حیدر آبادی

رباعی

لب ہیں تو قریب غم سے برباد بھی ہو
 بیاد و فلک کی آفت سے عالمگیری
 لب ہیں تو قریب لب سو فراد بھی ہو
 دنیا میں ابھی کوئی دل شاد بھی ہے
 تسلی حیدر آبادی

اجناس سیلوں پر لاد کر لانے میں اور بڑے منافع سے یہاں فروخت کرتے ہیں اور ان کے قول کے بموجب پچیس فی صدی نفع ان کو ہوتا ہے اور سالانہ گیارہ بارہ لاکھ یور (فرانسیسی منسلک قیمتی عہد کداری) منافع حاصل کرتے ہیں۔ یہ اکثر تحفے و تحایف یہاں کے باشندوں کو دیتے رہتے ہیں اس لیے ان کی آویں بگلت بہت ہوتی ہے ان کے گورنر کی سواری میں نے دیکھی ہے جو ان دونوں حیدرآباد میں آیا تھا اس کی سواری کے ساتھ علم و نقارہ وغیرہ لازم اعزازی موجود تھے۔

میوہ جات خاصہ لکھنؤ بھی بکثرت حیدرآباد کے باغوں میں پیدا ہوتے تھے ان کی بھی اچھی خاصی تجارت تھی۔ ہیروں کی شہرت اور تجارت بھی بدستور تھی۔ تجارتی محاصل سو بہت بڑی آمدنی سلطنت کو ہوتی تھی۔

حیدرآباد سے تھوٹو پھلی میں کوآباد جو اس وقت قطب شاہی علمداری میں تھا یہ اس وقت بہت آباد تھا تمام آوہم کے جہاز آیا کرتے اور یہاں سے مختلف ممالک کو روانہ ہوتے تھے تھوٹو نے وہاں ایک کرایہ دار آہن مرغی دوآند میں خریدی تھی۔ پچھلی ٹپن سے پلٹ کر پھر گولکنڈہ آیا اور بیدر۔ پاتھری۔ برہانپور میں سچا۔ واپی کے وقت اس کو پروانہ راہداری مل گیا تو پھر اس کو محصول جا بجا ادا کرنا پڑا۔ ان سب سفر ناموں اور واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ گورمانہ گزشتہ میں

موجودہ سائیں کی ترقیوں کا نام و نشان تھا۔ ذریعہ رسل و رسائل میں آسانی تھی شہنشاہ کی حکومت کا دور دورہ تھا اور ہمیشہ سلطنتوں میں تغیرات ہوتے رہتے تھے تاہم تجارت اوسے۔ دن اور ان ہی اصول پر ہوتی تھی آج ہے۔

سلطنت قطب شاہیہ کے خاتمہ اور سلطنت مغلیہ کے جنگ و جدل و نزاع کو ٹھیک کے سواصل ہند پر بن جانے کی بدولت دکن کی تجارت بتدریج نقصان پر رہ رہنے لگی مگر اس کا احساس بہت ہی آہستہ ہوا۔

شہنشاہ عالمگیر کے تسلط کے بعد گولکنڈہ و حیدرآباد کی تجارت بہت ہی کچھ گھٹ گئی۔ اور اورنگ زیب آباد میں بڑھنے لگی۔ گو شہنشاہ عالمگیر کو تجارت کی ترقی وغیرہ

کا خاص خیال تھا کہ ہر وقت کی ٹرایموں نے اس کو فروغ نہ ہونے دیا۔ اس زمانہ میں جہاں ملکی تجارت گھٹنے لگی تھی وہاں فرنگستانی تجارتی کوٹھیاں زیادہ رونق پانے لگی تھیں۔ کاعروج البتہ ختم ہو گیا تھا۔ انگریز فرانسیسی۔ وچ باہم ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے میں سرگرم تھے اور حالت ملک سے فائدہ اٹھا کر وہ مراعات حاصل کر رہے تھے۔ شہنشاہ عالمگیر کے صوبہ دار ذوالفقار خاں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو ایک سندھ جس میں یہ ظاہر کرنے کے بعد کہ انگریزوں نے ایک خاص موقع پر مغلیہ حکومت کا ساتھ دیا تھا مدد اس۔ بچھلی بندر۔ برہ پالم و دیگر کٹاپن وغیرہ میں جو زیر حکومت گو لگندہ تھے اور تمام مراعات کو جو انگریزوں کو پیشتر حاصل تھے حسب دستور بحال رہنے کا حکم جاری کیا گیا تھا۔ اس کے دو سال بعد اس کا مدار الہام اور رنگ زیب نے اس سند کے آئندہ نفاذ کی منظوری صادر کی۔ اور چند نئے حقوق بھی عطا کئے جس میں ایک حق سکہ کا ڈھالنا بھی تھا۔

فصل سوم

دکن کی تجارت سلطنت آصفیہ کے دور میں

دکن پر آصفی پہنچنے کے ساتھ ہی ہندوستان بھر میں طوایف الملکی کا دور دورہ شروع ہو گیا ہر طرف خانہ جنگی اور شوق حکمرانی پیدا ہو گیا۔ اور ہر قوام یورپ میں مولو الغری کشور کشانی کا خیل موجود ہو گیا مشرقی سلطنتیں بگڑنے لگیں اور جزیروں کا بہت بڑا تجارت پر پانہ فرنگستانی قوموں کے تجارتی مقابلے اور ہر طرف کے جنگ و جدل کی گرم بازاری نے ایران افغانستان وسط ایشیا کی تجارت کو کمزور کیا۔ تجارتی منڈیاں سواحل کے شہر بننے لگی۔ پرانے تجارتی بازار سرد ہو گئے ہر جگہ یورپ تاجر پھیلنے لگے۔ دکن کی تجارت کا بازار ماند ہو گیا۔ معاون الماس بے نشان ہو گئے۔ پیشتر کی طرح تجارتی کاروانوں قافلوں کا نام نہ رہا۔

حضرت مغفرت آب آصف جاہ اول کے دور میں فرانسیسی اور بیچ زور پکڑے ہوئے تھے اور وہ انگریزوں کے تجارتی کاروبار کو گھٹانے کی کوششیں میں لگے ہوئے تھے اس زمانہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی مرضیاں مساتاً صغی میں ادا و حیات کی غرض سے آتی تھیں اور یہاں اذکی فروماہری ہوتی تھی۔

مغفرت آصف جاہ اول کے مغفرت آب جو جانے پر محصول سلطنت کیلئے باہمی خانہ جنگی برپا ہوئی اور اس میں پہلے پہل یورپین فوجوں سے مدد دی گئی۔ اور اس کے ساتھ ہی تھوڑے دنوں میں ہندوستان میں فرانسیسی سلطنت کے تمام کام کو تحلیل کر دیا۔ گو ابتدا میں اس کی کوششیں کامیاب ہو گئیں مگر تقدیر نے بازی ہٹ کر برٹش یونین جیک کو فیروزی دلائی اور بتدریج کشور ہندوستان اس کے زیر اثر آنے لگا۔

اس امر کا اعتراف ہر ایک مورخ کا فرض ہے کہ جہاں برٹش حکومت قائم ہوتی گئی وہاں امن و امان اور تجارت و تمدن کی از بن بنیاد قائم ہوتی گئی۔ انگلش قوم تجارت پیشہ قوم تھی اور وہ تجارت ہی کرنے کو ہندوستان میں آئی تھی اس لئے وہ ملک کو لیکر بھی اپنی قدیم روش پر قائم رہی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت ہی تھوڑے عرصہ میں کل ہندوستان کی تجارت یورپ ہی کے ہات میں آگئی اور خام پیداوار بآ جاہلے اور بیرونی مصنوعات ہندوستان میں آنے لگے۔

جس وقت انگریزوں کے ساتھ سرکار عالی نے بیان و نفاذ ہاتھ اٹھا اور اس زمانہ میں تجارت نہایت بری حالت میں تھی مختلف محصولات راہ داری نے جو ہر ایک جاگیر اور زمین سرکار کے مختلف حصص ملک میں لیے جاتے تھے تاجروں کو بد دل کر دیا تھا اور وہ پیشتر کی طرح اولوالعزمی کے ساتھ تجارت کرنے کو چھوڑ چکے تھے جب ملک میں امن و امان قائم ہوا تو دھڑا عطف مغفرت غفران آب آصف جاہ ثانی اور ادھر ایسٹ انڈیا کمپنی کو خیال فروغ تجارت پیدا ہوا اسی خیال سے نیامین سرکاریں ایک تجارتی معاہدہ ہوا جس کی رو سے سرکار عالی نے تمام تجارتی ٹیکس اور ٹھاد دینے پانچ فی صد سے زائد محصول تجارت کسی چیز پر بلا رضامندی فریقین معاہدہ نہ لیا۔

کا اقرار کیا۔ انگریز بلاخر اجمت تجارت کرنے کے مجاز کیے گئے۔ کمپنی نے اوس کے عوض یہ معاہدہ کیا کہ رعایا کو سرکار اصفیہ کو بلا کسی روک ٹوک کے مالک ہند میں حق تجارت حاصل ہے۔ علاوہ بریں سرکار عالی کو حق ہے کہ تجارتی جہاز بیٹر آجائے پھلی بندر میں تجارتی کوٹھی قائم کرے بحری تجارت سوا اہل ہند پر آزادی کی جگہ ہے سرکار عالی کے ملک سے برآمد ہونے والے مال پر بھی پانچ فی صد سے زائد محصول لیا جائے۔ یہ عہد نامہ تیانج دکن میں ایک دیکھ بھل اور اہم امر ہے اوس کے بعض دفعات حسب ذیل معلومہ تجارت درمیان سرکار عالی و سرکار عظمت مدار

”جو کہ عہدہ انتظام یافتہ تجارت سے رعایا کی بہبودی اور فلاح اور ریاست کی آبادی اور تقویت متصور ہے اور چونکہ بغیر کسی روک ٹوک کے اور امن کے ساتھ تجارتی ربط و ضبط سے متحدہ اقوام کے درمیان دوستی، صلح اور اتحاد قائم و ترقی پذیر رہتے ہیں لہذا انریسل ایٹ انڈیا کمپنی اور ہربائیس فوآب اصفیہ نے ہر ممکن الحصول فریضہ سے سرکارین کے درمیان دلی خلوص اور اتحاد کو ترقی دینے اور اس اتحاد کا ثمرہ اپنی رعایا کو پہنچانے کی فرض سے فی بائیں سرکارین موصوفہ عہد نامہ تجارت کے دفعات ذیل کو قبول و منظور کیا ہے۔

دفعہ ۱۔ بہ نظر اوس مستحکم دوستی اور اتحاد و ارتباط کے جو انریسل کمپنی اور ہربائیس آصف جاہ کے درمیان قائم ہے۔ انریسل ایٹ انڈیا کمپنی بندر بھدرا یہ اقرار کرتی ہے کہ ہربائیس موصوف کو بندر گاہ پھلی ٹین بلا روک ٹوک کے استعمال کرنے دیا جائیگا اور ہربائیس کو اختیار ہوگا کہ اوس بندر گاہ میں تجارت کی کوٹھی قائم کریں اور اجنبیوں کو مقرر کریں۔ یہ پابندی ایسے قواعد کے جو بہ لحاظ نوعیت گورنمنٹ کمپنی لازمی ہوں اور گورنر جنرل آف کونسل اور ہربائیس کے درمیان قرار پالیں۔

دفعہ ۲۔ ہربائیس کے جہازات جن پر اون کا جھنڈا نصب ہوگا تمام اوقات میں شاہ انگلستان اور نریز کمپنی کے جنگی جہازات سے حفاظت پانیکے

مستی ہوئے اور ہندوستان میں سرکار غفلت مدار کے تمام بندر گاہوں میں اسی طرح داخل ہونے دیے جائیں گے جیسے کسی دیگر قوم مقبول کے جہاز آتے ہیں۔
دفعہ ۳ فریقین عہد نامہ کی جائز تمام اشیاء جو کسی فریق کے یہاں پیدا کی گئی ہوں یا بنائی گئی ہوں بلا روک ٹوک لانے یا بجانے دی جائیں گی۔ اور نیز تمام وہ اشیاء جو بادشاہ انگلستان کے قلمرو کے کسی حصہ میں پیدا ہوئی یا بنائی گئی ہوں۔

دفعہ ۴ تمام محاصل راہداری اور دیگر محاصل جو زمیندار یا مستاجر اور ایشیا پر جو ممالک فریقین میں درآمد ہوتے ہیں۔ وصول کیا کرتے ہیں بالکل یہ موتوف ہو جائیں گے اور تمام زمینداروں و مستاجروں کو زبردستی اس طرح محصول لینے یا تاجروں پر جو فریقین معاہدہ کے ممالک میں آمدورفت کرتے ہیں سختی کرنے کی قطعی ممانعت ہوگی
دفعہ ۵ ہر قسم کے اشیائے تجارت پر جو علاقہ کمپنی سے ممالک ہنر ایش میں ٹیکس فی صد پانچ روپیہ محصول بمقام حیدرآباد لیا جائیگا۔ اس کے سوا کوئی رقم نہ لی جائیگی۔ اور نہ کسی چیز پر ایک سے زیادہ مرتبہ محصول لیا جائیگا۔ محصول کا نفعین مالیت شے پر کیا جائیگا۔ اور تصدیق قیمت بیک پر ہوگی۔ جس میں مہر و دستخط ملازمان فریقین ثبت ہوں گے۔ اس محصول میں کوئی تبدیلی بلا اسٹرفمان فریقین معاہدہ نہ ہوگی۔

دفعہ ۶ انریبل ایسٹ انڈیا کمپنی اسی قسم کے قواعد اور ایسا ہی انتظام ہنر ایش کے قلمرو کے اشیائے پیداوار و مصنوعات کے درآمد برآمد کیلئے اپنے علاقہ میں جاری کریگی۔ اور محاصل ناجائز نہ لیں جانے اور محصول درآمد وصول کرنے میں تکلیف نہ ہونے کا انتظام کریگی۔

دفعہ ۷ ہنر ایش کے قلمرو سے جو اشیاء علاقہ انریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کے علاقہ میں آئیں گے ان کا محصول حسب فقو اسے شرط پنجم مرت مچلی ٹن یا کسی ایسے مقام پر جہاں تاجران قلمرو ہنر ایش کو تکلیف نہ ہو اور جو بہ منطوری واسٹرفمان مقرر کیا گیا ہو لیا جائیگا اور کسی شے پر ایک سے زیادہ مرتبہ محصول نہ لیا جائیگا۔

دفعہ ۸ ادن اشیاء پر جو بہ غرض برآمد ملک ہنر ایش میں خریدی گئی ہوں

بموجب قیمت اصلی اشیائی صد یا پنچویں محصول ملازمان ہزار میں وصول کرینگے اور اس سے زیادہ محصول نہ لیا جائیگا۔

و مقرر کسی تاجر یا سوداگر علاقہ گورنمنٹ آئرلینڈ یا کینیڈا کو اجازت نہ ہوگی کہ وہ قلعہ و ہزار میں وہ ہی شے پھروں فروخت کرے جو اس نے وہاں کے پیداوار یا مصنوعات میں سے خریدی ہو۔ اور نہ بلا خاص اجازت کسی قسم کا غلہ قلعہ و ہزار میں سے ممالک آئرلینڈ یا کینیڈا کو جائیگا۔ اور نہ غلہ اس کو زیادہ مقدار میں خریدایا جائیگا جو افواج سپردگی کے ضروریات کیلئے کافی ہو۔ مگر بوقت ضرورت حسب درخواست اجازت دی جائیگی کہ غلہ بلا محصول ممالک فریقین معاہدہ ہندوستان و دکن میں درآمد ہو۔

و مقرر تاجران ممالک سرکاریں یعنی وہ تاجر جو ایک قلعہ و ہزار سے دوسرے قلعہ و ہزار میں تجارت کرتے ہوں بروقت درآمد برآمد مال ایک مرتبہ محصول بہ شرح پانچ روپیہ فی صد حسب فحوائے شرائط مندرکہ بالا اور کریں گے۔ مگر دوسرے ممالک کے تاجروں یا باشندگان حیدرآباد سے حسب دستور حاصل مقررہ محصول لیا جائیگا۔ و مقرر قواعد مذکورہ بالا یکم سبتمبر ۱۸۵۷ء مطابق ۲۰ جمادی الاول ۱۲۷۵ھ سے نافذ ہوں گے۔“

مذکورہ بالا معاہدہ قلعہ و آصفی کی تاریخ میں ایک اہم چیز ہے۔ اور کام تجارتی انتظامات و محاصلات سرکاری اب اوس کی پابندی سے جاری ہیں۔ اس عہد نامہ سے سرکار عالی اور اوسکی رعایا نے ایسا کوئی نمایاں فائدہ حاصل نہیں کیا۔ جس طرح دوسرے فریق معاہدہ اور اسکی رعایا نے حاصل کیا۔ تجارتی جائزہ بڑھانے اور پھیلی بندر میں کوٹھی قائم کرنے کا ارادہ کبھی قوت سے فعل میں نہ آسکا۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ سرکار عالی کے چند جبار گذشتہ صدی میں ہندوستان میں چلتے تھے مگر ان سے تجارتی کام زیادہ نہیں لیے گئے وہ صرف حاجیوں کے لانے لیجانے کے ہی کام میں آتے رہی اور شکست ریخت ہو جانے پر فروخت ہو گئے۔

اگرچہ معاہدہ میں مختلف تجارتی محاصل جا بجا نہ لئے جانے کا اقرار ہو چکا تھا مگر کچھ عرصہ تک اس پر باضابطہ عمل نہ ہو سکا۔ البتہ بیشتر کی طرح فراغت نہ رہی۔ ۱۸۲۳ء سے بیشتر بٹارا اور اس کے متصلہ اضلاع کی روئی بنگال کے جلاہے خرید لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد سے روئی کو کثیر مقدار میں اہل یورپ کسی قدر زیادہ قیمت دیکر خریدنے لگے اور اسی لیے وہ بجائے بنگال کے بھی کوروانہ ہونے لگی اور ایک عظیم انقلاب روئی کی تجارت اور ہندوستان کی صنعت پارچہ بانی میں ہونے لگا۔ پہلے تو روئی بیلوں پر لا کر روانہ کی جاتی تھی اس میں مصارف بھی زیادہ ہوتے تھے اور وقت بھی بہت کچھ لگ جاتا تھا۔ اس لیے بغرض آسانی تجارت اون یورپین حکام اضلاع کے زیر نگرانی جو اس زمانہ میں قلو و آصفی کی ملازمت میں شریک تھے اضلاع شمال و مغرب میں شکر گین تیار ہوئیں اور ان کی بدولت بیلوں کی گاڑیوں میں مال آنے جانے لگا۔ اور رفتہ رفتہ یورپ کے ساتھ تجارتی تعلقات ترقی پانے لگے۔

۱۸۴۵ء میں کرانہ۔ ولایتی پارچوں کو ہے۔ اشیاء خارجی اور نمک کی بہت بڑی درآمد ہوئی اگرچہ کوئی شاہراہ پر ہوتی تھی۔ ناسک کے قریب مال تجارت منقسم ہو کر مختلف مقامات پر جاتا تھا۔ جو مال مغربی حصہ ملک سرکار عالی ممالک متوسط اور شرقی حصہ ہندوستان میں لیجائے جانے کا ہوتا تھا وہ اضلاع چاند و روات اور پر سے گزرتا تھا۔ ولایتی اشیاء کے معاوضہ میں اون مقامات سے غلہ۔ روئی۔ اینیوں کی درآمد ہوتی تھی۔

موسم پر نہایت کثرت سے روئی اور غلہ بیلوں پر لا کر بنجاروں کے ذریعہ روانہ کیا جاتا تھا اور طلوع آفتاب سے غروب تک اون کی غیر منقطع قطار چلتی ہی جیتی تھی اس بڑے راستہ کو طے کرنے میں ناسک پر سے ایک طویل مسافت بھی کو پہنچنے کیلئے طے کرنی پڑتی تھی اس سے بچنے کیلئے بہت سے بنجارس واری اہل طے کیٹر سے جاتے تھے۔ مدر اس بھلی ٹپن۔ ناگپور وغیرہ سے بھی تجارتی مال مختلف راستوں

کے ذریعہ آتا جاتا تھا۔

۱۸۷۱ء میں ڈاکٹر براڈلی نے ضلع اورنگ آباد کے تفصیلی حالات کی ایک بڑی مرتب کی تھی اور اس میں اس ضلع کی تجارت کا حسب ذیل تذکرہ کیا ہے۔
یہاں کے بڑے بڑے اشیاء برآمد میں۔ غلہ۔ شکر اور اشیاءے درآمد میں نمک۔
لوہا۔ سی برتن۔ سوتی پارچے اور چند دیگر اشیاءے خانہ داری شمار ہو سکتے ہیں غلہ
کی تجارت چند دوسری تاجروں کے ہاتھ میں ہے۔ ان میں سب سے بڑا تاجر لوکا میں
رہتا ہے اس کے گماشتے اورنگ آباد اور تمام قصبات میں مال خریدنے اور لوکا
بہمی روانہ کرنے کیلئے مقرر ہیں۔ جو غلہ باہر جانے سے بچ رہتا ہے وہ یہیں فروخت ہو جاتا
ہے اور باشندوں کے معارف میں کام آتا ہے۔ سوتی پارچے بنانے کے لیے بڑاڑ سے روٹی
ایا کرتی ہے۔

سوتی پارچہ بانی کی حریت کس پر اس حالت میں پڑی ہوئی ہے کل ہر ایک
گلوں میں بنے جاتے ہیں۔ خام ریشم بہمی سے آتا ہے و شروع بانی کا کام اورنگ آباد
داخلہ آباد میں معمولی طور پر اور تلجا پور میں بہت فروغ پر ہے۔ زرین پارچے اور کچی گونا
اورنگ آباد میں بنتا ہے نمک اور لوہا باہر سے بکثرت آتا ہے۔ ہر سال نمک ۱۶۶۰
پلے آیا کرتا ہے اور ۲ پیسے سیر کے حساب سے فروخت ہوتا ہے۔ فی کس بالاد وسطا ۱۶
تین پاؤنڈ تک خراج کرتا ہے۔ لوہا بہمی سے سلاخوں اور پتھروں کی صورت میں اور
نرمل سے چھوٹے چھوٹے سیلوں کی حیثیت میں آتا ہے اور ایک سال میں اس کی
درآمد بہمی سے ۴۲۵ پلے نرمل سے ۱۷۸ پلے اور دوسرے مقامات کا ۳ پلے ہوتی ہے
اور تقریباً کل کاکل زراعتی آلات وغیرہ بنانے کے کام میں آتا ہے۔ تعلقہ جالندہ
کے متعلق حسب ذیل تفصیل لکھی ہے۔

جالندہ کے بڑے بڑے اشیاءے برآمد میں غلہ اور سوتی پارچے ہیں اول الذکر
برٹش تلمود میں نہایت کثرت سے فروخت کیلئے جاتا ہے جو بارہ داری کے
جانور غلہ کو باہر لجاتے ہیں وہ اس کے عوض میں نمک اور لوہے کو ملک میں

یہاں کا مال ہونا یہی ہے۔ سورت۔ بڑودا۔ گوالیار۔ حیدرآباد میں فروخت ہو جاتا
 مذکورہ بالا اقتباس سے کسی قدر اندازہ اوس وقت کی تجارت کا ہو جاتا ہے
 نیز یہ ظاہر ہوتا ہے کہ باوجود بکثرت محال تجارت لینے کے یورپ کو پیداوار خام کی برآمد
 چلی جاتی تھی اور ملک کے اہل حرفہ و کاریگر زراعتی کاروبار میں زیادہ مشغول ہونے
 لگے تھے۔ چونکہ اوس زمانہ سے ممالک غیر کی تجارت درآمد و برآمد کو روز افزوں
 ترقی ہو رہی ہے اور گورنمنٹ نے بہت کام اس کے متعلق کیے ہیں اس لیے آج کل
 اہل حرفہ کی حالت کچھ زیادہ تعب انگیز نہیں خیال کیا جاسکتی۔ کیونکہ ایک جاہل عالم
 کے مقابلہ میں جاہل کی ایسی ہی حالت ہو جاسکتی ہے۔

۱۸۵۷ء سے حاصل راہداری وغیرہ کو موقوف کرنے اور باضابطہ طریق پر
 صرف ایک مرتبہ کسی مقام پر کڑ و گری وصول کرنے کے لیے ہزار کھنسی ہر سال جنگ
 اعظم نے کوشش شروع کی۔ ریلیڈنٹ وقت کرنل لونے اوکو تجارت کی مشکلات
 پر متوجہ کر کے صلاح دی کہ اوس تمام مال پر جربرٹس سرحد سے اصفی قلعہ میں
 دوا مبرا مہم۔ راہداری موقوف کر دی جائے جسکی موقوفی کا سلسلہ اسیں معاہدہ
 ہو چکا ہے اور جس کا نفاذ پورے پورے قلعہ پر نہ ہو سکتا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ مدد اس
 گورنمنٹ نے جو دیائے گو داوری کے ذریعہ جہاز رانی کیے جانے کی تجویز کر رہی تھی
 یہ زود دینا شروع کیا کہ محال راہداری وغیرہ موقوف کیے جائیں۔ پیشتر اس کے کہ اسکا کوئی
 انتظام شروع کیا جاتا خدیر کا واقعہ پیش آگیا۔ جب اس دامن ہو گیا اور لارڈ کننگھم نے
 بحیثیت وائسرائے شاہ انگلستان اعلیٰ وقت منفرت مکان آصف جاہ سے بذریعہ
 عہد نامہ جدید ایسٹ انڈیا کمپنی وغیرہ کے معاہدات کی تجدید کی تو اوس میں ایک فقرہ
 اہم امور تجارت کے متعلق حسب ذیل داخل کیا گیا۔

”جہاز رانی دریائے گو داوری اور اوس کی شاخوں میں جہاں تک حدود
 سرکاری واقعہ میں بلاضر احمیت ہو اگر گئی اور کوئی محصول راہداری دونوں فریق معاہدہ
 وصول نہ کریں گے اور نہ انکی رعایا آمد و رفت دریائے مذکور پر لگی۔“

اس معاہدہ کی بنیاد پر بیس بیس لاکھ روپے کے بعد سرکاری اعلان آزادی تجارت و مواصلات کا جاری ہوا اور جا بجا سرشتہ کر ڈیگری کے محصول خاتمے اور جو کیا قائم کی گئیں۔ اور تجارتی محصول زمانہ حال کے موجودہ اصول پر لیا جانے لگا قبل اس کے کہ کسی قدر تفصیل انتظامات سرشتہ کر ڈیگری کی کھجائے مشہور و معروف ہنگامہ کمپنی کا جو حیدرآباد میں پالمر انڈکینی کے نام سے قائم ہوئی تھی اور دریائے گوداوری میں جہاز رانی کی کڑنٹوں کا متعلقہ نہ کر دیا جاتا ہے۔

۱۹۹۷ء میں جنرل پالمر زینٹ متعینہ دربار پیشوا کے فرزند مسٹر ولیم پالمر جو ایک لکھنوی مسلمان بیگم کے بطن سے تھے حیدرآباد میں کسی فوجی عہدہ پر مامور ہو کر آئے مسٹر ولیم پالمر کے ایک بھائی مسٹر جان پالمر اسی زمانہ میں بمقام کلکتہ تجارتی کاروبار کرتے تھے حیدرآباد آنے اور کچھ عرصہ تک فوجی خدمت پر مامور رہنے کے بعد مسٹر ولیم پالمر نے استعفا دیکر تجارتی کاروبار شروع کیا اور ایک فرم پالمر انڈکینی کے نام سے قائم کی اس وقت راجہ چند لال بہادر مدارا المہام اور مسٹر مہری رسل زینٹ تھے اور ریاست کی مالی مشکلات زیادہ ہونے لگی تھیں۔

سال ۱۹۰۰ء میں یہ فرم قائم ہوئی تھی اور اس کے پاس کثیر سرمایہ بھی موجود تھا۔ اب اس فرم نے سرکاری کوئی اصل مالکزاری کی کفالت پر مہربانی میں روپیہ دینا شروع کیا کمپنی کا سود فیصد حصہ ہو کر آٹھ لاکھ روپیہ دے جاتے تھے اور اس کے کفالت میں سالانہ تیس لاکھ روپیہ کی آمدنی کا علاقہ کمپنی کے تفویض میں تھا کچھ عرصہ بعد اس کمپنی میں سر ولیم مہولڈ بھی حیدرآباد آکر شریک ہو گئے سر ولیم مہولڈ ایک سابق گورنر اور اس کے فرزند اور گورنر جنرل وقت لارڈ ماسٹنگلی کی ایک عزیز اور زیر غلا لیڈی سے شادی کرنے کی بدولت خاص رسیں رکھتے اور گورنر جنرل کے داماد خیال کیے جاتے تھے گورنر جنرل کی خاص نظر عنایت اور پرستی اور اس کی بدولت اس کمپنی کو حیدرآباد میں بہت جلد عروج حاصل ہو گیا۔ افسران زینٹ لسی اس میں حصہ دار بن گئے اور یہ خیال عام طور پر پیدا ہو گیا کہ گورنر زینٹ آف انڈیا خاص نظر توجہ سے اس کی پیروی و ترقی کی

خواب ہے۔ اسی زمانہ میں لارڈ ہسٹنگز نے ایک خانگی خط سر ولیم ریمونڈ کو لکھا اور اس میں فقرات ذیل بھی موجود تھے: "اوس فرم کی یہودی میں جس کے ایک حصہ دار آپ بھی ہیں جھکو خاص و پچپی ہسٹنگز کی گورنمنٹ کی امداد وغیرہ کا تعین جو اس فرم کو حاصل ہو گا اگرچہ نہیں ہو سکتا ہے مگر میں خیال کرتا ہوں کہ ویسی باشندے مثل اپنی گورنمنٹ کے اوس کارخانہ کی عزت کرنیکے جو سریم گورنمنٹ کے مشار سے قائم ہے بہر حال ان رسوخ و اثرات کی وجہ یہ کہنی سرکار عالی کو گراں تر سود پر وقتاً فوقتاً رقم قرض دیتی رہتی تھی یہاں تک کہ چھ سال میں اوسکی مقدار مدد سود ایک کروڑ روپیہ ہو گئی۔ اوسکی ادائی میں باماک کے مختلف اضلاع کہنی کے سپرد کر دیے گئے۔"

سن ۱۸۲۰ء میں مہاراجہ چند۔ والال نے ۶۰ لاکھ کا قرضہ ۸ فیصد سود سے لیا اس میں سے ۸ لاکھ روپیہ ڈائریکٹران کہنی کو بطور انعام دیے گئے تھے۔ بقیہ رقمیں ایک کثیر حصہ مختلف انعامات وغیرہ میں صرف ہو کر ایک جزوی رقم داخل خزانہ سرکار ہوی۔ اسی سال کے اواخر میں سر چارلس ٹی کاف ریزیڈنٹ ہو کر حیدر آباد آئے اور کہنی کے حالات کی تحقیقات کرنے پر انکو معلوم ہوا کہ کہنی ریاست کے حق میں ایک خطرناک چیز بنی ہوئی ہے اور سرکار عالی کو لوٹ رہی ہے اوسکے ڈائریکٹروں کو بڑی بڑی مامواریں ریاست سے جاری ہو گئی ہیں بعض افسران ریزیڈنسی اوسکے عہدہ معاون بنے ہوئے ہیں یہ حالت دیکھ کر انھوں نے اصلاح حالت پر توجہ کی اور نہایت زور سے گورنر جنرل کو توجہ دلائی کہ گورنمنٹ آف انڈیا کی ضمانت سے سرکار عالی کو ایک کروڑ روپیہ ستمبر ۱۸۲۰ء سے قرض دلوانا اور اس روپیہ سے پانچ کہنی کے مطالبات کا تعفیہ کیا جانا نہایت ضروری ہے مگر نہایت زوردار سفارشوں اور اثرات کی وجہ سر چارلس ٹی کاف کی تجویز جب تک لارڈ ہسٹنگز وائسرائے رہے چل نہ سکی بلکہ سر چارلس ٹی کاف کو یہ ہدایت ہوتی رہتی تھی کہ کہنی اور سرکار عالی کے باہمی معاملات میں مداخلت نہ کریں ۱۸۲۰ء میں لارڈ ہسٹنگز عہدہ سے کنارہ کش ہو کر انگلستان کو روانہ ہو گئے۔ اور سر جان آڈم نے چند روزہ گورنر جنرل کی

زمانہ میں کمپنی کے معاملات کی نفیثت کی قویہ ظاہر ہو کہ سرکار عالی پر معہ سود ایک کڑ ڈیڑھ واجب الادا ہے۔ اس تحقیقات کے بعد ریڈنٹ نے حسب الحکم گورنر جنرل اعظم حضرت سکندر جاہ مغفرت منزل سے ایک دستخطی سند حاصل کی جس میں حضور مدوح نے شمالی سرکار کے سالانہ پیشکش رقمی جو لاکھ روپیہ سے لاکھ سو لکھ یا تھا اور اس سند کے تحریر ہو جانے پر گورنمنٹ آف انڈیا نے اپنے خزانہ سے کمپنی کا قرضہ ادا کر دیا۔ واضح ہو کہ شمالی سرکار پمپھلی بندر اور اسکے ملحقہ اضلاع کو کہتے ہیں جنکو اول نواب مظفر جنگ نے جملہ حسن کارگزاری و اعانت فرامیسوں کو مرحمت کیا تھا اور اسکے بعد نواب علالت جنگ نے برٹش گورنمنٹ کو سپنڈیری افواج کے اخراجات کیلئے سپرد کر دیے تھے اور آمدنی میں سے بعد وضع اخراجات مثل بڑا سرکار عالی کو بچت دیجاتی تھی بہر حال اس سند کی رو سے وہ اضلاع دو ادا برٹش قلم میں ملتی کر دیے گئے۔

ادائی قرضہ کے تھوڑے ہی عرصہ بعد پالم کمپنی کا دوا الہ نعل گیا اور اسکی چہر ڈائریکٹروں کے مسرفانہ اخراجات تھے اس دوا الہ کی وجہ کمپنی کے حصہ داران انگلستان میں سخت پریشانی اور سنی پیدا ہو گئی۔ اور اوس کے متعلق مسئلہ آئیں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ممبران کورٹ آف پروپرائٹرس نے ۶ دن تک پرزور و گرم جوش مباحثہ کیا تھا۔ اوس جہا کا نتیجہ صرف یہی ہوا کہ لارڈ مشنگر کے طرز عمل کی سخت نکتہ چینی کی گئی۔ اور اسکے ساتھ ہی بعض ممبروں نے جو پالم کمپنی کے حمایتی تھے سرچارلس شکاف پر غیر واجب مداخلت کا الزام لگایا جس جوش و خروش اور ضخیم تحریات اور طویل تقریروں کے ذریعہ انگلستان کی بیکلک نے پالم کمپنی کے معاملات پر فوجہ ہندوئل کی تھی اوسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ دوا الہ مشنگر کے مقدمے کے بعد سے کوئی ہندوستانی مسئلہ ایسا نہیں پیش ہوا تھا جس پر ایسی توجہ ہوئی ہو۔ پالم کمپنی کے معاملات برٹش انڈیا کے تاریخی واقعات میں شامل ہو گئے ہیں اور بہت کم ایسی انگریزی ہندوستانی تاریخیں ہیں جن میں اس کا تذکرہ نہ ہو۔

دیوالیہ ہو جانے کے بعد بھی مٹر پالم حیدر آباد ہی میں سرکار عالی کے ایک پولیسکل پشتر اور ملی رسوخ شخص کی حیثیت سے اقامت گزریں ہو گئے۔

اور عجلت میں مدد سال کی عمر گزار کر دنیا سے چل بسے اور یہیں دفن ہوئے انکی
اولاد بھی ہوئی تھی ایک مسلمان عورت کو انھوں نے گھر ڈال لیا تھا اور سکے مر جانے پر
ہو سکے زیورات فروخت کر لیا اور ایک مسجد حیدر آباد میں بنائی جو مسجد
ابن صاحب کے نام سے موسوم اور ترب بازار میں زینڈنسی کی سڑک پر واقع ہے۔
مشرطہ المارڈر ولیم ببولڈ کی کوٹھیاں حیدر آباد میں بھی تھیں یہاں ببولڈ کی کوٹھی میں نظام کی قائم
سرچارٹرڈ ٹریڈ جو کسی زمانہ میں زینڈنٹ حیدر آباد تھے اپنے حیدر آباد کے روز پچھ
میں اس کمپنی کے متعلق حسب ذیل مہارت کرتے ہیں "میں نے وہ مشل دیکھی جو پالم کپنی کے
معاملات کے متعلق ترب ہوئی ہے اور جس میں وہ اہم اسلہ بھی شامل ہے جسکو ٹرسٹکاف
نے پالم مونس اور مارالمہام کی بد وضعی کے بارہ میں لکھا تھا اور نظام گورنمنٹ کے
اصلاح مصارف کی ضرورت ظاہر کی تھی۔ یہ اسلہ نہایت تطویل و تفصیل سے لکھا گیا ہے
بر لحاظ اپنے طرز بیان زور دینے کے مکاری مراسلات میں اسٹرنٹ کا مرتبہ رکھتا ہے اور میرے
خیال میں برٹش انڈیا کے محافظ خانوں کی یہ ایک بہترین چیز ہے۔

اس مراسلہ میں بتایا گیا ہے کہ پالم کپنی نے نظام کو قرض نہایت گراں سود پر
دیا ہے۔ یہ شرح سود ایسی ہے کہ وہ صرف کسی کفالت کے ہونے کی حالت میں ہی بچ سکتی
ہے اور برٹش تعاقب کے زور سے یقیناً یہ کمپنی نظام گورنمنٹ کو باقاعدہ ادائی قرضہ
وسود پر مجبور کرتی ہے۔ ایسی حالت میں جبکہ اس قرضہ کی ذمہ داری برٹش و نظام گورنمنٹ
ہیں کوئی وجہ نہیں ہے کہ سود ایسی گراں شرح سے لیا جائے۔ نظام گورنمنٹ واجب الادا
رقم سے بہت زیادہ ادا کر چکی ہے اور اس طرح ایک یورپین ہوس کو دو ٹنڈ بنانے
کا وہ بھونٹانے میں نظام گورنمنٹ بہت کچھ نقصان اٹھا چکی ہے اور اسکی وجہ سرکاری
اند کو نظام کے شیرے کہنا درست ہو سکتا ہے۔"

اس مراسلہ کو پڑھنے سے لارڈ ہسٹنگز گورنر جنرل کے طرز عمل کو جو اس مقدمہ میں
غیر مناسب مشر جان آدم منہرم گورنر جنرل کی کارروائی کو نہایت مناسب اور درست
خیال کرنا پڑا۔

مسرس پالم کمپنی علاوہ جہا جی کاروبار کے مصنوعات حیدر آباد کو ولایت میں اور ولایتی اشیاء کو حیدر آباد میں درآمد و مختلف کاروبار کرتی رہتی تھی اسی کمپنی نے یہ منصوبہ بھی کیا تھا کہ دریائے گوداوری میں جہاز رانی کا انتظام کیا جائے اور اسکی بدولت تجارتی مال کی آمد و رفت میں آسانی پیدا کی جائے اس غرض کیلئے پہلے پہل کلکتہ میں کوشش شروع ہوئی مادہ پور سے لکریش فلم رنگ اس دریا کی پیمائش کی گئی۔ مادہ پور میں ایک بڑا گودام ساگووان کی لکڑی کا بنایا گیا جسکی بہت بڑی ٹانگ اس زمانہ میں تھی مادہ پور سے ساگووان کے ٹھوں کو بانی میں بہا کر کورنچا میں لکڑاٹے تھے اور وہاں وہ اچھی قیمت پر فروخت ہو کر دوسرے مقامات کو روانہ کیا جاتا تھا۔ پالم کمپنی نے ایک جہاز بھی مقامی ساگووانی لکڑی کا دریا کے مناسب حال تیار کرایا تھا اور اس میں چوبیس کلکتہ کو فروخت کیلئے روانہ کرتی تھی۔ اسی کمپنی نے ایک کوٹھی چانداس روٹی کو خریدنے اور وہاں سے بذریعہ جہاز مختلف مقامات کو روانہ کرنے کیلئے قائم کی تھی مگر چند سال کے تجربہ سے یہ ظاہر ہوا کہ اس کام میں کافی منافع حاصل نہیں ہوتا اور کمپنی کے دیوالیہ ہونے کے ساتھ یہ گودام بھی ٹوٹ گئے۔

۱۸۵۷ء میں مدراس کے مشہور انجینئر مزار تھر کاٹن جنھوں نے دریائے گوداوری کو رشتا کے اینکٹ نکال کر مدراس کے شمالی سرکاروں کو گلزار بنا دیا ہے دریائے گوداوری سے جہاز رانی کرنے اور اس سے تجارتی فولید حاصل کرنے کی ایک تجویز مرتب کی اور ۱۸۵۳ء سے مزید تجربہ کیلئے علی کوشش شروع کی گئی۔ دو کشتیاں جن میں ایک دھانی کشتی، وقت طویل اور دوسری بادبانی کشتی ۶ فٹ طویل تھی اور جن میں ۶ وٹن ٹنک یا نانج بھرا جاسکتا تھا ولسا درم سے جون کے مہینہ میں چلائی گئیں۔ دونوں کشتیاں مقام معینہ پر جو دریائے گوداوری واندراؤٹی کے منگم سے ۶ میل فاصلہ پر تھا پہنچنے میں کامیاب ہوئیں۔ اور ۴ دن اسکوٹے کرنے میں لگے۔ یہ ظاہر ہوا کہ بارش کے بعد جب پانی زیادہ ہو جاتا ہے تو تیزی سے کشتی چلتی ہے ورنہ رک جاتی ہے۔ اس تجربہ کے بعد دو لاکھ ترقی ابتدائی پیمائش وغیرہ کے کاموں میں صرف کیے گئے۔ ۱۸۵۷ء میں کپٹن میگ نے

ندی کو پورے غور سے ساتھ معائنہ کرنے کے بعد ایک برآورد مرتب کی جس میں تمام موافق و معزاجتوں کو در کرنے اور ہیشہ کے لیے دیا کو آمد و رفت کے قابل بنانے کے لیے بیس لاکھ کے اخراجات کا تخمینہ کیا گیا تھا اور اسکو گورنمنٹ مدراس نے منظور کر لیا اور کام فوراً شروع ہو کر ایک انتظام بھی کیا گیا اور اسی بنابر سن ۱۸۶۶ء کے معاہدہ میں دیا گئے گو د اور کی تجارت کا تذکرہ بھی وہی تھا یہ تخمینہ کیا گیا تھا کہ منگن گھاٹ تک جو بیوی سے آدھے راستہ پر واقع اور دیا گئے گو د اور کی کا دھانہ ہے کشتیاں دس دن میں یاد موافق رہنے کی صورت میں پہنچ جایا کرتی تگی۔ اور وہاں سے واپس کھینچ کر لائی جانے کی صورت میں ڈھائی ماہ کا عرصہ لگدگا۔ روٹی کو اس کے ذریعہ بیوی روانہ کرنے کا خرچہ بمقابلہ ریلوے ڈولٹ کم ہوگا۔ دوسرے اشیاء کی دما دبر آمد بھی بکفایت ہو سکیگی۔ بعد منظور فوراً کام شروع نہیں ہو سکا سن ۱۸۶۷ء میں سمرچر ڈپٹی نے جو اس وقت منصرم چیف کسٹرنر ٹل پراونس تھے پھر دیا کا معائنہ اسکے دہانے سے لیکر دلشاد ورمٹیہ تک کیا اور ایک مبوطہ رپورٹ پیش کی جس میں اخراجات کا تخمینہ چھ بیس لاکھ روپے کیا گیا تھا اسکو گورنمنٹ آف انڈیا اور سکریٹری آف اسٹیٹ نے منظور کر لیا۔ مگر سن ۱۸۶۸ء میں اس اسکیم کے اجرا کی تجویز پورے پورے طور پر ملتوی کر دی گئی اور وہ یہ ظاہر کر گئی کہ اخراجات کے مقابل نفع کی امید یقینی نہیں ہے۔

اگرچہ اس تجویز کو نامیاتی ہوئی مگر اس کے متعلق جو معاہدہ ہو گیا تھا اس سے سرکار عالی کی توجہ اصلاح حاصل کر ڈر گیری کی جانب مبذول ہو گئی اور سن ۱۸۶۹ء میں باضابطہ حکم کر ڈر گیری فایم کیا گیا۔ نام اندرونی حاصل راہداری وغیرہ کا قافلہ و جاگیر دونوں علاقوں میں دیا جانا قطعاً بند کر دیا گیا۔ اور اس کے عوض فیصد عہد کے حساب سے ہر قسم کے مال تجارت پر محصول کر ڈر گیری مقرر کیا گیا اور بلحاظ آسائش رعایا بہت سی اشیاء محصول سے مستثنیٰ بھی کی گئیں بعض اشیاء پر محصول خفیف تھا۔ میں مقرر کیا گیا۔ سرحدوں پر جو کیاں مقرر کی گئیں اور حسب ذیل محصول خزانے و محصول کے لیے قائم کیے گئے۔

ضمیمہ تعلیمات

نتیجہ امتحان مڈل اسکول سرکار عالی بابتہ سال ۱۹۱۸ء

(۳)

دوم	شیخ اختر علی	۶۴	مدرسہ عالیہ شریک کامیاب ۹	۶۴
"	سید خواجہ احمد اللہ	۶۶	نام کامیاب شدہ	۶۶
"	جے کے کوشنامورتی رائو	۱	محمد ابوالفتح خاں	۶۷
"	نام ملی پایا راجلو	۶۶	شاہ نواز جنگ	۶
"	ٹی راماں جلو چاری	۸۱	راجہ شامراج	۸
اول	وجیا ناتھ	۸۴	سید احمد علی	۹
دوم	گوئنٹ شی ٹائی اسکول شریک کامیاب	۸۵	چادر گھاٹ گورنمنٹ ہائی اسکول	۱۰
"	محمد بدر الدین	۸۵	شریک ۱۱ کامیاب ۱۱	۱۱
"	میر اسد علی	۸۹	ابوالکبریت سید غوث الدین	۱۱
"	سید امان علی	۹۷	محبوب علی	۱۹
"	حافظ علی	۱۰۰	محمد علی ہاجر	۲۶
"	زریڈ منی اسکول شریک ۱۲ کامیاب	۱۰۲	محمد حسین	۳۲
دوم	بیم بابا	۱۰۳	محمد مظفر الدین	۳۵
"	کے راجپار	۱۱۱	سید فیروز الدین	۴۰
"	وی رگھو ندر چاری	۱۱۲	اسے ترمل ساد	۴۳
"	حسین بطار اللہ	۱۱۳	خواجہ معین الدین حسن	۵۰
"	آل سینٹ انسٹیٹوشن شریک ۱۵ کامیاب	۱۱۶	محمد عبدالرحمان	۵۳
دوم	بال ندرم یس - آر	۱۱۶	محمد بدیع الدین	۵۶
اول	ہرل منی	۱۲۷	راہیشہ دھول	۶۳

دوم	۱۷۳	راماننگم	دوم	۱۷۳	مادھو دیکشٹین دیسپانڈیہ
"	۱۷۶	ٹول نالینکا	"	۱۷۶	کرشنا جی بابو راؤ بھالک کر
"	۱۷۷	مدن موہن لعل	"	۱۷۷	اسلامیہ بورڈنگ اسکول ملک پیٹھ
"	۱۷۸	سید سعادت علی	"	۱۷۸	شریک ۶ کامیاب ۲
دوم	۱۷۹	گورنمنٹ نارمل اسکول شریک ۹ کامیاب	دوم	۱۷۹	محمد شہاب الدین
"	۱۸۰	یم چند سکھ اوپنچ پور کر	دوم	۱۸۰	سید محی الدین علی
"	۱۸۱	محمد آصف	"	۱۸۱	ایپریٹل اسکول گوگنڈہ شریک کامیاب
دوم	۱۸۲	بی کشور راؤ	"	۱۸۲	شیخ محی الدین
"	۱۸۳	محمد تلج الدین	"	۱۸۳	اینگلو ورنیکلر اسکول بھونگیر
"	۱۸۴	شکار پڈی وینکٹ راؤ	"	۱۸۴	شریک ۱۲ کامیاب ۲
دوم	۱۸۵	محمد عبداللہ خان	"	۱۸۵	کرشنا راؤ بی امڑی
"	۱۸۶	محمد عبدالستار	"	۱۸۶	کشن راؤ
"	۱۸۷	محمد حسین	"	۱۸۷	غلام احمد
"	۱۸۸	محمد عرفہ شریک کامیاب ۲	"	۱۸۸	غلام احمد
دوم	۱۸۹	مرا محمد بیگ دوم	دوم	۱۸۹	گورنمنٹ ٹرل اسکول بیدر
"	۱۹۰	سید یوسف علی	"	۱۹۰	شریک ۹ کامیاب ۲
دوم	۱۹۱	مدرسہ مفید الانام شریک کامیاب ۵	دوم	۱۹۱	یم ڈی محمد شاہ خان
اول	۱۹۲	بی ہنس دہر	دوم	۱۹۲	حیدر اللال
"	۱۹۳	بی بیخ ناتھ مہرہ	"	۱۹۳	ایپریٹل اسکول شورا پور شریک
"	۱۹۴	محمد افضل خان	"	۱۹۴	کامیاب ۲
دوم	۱۹۵	سری دہر گر راؤ	"	۱۹۵	بی ڈکشا چاری
"	۱۹۶	ویدک دھرم برکاشکا شریک کامیاب	"	۱۹۶	مکے جمین سین
"	۱۹۷	شکر شیکر راؤ کوہیل	دوم	۱۹۷	ایپریٹل اسکول مومن آباد

دوم	۲۴۷	دیوی واس جاجن	شریک اکامیاب ۱	۲۴۳	کیشو
"	۲۴۳	ذکٹ راو کلیانکر	دوم	۲۴۲	اپر ٹرل اسکول ناندیر شریک کامیاب
"	۲۴۹	چندر سین والیے	دوم	۲۴۶	گنپت
"	۲۶۰	وامودھر جھوٹے	"	۲۴۸	گویند
آز	۲۶۲	کیشو امبی کر	"	۲۴۹	لکشمی
اول	۲۶۵	تری پراساد ندو	دوم	۲۵۱	بخش علی
دوم	۳۸۲	محمد شمس الدین	"	۲۵۵	میرا قبال علی خاں
"	۲۹۰	سید بادشاہ حسینی	"	۲۵۸	سید امجد
"	۲۹۸	مرزا عابد حسین بیگ	"	۲۸۳	خواجہ سراج الدین
"	۵۰۲	یم سرینواس راو	"	۲۸۹	محمد عبداللہ
"	۵۰۶	عبداللطیف	"	۳۰۳	محمد افتخار حسین
"	۵۰۷	میل جیارام پرشاد	"	۳۰۵	محمد عنایت الرحمن
"	۳	سکندر آباد منظر محبوب کالج شریک	"	۳۲۹	نند لال
"	۹	کامیاب	"	۳۴۴	سرور علی
اول	۵۱۰	بی راتھون جی پارک	"	۳۴۶	شاہر مرزا
دوم	۵۱۸	محمد ابراہیم شریف	"	۳۴۷	شاہزادی مرزا
"	۵۲۰	دی رانا ندیم	"	۳۵۷	سید محمد علی
"	۵۲۸	جی راج گوبال	"	۳۷۷	وامرشی رنجیا
"	۵۲۹	کے گوری شنکر	"	۴۱۹	ناراین وناار
"	۵۳۰	کے سری راتھو	"	۴۲۲	راما لنگار پٹی
اول	۵۴۰	دی ویکٹا چاری	"	۴۲۸	شاعر اکویدر
دوم	۵۴۳	دی ڈی تھرو ونگدم			
"	۵۴۴	چارلس ڈیوٹو			

[illegible]

دوم	۶۸۲	غلام احمد	۷۷۲	بال کرشنا و امودہ پتلی	دوم
اول	۶۸۳	اپرٹل اسکول ایجوکیشنل کامیاب	۷۷۳	داتاری سروتم صراف	اول
دوم	۶۸۹	جنار دھن راگھو دندر ویسائی	۷۷۵	ناراین جیگونت پٹن دوم	دوم
"	۶۹۳	رام چندر بلونت	۷۷۶	سدا سیو بالاجی کچر	"
اول	۶۹۵	سرنویداس نکارام وکشت	۷۷۷	ترک سنگھ کلکرنی	اول
	۶۹۶	ونیکوب راؤ ارجن راؤ	۷۷۸	اپرٹل اسکول پٹن	
دوم	۶۹۸	ونیکوب رام راؤ	۷۷۸	فضل الدین	دوم
	۶۹۹	مدیر فو قانیہ گجر کٹرک ۶ کامیاب	۷۷۹	اپرٹل اسکول بیر شریک کامیاب	
	۷۰۰	سدا تراب علی	۷۸۰	بانڈ ورننگ ناراین میدک کر	دوم
	۷۰۱	لورٹل اسکول لنگگور	۷۸۱	سری دھریرا دترالے	"
	۷۰۲	محمد اسمیل	۷۸۲	دشنو گوپال راو مہاجن	"
	۷۰۳	رشو بہ اسکول تلجا پور	۷۸۳	اپرٹل اسکول ہنگولی	
	۷۰۴	بلونت	۷۸۴	بے رام کاسی ناتھ	"
	۷۰۵	پرا یوٹ طلباء	۷۸۵	کلاب بالارام	
اول	۷۰۶	گھنڈے راؤ بابا راؤ سکا پور کر	۷۸۶	جہاد یوہنست	اول
	۷۰۷	ونایک لکشن چانند	۷۸۷	وزیرا کلرٹل اسکول اورنگ آباد	
	۷۰۸	اورنگ آباد سنٹرل گورنمنٹ اسکول	۷۸۸	میر ریاست میر منو علی	دوم
	۷۰۹	اورنگ آباد	۷۸۹	مدیر فو قانیہ ویرجا پور	
دوم	۷۱۰	گونداس	۷۹۰	واسد یو	دوم
"	۷۱۱	محمد نور الدین	۷۹۱	کریم خان	"
	۷۱۲	سدا شیو کیشو پرن کر	۷۹۲	پرا یوٹ طلباء	
دوم	۷۱۳	داسن سکھارام وکشت	۷۹۳	میرزا محمد بیگ	دوم
	۷۱۴	اپرٹل اسکول جالندہ شریک کامیاب	۷۹۴	محمد اصغر حسین	

طلبائے نسوان حلقہ چادر گھاٹ اے	۸۳۱	میری اسٹریٹ	۸۳۲	میری اسٹریٹ
نکے اسٹینلی گرس ہائی اسکول	۸۳۲	تعلقہ سکندر آباد ایس کو کایونٹ ہائی اسکول	۸۳۳	تعلقہ سکندر آباد ایس کو کایونٹ ہائی اسکول
شریک کامیاب	۸۳۳	تعلقہ سکندر آباد ایس کو کایونٹ ہائی اسکول	۸۳۴	تعلقہ سکندر آباد ایس کو کایونٹ ہائی اسکول
شیدو نئی بانی دہرند	۸۳۴	تعلقہ سکندر آباد ایس کو کایونٹ ہائی اسکول	۸۳۵	تعلقہ سکندر آباد ایس کو کایونٹ ہائی اسکول
میری دور دھنی گرگ	۸۳۵	تعلقہ سکندر آباد ایس کو کایونٹ ہائی اسکول	۸۳۶	تعلقہ سکندر آباد ایس کو کایونٹ ہائی اسکول
کیرولان رحمان	۸۳۶	تعلقہ سکندر آباد ایس کو کایونٹ ہائی اسکول	۸۳۷	تعلقہ سکندر آباد ایس کو کایونٹ ہائی اسکول
زنمنا ابانا	۸۳۷	تعلقہ سکندر آباد ایس کو کایونٹ ہائی اسکول	۸۳۸	تعلقہ سکندر آباد ایس کو کایونٹ ہائی اسکول
میرن ڈیونڈ	۸۳۸	تعلقہ سکندر آباد ایس کو کایونٹ ہائی اسکول	۸۳۹	تعلقہ سکندر آباد ایس کو کایونٹ ہائی اسکول
مدرسہ کانونیٹ آف میسوسٹ ہولی ڈور	۸۳۹	تعلقہ سکندر آباد ایس کو کایونٹ ہائی اسکول	۸۴۰	تعلقہ سکندر آباد ایس کو کایونٹ ہائی اسکول
اسن سیکوٹرا	۸۴۰	تعلقہ سکندر آباد ایس کو کایونٹ ہائی اسکول	۸۴۱	تعلقہ سکندر آباد ایس کو کایونٹ ہائی اسکول
میری روڈری کبس	۸۴۱	تعلقہ سکندر آباد ایس کو کایونٹ ہائی اسکول	۸۴۲	تعلقہ سکندر آباد ایس کو کایونٹ ہائی اسکول

تصحیح

کثیر صاحب اشعارات مطلع فرماتے ہیں کہ محمد اسد اللہ جس کا رجسٹر نمبر ۵۱ ہے
استان ڈل میں بدرجہ دوم کامیاب ہے۔

اعلان

متعلق عطاءے ہائی اسکول لیونگ ٹریفکٹ

(۱) قرار داد استحقاق۔ یہ ٹریفکٹ تکمیل نصاب مقررہ مدارس پر صرف انھیں طلباء
کو دے جائیگ جنہوں نے (۱) جماعت اے وسطی سے جماعت اے فوقانیہ میں ترقی
پاب ہونے کے بعد ایسے مدرسہ میں تعلیم پائی ہو جس کو کہ مجلس نے عطاءے ٹریفکٹ
کا مجاز گردانا ہو (۲) اور جماعت اے فوقانیہ کی ہر جماعت میں فروغ و اہمیت

شعبہ سابعہ کے معینہ ایام درس میں سے کم سے کم ۱۶۰ فیصدی اور ہر سال کے جملہ ایام درس میں سے کم سے کم ۱۲۰ روز حاضر رہے ہوں۔

(۲) مجاز عطاے سند (سٹرٹیفکٹ) عطاے سٹرٹیفکٹ کا انحصار ایک ایسی مجلس پر ہوگا جس کے میرٹجلس بہ لحاظ عہدہ قائم تعلیمات ہو اگرچہ اس کے ارکان نظام کالج و عہدہ داران سررشتہ تعلیمات۔ علاوہ اس آئندہ نظام کالج کے اور تنظیم مدارس خانگی مسئلہ سرکار کے بھی ہونگے ارکان مجلس یا شناسا میرٹجلس و معتد مجلس صرف تین سال کے لیے مقرر کیے جائیں گے جن کو دوبارہ منتخب ہونے کا حق بھی حاصل ہوگا۔ پابندی غیر ایڈ اسکیم نڈا سٹرٹیفکٹوں کے اجراء کا اہتمام اور وقتاً فوقتاً تنقیح و معائنہ ایسے رجسٹروں اور کارناموں کا جن کا کہ مدارس کو باغراض اسکیم نڈا رکھنا لازمی ہوگا۔ مجلس کے متعلق ہوگا

(۳) سند کی غایت۔ شرکت جماعت فوقانیہ (مدارج لائق اسکول) سے حصول سٹرٹیفکٹ تک جو اسید دار نے علمی تحصیل مدد سے میں کی ہوگی اس سند میں اندراج ہوگا عہدہ اور اس میں عام ہر سرکاری کے نتائج بھی اس میں مرقوم ہونگے جو منجانب مجلس عمل میں آئیں گے جس سے کہ بھلاحت معلوم ہو سیکے گا کہ طالب علم نے کن کن علوم یا مضامین میں تعلیم پائی ہے اور بقابلہ دیگر طلباء اس کی تحصیل علم کس پایہ کی ہے۔

مضامین تعلیمی یا عمومی مشتمل مضامین مصرعہ فہرست (۱) (ب) پر حسب مراتب ذیل ہونگی۔ علاوہ اس کے اعلیٰ ایک یا زیادہ مضمون مضامین فہرست (ج) میں درج ہو سکتے ہیں۔

(۱)

مبادی علم ریاضی

انگریزی علم ادب

وہی زبان میں مضمون نگاری و ترجمہ

(۲) مرقومہ ذیل ایسی زبانوں میں سے کوئی ایک زبان اختیار کیا جائے۔

اردو۔ تملک۔ مرہٹی۔ کنڑی۔ انگریزی۔

لے صرف متوطان کو رہنے کے لیے۔

(ب)

المیڈری سائنس (مبادی اصول العلوم) جغرافیہ تاریخ ہند علم الرسم (ڈرائنگ) ریاضت
جسمانی اصول خانہ داری و سوزن کاری (صرف لڑکیوں کے لیے ہے)

(ج)

(۱) ان السنہ تھیری یا السنہ خارجہ میں سے کوئی ایک (۱) السنہ قدیمہ یونانی۔ لاطینی

فارسی عربی سنسکرت (ب) السنہ خارجہ۔ فرانسیسی۔ جرمنی ایتھلیٹک

(۲) ان ہندوستانی زبانوں میں سے کوئی ایک اردو۔ کنڑی۔ تامل۔ تیلگ۔ مرہٹی۔

(۳) تاریخ انگلستان (۴) علم الجبر و المتقابلہ (۵) عمل ریاضی (۶) علم شلٹ (۷) علم

نباتات (۸) علم طبیعیات (۹) علم کیمیا (۱۰) علم موسیقی (۱۱) علم ملاحہ (۱۲) علم عمل تجارت

و جغرافیہ (۱۳) ایک کیمینٹ (علم سیاق) و تجارتی حساب (۱۴) خطا اشارہ و شارٹ

ہینڈ رائٹنگ، فنانس رائٹنگ (۱۵) خلاصہ نویسی و ہرست نگاری (۱۶) سوزن کاری

و خیاطی (۱۷) لیس بنانا اور کوئی مضمون جو سکندری نصاب تعلیم میں شریک ہو۔

(۴) تکمیل سند شریفلٹ

(۱) اس تہذیب نمونہ ضمیمہ اسکیم پر مبنی ہونگی ہر طالب علم کو جماعت فوقانیہ میں شریک ہونے

ہی ایک سادہ جدول مندرجہ ذیل کے دیجاگی جو کہ اس کے نام سے مدرسہ میں محفوظ رہے گی

اور اسکی مدت تعلیم میں ہر مہینہ پر صد مدرسہ اسکی خانہ بری کیا کرے گی۔

(۲) ہر مضمون کے محاذی اسکی تعریج کیجاگی کہ وہ کہاں تک پڑھا گیا ہے اور اس

کے آنتساب میں بحیثیت مجموعی طالب علم نے فیصدی کتنے نمبر حاصل کیے لیکن علم

و نباتات۔ ریاضت جسمانی و شکاری اور خطاطی کے متعلق صرف ایک عام رائے

کا اظہار بغیر مزاحمت نمبر محصلہ کافی ہوگا۔

(۳) جس سال کے اختتام پر طالب علم درجہ فوق میں ترقی پانے کا قابل نہ ثابت

ہو او اس سال کی تحصیل علم کا اعداد سمجھی جاگی اور نہ کوئی سند مبادی ڈیڑہ

شریفلیٹ قابل قبول ہوگی جو ایک ہی مدرسہ میں حاصل نہ کیگئی ہو الا اوس صورت

مدرسہ میں انوار میں اونی چار مضامین اول الذکر مشمولہ ہرست (ب) میں سے کسی ایک کے عوض ہوا

خاندانی و سوزن کاری رسم چھانسنہ

میں کہ طالب علم نے والدین یا سرپرست نے بغیر وقت خدمت سرکاری نقل مقام کیا ہو یا کوئی ایسی خاص مجبوری لاحق ہو گئی ہو جس سے صدر ہرترم مدارس اور مجلس واجبی سمجھو۔
(۵) عام امتحان سرکاری

(۱) ختم مدت فصاف فوقانیہ پر جو امیدوار بغرض تکمیل سند عام امتحان (جو کہ نریزنگرائی مجلس ہوگا) میں شریک ہونا چاہیں گے اوں کی سندیں بوساطت صدر مدرس معتمد مجلس کے پاس ارسال ہو چکی ہوں گے صدر مدرس کو لازم ہوگا کہ وہ اس امر کا اقرار کرے کہ وہ امیدوار جلد مضامین مندرجہ فہرست (۱) اور منتخبہ مضامین مشمولہ مثل فہرست (ج) میں امتحان دینے کی قابلیت اور لیاقت رکھتے ہیں اور نریز کہ اوں کا نتیجہ مندرجہ فہرست (ب) کا کاتب قابل اطمینان ہو۔

(۲) ایسے طلباء کی سندیں جن کے ذمہ کچھ بھی باید وادب رہے ریگنی ہو نہیں بھی جائیگی۔

(۳) اور نہ اوں کہ جن کی عمر ماہ امتحان کی پہلی تاریخ کو پندرہ سال سے کم ہو۔

(۴) ہر امیدوار سے داخلہ امتحان کے (دفعہ ۵) لیے جائیگے۔

(۵) اس امتحان میں جلد مضامین مندرجہ فہرست (۱) اور ایک یا زیادہ مضامین مندرجہ فہرست (ب) کا

(۶) تاریخ و مقامات انعقاد امتحان کا تعین اور اعلان پرمکمل کیا جائیگا۔

(۷) اس امتحان میں ہر مضمون کے جلد نشانات مفروضہ یعنی ایک سو میں سے جتنے نشان موصول ہوں

وہ منجانب مجلس سند کے آخری صفحہ پر درج ہونگے اور مجلس اس امر کی بھی مجاز ہوگی کہ تمام

اندراجات سند سے جو بحالت مجموعی ایک خاص کیفیت پیدا ہو اوس کے متعلق اپنی رائے کو

(۸) عطلے سند (۱) سندیں بطریق مذکورہ بالا خانہ بری اور تکمیل کے بعد صدر مدرسین

کے پاس بدیں غرض واپس کی جائیگی کہ مدارس سے فارغ ہونے والے طلباء کے حوالہ کر دیا جائیگا

(۹) اگر کوئی طالب علم مدرسہ سے علیحدہ ہونا چاہے اور وہ صدر مدرس کی رائے میں

شرکت امتحان کے قابل نہ ہو تو صدر مدرس اوس کی عدم اہلیت کی شرح بدخطا خود سند

پر ثبت کرینگے اور اوس کی نقدین صدر ہرترم متعلق کرینگے اوس کے بعد وہ معتمد

مجلس کے پاس بغرض معائنہ جائیگی وہاں سے بذریعہ صدر مدرس امیدوار کے حوالہ کیا جائیگا

(۷) مقدمہ سند (۱) کوئی طالب علم حسب شرح بالاستعمال کو لکھ سکے بعد اگر چاہے کہ مضامین کو پڑھا دے اور کرسے یا مضامین مندرجہ فہرست (ج) میں سے کوئی جدید فن حاصل کرے تو اسے اپنے فائدہ میں جو عود یا کسی جدید مسئلہ میں جس شرکت حاصل ہو گا اور شریک عام امتحان سرکاری ہو کہ بلحاظ کامیابی بہتر فہرست اور معینیت کی سند حاصل کر سکتا ہے۔

(۱۲) اس طریقہ طالب علم چھٹی کو بند چاہے شریک امتحان ہو سکتا ہے۔

(۳) اگر کوئی طالب علم ایک یا کئی ایسے مضامین جن میں کہ وہ پیشتر امتحان دیکھا ہو پھر یکے کے امتحان میں شریک ہونا چاہے تو اسے (دفعہ) کے مجموعہ سے داخلہ کے دینا ہونگے۔ ورنہ پھر نئے مضامین مندرجہ فہرست کے (ج) کے لیے (دے) روپیہ میں دونوں صورتوں میں طالب علم کے قدیم سند پر جدید ترقی کی کیفیت اس نتیجے سے لکھی جائیگی جیسے کہ تکمیل سند کے نتیجہ میں مذکور ہوئی

(۱۰) عشرت بہتر کروایا جائیگا کہ اس قسم کی سند پانچ کے بعد کن کن درجے کی خدمت مدرسہ یا ملازمت کے عارضی یا قطعی بافوق کے لوگ موزوں اور اہل اقرار دے جائینگے۔

(۹) قواعد ذیل سے پابندی کرنا لازماً سکیم ہذا مجلس اس امر کی مجاز ہوگی کہ تخریض انازہ تعلیم و ترویج بند ذہنیت امتحان عام دو گیارہ موزوں طبقے سے طے شدہ کیلئے حسب ضرورت ذیلی قواعد نافذ کیے ان قواعد کی اشاعت وقتاً فوقتاً دفتر نظامت تعلیمات سے ہو اگر چاہیے۔

(۱۰) تاریخ نفاذ اسکیم ہذا اس اسکیم کا نفاذ بحکم امر حاکم السانیم ۱۹۱۰ء میں ہو گا۔ اور بلحاظ امتحان سرکاری اردو ہیئت سائنس و فنون مابین ۱۹۱۰ء میں ہو گا اس کو بالفعل عارضی طور پر سال گذشتہ کی پہلی اور دوسری معامات میں امتحان کے دو ترمز سے جانگے اس بنا پر جو عام امتحان ۱۹۱۱ء میں ہو گا اس کی تخریض جابر میں ختم ہو جائیگی اور ان بعد چھ مہینوں میں ختم ہوگی۔

(۱۱) مذکورہ ضابطہ میں تکمیل شدہ کیلئے اسکیم واروں کو ضرورت نہیں کہ کسی زبان کی مضامین لکھیں اور ترجمہ کی کلا امتحان میں نہ صرف عربی کو یہ قصد ترقی لازم ہوگی کہ امیدوار اس طرح کا امتحان دیکھ لیں تاہل اور اہل ہیں۔ ان جو امیدوار کسی زبان میں مضامین لکھیں اور ترجمہ کا امتحان دیکھ لیں تاہل ہوں وہ کسی شعبہ میں ان کی تصدیق کرنی ضرور ہوگی کہ وہ کسی دوسری زبان میں جس کے مضامین میں نہیں اشتہار کیا لازم ہو گا امتحان اپنے جس کے لائق ہیں اور یہ دوسری زبان اس مندرجہ فہرست میں سے

کوئی ایک یا زبان ہو سکتی ہے۔ ترجمہ خط نظامت جنگلیم و مال لالہ بی بی شریک امتحان مندرجہ فہرست میں سے

فینانس

(۴)

ہماری ریاست ابدیت کا ایک ایسا ضروری سرشتہ ہے جس کو نظم و نسق مملکت میں دہی وصیت حاصل ہے جو دل کو قالب انسانی میں ہے جس طرح دل کی صحت و توانائی بدن انسانی کی قوت و درستی کا موجب ہے اسی طرح فینانس کی مستعدی و فرض ادائی ریاست کی ترقی و بہبود کا باعث ہے۔

ریاست کے مداخل پر غور کرنا کہ وہ مخارج کے لیے کافی ہیں یا نہیں اگر کافی نہیں ہیں تو ہون کی کمزوری کے کیا ذرائع ہیں مخارج کی نسبت تحقیق کرنا کہ وہ واجبی اور بجائی خود ہیں یا نہیں اگر واجبی نہیں ہیں تو ان کو کس طرح گھٹایا جاسکتا ہے گھٹے ہوئے مخارج کو حسب ضرورت بڑھانا اور بڑھانے کے لیے گنجائش نکالنا۔ یہ سب ایسے اہم امور ہیں کہ ان کا انصرام صرف سرشتہ فینانس کی مستعدی اور درست کاری پر منحصر ہے۔

دنیا کو اگر ایک ریل گاڑی فرض کیا جائے تو اس کا کوئی پانی یا بھاپ یا چلانے والی قوت صرف تو روپیہ ہے۔ امیر و غریب صرف روپیہ ہی سے زندگی بسر کرتے ہیں اور سلطنتیں بھی صرف روپیہ ہی کے بل بوتہ پر چلا کرتی ہیں۔ روپیہ سے زیادہ دنیا میں کوئی شے طاقتور نہیں ہے جس شخص کے پاس جتنا روپیہ ہوگا اتنا ہی وہ قوی اور عزتمند سمجھا جائیگا اور جو سلطنت جتنا زیادہ روپیہ رکھ لگی اتنی ہی وہ بزرگ و مست اور عظیم الشان سمجھی جائیگی۔

پس روپیہ پیدا کرنا اور سلطنت کے خزانہ کو بھر پور رکھنا ضروریات اولیٰ ہیں۔ سے ہے اور اس ضرورت کو پورا کرنا اور اس کے حق سے ادا ہونا صرف فینانس کا کام ہے اور کسی کا نہیں۔

سلطنت کا خزانہ رعایا کی کمائی سے بھرتا ہے اور رعایا جس قدر زیادہ کمائی اور خوشحال و دولت مند ہوتی ہے اسی قدر سلطنت کے خزانہ کو بھر تی ہے پس رعایا کو کمائی پر لگانا اور اس کو خوش حال و دولت مند کرنا اور اس کے فلاح و صلح کے فیصلے

کا بہم پہنچانا فیئانس ہی کے فرائض میں سے ہے۔

رعایا کی کمائی یا تو زراعت ہے یا صنعت و حرفت حقیقت میں یہی دونوں چیزیں
روپیہ میں اور روپیہ اسخی دونوں کا مرادف ہے پس اگر ہماری ریاست کا رقبہ محض
زراعت اور بھی قیمتی زراعت سے مالا مال ہے اگر ہماری آبادی صنعت و حرفت اور
وہ بھی نہایت کارآمد صنعت و حرفت سے بہرہ اندوز ہے اگر ہمارے ملک میں تمام
مکمل سے ممکن ذرائع رفاه و فلاح رعایا موجود ہیں تو تو غیر زیادہ فکر کی ضرورت نہیں
ہے لیکن اگر اس کے خلاف ہماری زمینیں بے پختہ پڑی ہوئی ہیں اگر ہمارے تالاب ٹوٹے
ہوئے ہیں اگر ہماری نہریں خشک ہیں اگر ہمارے دریا بیکار بہہ رہے ہیں اگر ہمارے
مزارعین جدید آلات زراعت اور سائنٹیفک طریقہ کشتادوزی سے نا بلکہ ہیں اگر
ہماری آبادی کا بہت سا حصہ بیکار ہے اور جو کچھ باکار ہے وہ بھی عمدہ عمدہ صنعتوں
اور حرفتوں سے ناواقف ہے۔ اور جو کچھ صنعتیں باقی ہیں وہ بھی کس میرسی کے
عالم میں دن بدن مٹی جا رہی ہیں اور اسی کی بدولت ہماری برآمد سے درآمد بھی
ہوئی ہو۔ یعنی ہم اتنا کماتے نہیں ہیں جتنا گماتے ہیں۔ اگر ہمارا ملک اسباب
رفاه رعایا سے خالی ہے۔ اگر یہ تمام خرابیاں ہمارے ملک میں دکھائی دیتی ہیں
تو ان تمام کا دور کرنا فیئانس کا فریضہ ہے اور اس کا ایسا انتظام کرنا بہت ضروری
ہے کہ زمینات آباد ہو جائیں تالابوں نہروں اور دریاؤں سے آب پاشی کا کام
لیا جائے۔ مدرس زراعت قائم کیے جائیں۔ جس میں مزارعین اور ادون کی اولاد کو
زراعت کی جدید تعلیم دی جائے صنعت و حرفت کے مدر سے کوئے جائیں اور ساتھ
ہی کارخانے قائم ہوئے کا بندوبست کیا جائے جو جو صنعتیں کس میرسی سے زوال
پذیر اور فریب الظلم ہو گئی ہیں ان کو فروغ دیا جائے درآمد سے برآمد کے پڑھانے
کی کوشش کی جائے ملک کے ہر گوشہ میں وسائل آمدورفت یعنی ریلیں اور ٹرکس
بنائی جائیں۔ غلہ کاشت ملک بھر میں کیساں رکھا جائے۔ سرکاری سکے انشیت
سے چلے جائیں جو ادون کے لیے مفید کی گئی ہے الغرض ایسے کام کیے جائیں کہ

ملک میں رفاہیت و فلاحیت عام ہو اور وہ جدید تہذیب و تمدن سے آراستہ ہو جائے۔ ہمارے ملک میں سکے کا نرخ ہمیشہ گھٹتا پڑھتا رہتا ہے اٹھنی چوٹی وغیرہ پر نہ لگتا ہے اس ضمن میں سکے سے خارج رہتی ہے زرعی پیمانے اور بات مختلف ہو سکتے ہیں ٹیپ میں مٹی پی وغیرہ کا چلن نہیں ہو اسے غیر ضروری اخراجات منظور ہوتے رہتی ملازمین سرکاری ہیں افسروں کی تنخواہوں کے تناسب سے عمل کی تنخواہ بہت گھٹی ہوئی ہے رشوت سے رعایا نالاں سنی جاتی ہے جس سے انصاف حق پر بھی امن و آسائش کا فوٹن تار ہوتا ہے یہ ایسے امور ہیں کہ ان کے انسداد کی جانب اخبارات توجہ دلاتے ہیں لیکن توجہ نہیں ہوتی۔ پس اب بہت جلد مناسب تدابیر کی جانب منتقل ہو جانا چاہیے۔

اگر ہمارے ملک میں فینانس کی استعداد سے یہ تمام باتیں عمل میں آجائیں گی۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلیگا کہ تمام ملک آسودہ و خوش حال ہو جائیگا رعایا مالدار ہوگی محاصل بڑھیں گے اور خزانہ سلطنت معمور ہو جائیگا۔ اگر سڑاے آر کلاسی۔ معین المہام فینانس ان امور پر اپنی توجہ مبذول فرمائیں اور سڑاے بونڈ لال سیل مقصد فینانس ان کو توجہ دلائیں تو ملک ہمیشہ کے لیے ان کامنوں ہوگا اور اعلان کو زندگی بھر یاد رکھیں گے۔

مقدمہ عدالت و کو تو الی و لمو رع

(۴)

رعایا کے حفظ میں انصاف رسائی اور شائستگی کی تمام ذمہ داریاں اسی سرشتہ کے سر ہیں۔ ریاست میں اس کو وہی مرتبہ ہے جو غالب انسانی میں دماغ کو حاصل ہے جس طرح دماغ اپنی سمجھ اور دیگر قوتوں سے انسانی ڈھچک کو ملات اور نیز محضرت سے بچاتا اور زندگی کی سیدھی ڈگر پر چلاتا ہے اسی طرح یہ محضرت پولیس عدالت تعلیم اور تہذیب کی قوتوں سے سلطنت کو مضبوط و مستحکم رکھتا ہے اور اس کا خیر اندہ سمجھنے نہیں دیتا ہے

پولس اور عدالت اگرچہ امن و انصاف کے ذریعہ ہیں اور ان سے رعایا میں
انتظام قائم رہتا ہے اس لیے ہر گورنمنٹ نے ان دونوں کو نہایت اہمیت دی ہے
لیکن اس کے ساتھ ہی تعلیمات اور امور مذہبی بھی کچھ کم اہم و ضروری نہیں ہیں بلکہ اہل الذکر
تو امن و امان اور شائستگی کے غاہری ذریعہ ہیں۔ اصلی ذریعہ صرف تعلیم و مذہب ہی
ہیں ملک جس قدر زیادہ تعلیم یافتہ اور پابند مذہب ہوگی اتنی ہی لڑائی جھگڑوں سے
نفور اور دیانت و صلحکاری پر مشفقہ رہیگی جسکی متعدد نظیریں تاریخ اقوام سے مل سکتی ہیں
پس تعلیمات و امور مذہبی پر بطور خاص توجہ کرنا نہ صرف حالات ملک کے لحاظ سے بلکہ اصولی
طور پر بھی ضروری اور مستندی عدالت و کونوئی کے فرائض میں سے ہے۔ اس وقت ہمارے
ملک میں

تعلیمات

(۱)

کی کیا حالت ہے؟ کس قسم کی تعلیم رائج ہے؟ کس قسم کی تعلیم کی ضرورت ہے؟ تعلیم کتنی
بیمبلی ہے؟ تعلیم کی مدت کیا رکھی گئی ہے؟ فری اور جبری تعلیم صنعت و حرفت کی تعلیم
زراعت کی تعلیم۔ ان چیزوں کی ضرورت ہے کہ نہیں اگر ہے تو کس حد تک کس زبان
میں کس مدت کے لیے کن کن طبقات کو دی جانی چاہیے یہ ایسے سوالات ہیں۔ جن کے
حل کرنے کی جانب اب تک بہت کم توجہ کی گئی ہے لیکن ان کا حل کرنا بہت ضروری
اور ملک کا نجات دہندہ ہے۔

ہمارے ملک میں اول تو تعلیم کا قحط ہے۔ اور جو کچھ تعلیم ہے وہ بھی ادھوڑی
اور زیادہ تر غیر مفید ہے۔ جدید علوم و فنون سے ہمارا ملک بے بہرہ ہے اور ملک کے
ساتھ ایک بڑی حد تک زبان بھی ان نعمتوں سے محروم ہے۔ ہمارے ہاں فری اور
جبری تعلیم کا وجود نہیں ہے۔ صنعت و حرفت کی تعلیم منقود ہے ملک اگرچہ زراعتی ہے
مگر زراعت کا کوئی ایسا مدرسہ نہیں ہے جو ویسی زبانوں میں کشا و زروں کو جدید طریقہ
زراعت سکھاتا ہو۔ انگریزی علوم و فنون سکھانے والے انجلیوں پر شمار کیے جاسکتے

ہیں اور غریب و بوجہ غربت ان علوم سے بے نصیب رہتے ہیں آبادی کے لحاظ سے شاید فیصدی ایک دو تعلیم یافتہ تھیں تو انہیں ورنہ یہ بھی نہیں جو لوگ کچھ کھنے پڑھنے لگ جاتے ہیں وہ ملازمت سرکاری کے خواہاں ہو کر امیدواری میں سالہا سال تباہ کر دے ہیں اور ہٹلے مصائب رہ کر بیکاری و بدکاری پھیلاتے ہیں ایسا کوئی سر رشته موجود نہیں ہے جس کے اہتمام میں نئے علوم و فنون ترجمہ ہو کر اردو کا سرمایہ بڑھائے جائیں اور اگرچہ ملک کی عام اور سرکاری زبان ہے لیکن اوس کی کوئی خاص پرداخت نہیں کجائی ہے۔ جس کا بد بھی ثبوت یہ ہے کہ پریس یہاں نہایت رومی حالت میں ہے پریس سے شاید دو چار ہی اخبار و رسائل نکلتے ہوں گے اور وہ بھی اس شان سے کہ بشکل ان پر اخبار و رسائل کا اطلاق کیا جاسکتا ہے اگر کوئی شخص اپنی تعزیف و ایف کو شایع کرنا چاہتا ہے تو یہاں کے پریس کی رومی حالت اور بے پروائی سے گھر اگر شمالی ہندوستان کے کسی مطبع سے معاملہ کرنا ہے۔ یہ سب ایسے امور ہیں کہ ان کی جانب متعبدی عدالت و کو توالی کو انتہا تک کرنا از بس ضروری ہے مسٹر محمد اکبر نذر علی حیدری بی۔ اے ایک نہایت روشن خیال تعلیم یافتہ ہندو فوج اور سچے مسلمان سمجھے جاسم میں اگر وہ ہماری تعلیم کا گنبد درست کرنے میں مدد ہوں۔ اگر وہ مرحوم سر رشته علوم و فنون کو زندہ کرنے اور اوس کو مفید و کار آمد بنانے میں ساعی ہوں۔ اگر وہ خط استعطق کے تاسیخ کا کارخانہ قائم کرنے میں کوشاں ہوں (جس کے متعلق ادون کے دفتر میں کافی مواد موجود ہے اور جس کی نسبت صحیفہ کے اسی نمبر میں ایک مضمون درج ہے) اگر وہ ملک سے بیکاری و بدکاری کو رفع کرنے کے باعث ہوں تو ملک ادون کو اپنا محن اور رفاہ تسلیم کرنے کے لیے تیار ہے اور اوس کی بدولت زندہ جاوید ہو جاسکتے ہیں۔

صحیفہ امون زہدی

(چھ)

کی یہ حالت ہے کہ جو لوگ مذہبی خداوند پر مقرر کیے جاتے ہیں وہ دنیا سے بہت

کم واقف ہوتے ہیں الا اشار اللہ خطیبوں پیش اماموں موزنون وغیرہ کے لیے کوئی امتحان مقرر نہیں ہے۔ بلکہ شاید ان خدمات پر بلا استحقاق لیاقت منسلک بعد نسل باعتبار وراثت تقررات عمل میں آتے ہیں اسی کا نتیجہ ہے کہ اداری اور دوزبان میں موعظت و مذاکرہ نہیں ہوا کرتا جمعہ کی نماز تک میں عربی خطبے جو صدیوں سے بلا کمی بیشی محفوظ چلے آ رہے ہیں بغیر اس کے کہ صحیح تلفظ سے ادا کیے جائیں اور ان کا مطلب سمجھا یا سمجھایا جائے۔ صرف ادا کے رسم کے طور پر پڑھ دے جاتے ہیں۔ مصلی جو عربی سے ناواقف رہتے ہیں خاک نہیں سمجھتے کہ ان کا کیا مطلب ہے اور کیا اوامر و نواہی سنائے جا رہے ہیں ایسی حالت میں سامعین پر ان خطبوں کا جو کچھ اثر ہوتا ہوگا وہ بھی معلوم ہے جب فرائض مذہبی کی ادائیگی کا یہ حال ہے تو تبلیغ و اشاعت اسلام کا خدا ہی حافظ ہے۔ ہمارے ریاست ہندوستان کی سب سے بڑی اسلامی ریاست ہے اور اس حیثیت سے اس کا فرض ہے کہ حتیٰ الکتف اپنے مذہب کی خدمت و اشاعت کرے۔ مگر داسے بر حال ماک۔ اس کی طرف مطلق توجہ نہیں ہے دوسرے مذاہب خصوصاً عیسائی مذہب بڑے زور و شور سے تبلیغ و اشاعت میں منہمک ہے۔ اور خود گورنمنٹ کی جانب سے خادمان مذہب کو ادراک ملتی ہے قوم الگ کو کشش کرتی ہے کہ دائرہ مذہب وسیع ہوتا جائے لیکن ہم اس سے بالکل غافل و بے خبر ہیں۔ اس لیے نہایت سنجائی اور پوری قوت کے ساتھ ہم معتمدی عدالت کو توجہ دلاتے ہیں کہ وہ صحیفہ مذہبی کی اصلاح پر کمر بستہ ہو جائے خطیبوں اور پیش اماموں کے لیے ایسا امتحان مقرر کرے کہ اس کے پاس شدہ و نیات کے پورے مابہر اور ایسے لائق و قابل ہوں کہ مادری زبان میں وعظ و خطبہ کہہ سکیں مسلمانوں کو ضلالت و کج روی سے بچا کر راہ راست پر لاسکیں تبلیغ اسلام کے فرائض انجام دے سکیں۔ اور حقیقی معنوں میں پیشوایان مذہبی کہلا سکیں۔ مسجدیں آباد ہوں فرائض مذہبی ادا کیے جائیں اور مسلمان روز بروز پابند مذہب اور دیانت و تقویٰ حاصل کرتے جائیں۔

مقتدی عدالت کو کوئی سے اپنی امیدیں ظاہر کرنے کے اب صرف عباسی باقی رہتی ہے۔

صدر عباسی

گو بیاریاست کا مدعہ ہے کہ سلطنت کی غذا وہیں جمع ہوتی ہے اور وہیں سے اعضاء سلطنت کو رہا
تفسیر ہو جاتی ہے جس طرح مدعہ کا کام ہے کہ عضو کو اوس کی حیثیت کے مطابق حصہ پہنچا کر اور جس طرح
مدعہ کے درست فیصلے پر تمام اعضاء کی درستی و توانائی موقوف ہو اسی طرح صدر عباسی کا کام ہے کہ ہر شے کو اسکی
ضروریات کے مطابق روپ دے اور فضول خواہات اور زیادہ طلبیوں پر اعتراض کرے خزانہ کی چلنی بڑھا
کرتی ہو اور اس امر کی ترویج کرے کہ جو سرکاری زمینیں سرکاری دفاتر کو دیجاتی ہیں وہ انھی کاموں میں
لگائی گئیں اور انھی اشخاص کو دی گئیں جن کے نام سے اکی گئی تھیں یا نہیں، بصورت ثانی مناسبت ملک
عمل میں لائے وقت برابر ایساں کرے اور وقت پر ریاست کے جمع و خرچ کا موزن ترتیب دے یا ایسا کہ
ہیں کہ ان کے انصرام کے لیے نہایت لائق مستعد متدین اور تجربہ کار وافر کی ضرورت ہو خدا کا شکر
کہ صدر عباسی کی ان ذمہ داریوں کو انجام دینے کیلئے سرکار نے مولوی سید محمد صاحب کے ایسے لائق تجربہ کار
متدین اور خزانہ ملک کی خدمتیں پسند فرمائیں ملک کو اپنی خوش قسمتی پر ناز کرنا چاہیے کہ اسی اچھے
موجودہ جس جو انصاف پر دہی اور حق سنانی کے مقابل میں کسی قسم کی رعایت و تفریط نہایت زیادہ باکی فہم اور کوشش
مولوی سید احمد صاحب نہایت سچے اوصاف بزرگ درجہ گرد و ملت پر سچی مسرت و گروہی ہو
کے پورے پورے صدق میں انسان کو اگر افریقہ و سروری بھائی ہو تو وہ فخر حکومت و غرور دولت میں ایسا شہر
ہو جاتا ہو کہ اس کو گرد و پیش کچھ سمجھائی نہیں دیتا۔ احمق اور ابل غرض کو ذلیل و خوار سمجھنے لگتا ہو اور خیال کرتا ہو کہ
اب خیال میں ہی میں ہوں۔ دور کوئی نہیں سید جو منہ بات کرنا اور بات سننا انسانی طلاق پر پشیمانہ بار و رعایت
اپنے فیصلے کو انجام دینا اپنی غلطی پر پشیمانی نہ کرنا ہر آپ کو بت زیادہ بڑا سب کو زیادہ دوشور سب کو زیادہ
مغز نہ سمجھنا سب ایسی باتیں ہیں جو اس کو کوسوں دور رہتی ہیں اور ان کی جھانک ان کو نہیں ہو سکتی۔
لیکن جب تک شہر ملک کے اثر و سواں کا دور حکومت ختم ہوتا ہو اور فخر و دست برداری ہو جاتا ہو تب آنکھیں کھلتی ہیں
اور حال کی آگاہی ہو جاتی ہو ہمارا بیان صرف من گھڑت و قیاسی نہیں بلکہ تجربہ و مشاہدہ پر مبنی ہے کہ لوگوں کو خلیفہ علیحدہ
ہونیکے بعد اپنے سلطنت اور دستوں کو ملنا چھوڑ دیا ہے مگر مولوی سید صاحب ایسوعالی طرف اور حوصلہ مند ہیں
کراچی میں ان کے دفاتر و مصافحات ہیں۔ مذکورہ نہیں اس کو ہم دعا کرتے ہیں کہ ان کی عمر و صحت میں ترقی و ازاد کرد
حکومت میں توسیع ہو تاکہ وہ اطمینان کے ساتھ ملک کو فائدہ پہنچاتے رہیں فقط اوٹھ

سالنامہ صحیفہ بار بار ملا سلا ۱۰۰ ہر ہنگ نصف قیمت پر ملے گا۔ غلام اس کے بزرگ ساتھ معروف ہے ناگزیر کر کے جلد بھیج دیجئے۔

(۱۱) تفصیل شہر کے قریب بیرون فتح دروازہ حضرت عبدالعزیز قاضی شاہ راجو نرہ رحمۃ اللہ علیہ کا گنبد واقع ہے۔ آپ گلبرگ شریف کے قاضی اور حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کے خلیفہ تھے۔ مرشد کی وفات کے بعد سلطان احمد شاہ بہمنی کے اصرار پر بیدرتشریف کا سلطان علاء الدین ثانی بہمنی کے زمانہ میں ۵۱۵ ہجری قمری کو آپ واصل حق ہوئے۔

(۱۲) شہر سے دو میل کے فاصلہ پر جانب غرب موضع پانپاس کے بالا گھاٹ پر شاہ فتح اللہ صاحب کا مزار واقع ہے۔ آپ ملتان کے باشندے اور حضرت شاہ طحانی بادشاہ صاحب کے جد اعلیٰ تھے سلطان علاء الدین ثانی بہمنی کے عہد حکومت میں سیوہ ہو کر بیدرتشریف لائے اور تین سال کے بعد انتقال فرمایا۔

(۱۳) بیدرتے ایک میل کے فاصلہ پر چدری میں حضرت شیخ ابراہیم المعروف حضرت مخدوم محمد الدین قادریؒ کا گنبد ہے۔ آپ حضرت شیخ محمد طحانی شریف قادریؒ کے بیٹے صاحبزادہ ہیں۔ چھ بیٹے بیدر میں اپنے والد بزرگوار کے پاس اور چھ گلبرگ میں اپنی وجہ محترمہ کے پاس رہا کرتے تھے بیدر کی باد صغ مجنتوں سے غیر حاضر رہنے کی تلقین آپ ایک بائیں بہا تصنیف سے کیا کرتے تھے۔ توکل اور فزاعت میں آپ کی نغزہ تابل تحین، سلطان ابراہیم قلب شاہ نے بہت ہی اصرار سے آپ کو بلایا مگر آپ نے سلاطین مکتب سے مرے دم تک کنارہ کشی اختیار کی۔ ۲۲ شوال ۸۷۱ھ کو نو سو سال کی عمر میں وفات پائی۔

(۱۴) آج گنبد کے قریب آپ کے حقیقی بہائی مولانا شیخ بدر الدین کامقہ ہوں مولانا موصوف صاحب ولایت و کرامت تھے ابراہیم قلی قطب شاہ اور امیر بیدر کے پکے متقد تھے اور آپ کے ساتھ بہت سلوک کیا کرتے تھے۔ اس لئے دولت مندی اور فائز البالی ہوتے آپ کو حاصل رہی شریعت کی پابندی کا یہاں تک خیال تھا کہ مرض الموت میں بھی مودبانہ طریقہ سے ورائض کو ادا کرنے میں غفلت نہیں کی۔ حالانکہ مرض کی شدت نے نشست و برخاست سے معذور کر دیا تھا۔ اور زبان اداس لفظ کے قابل نہیں رہی تھی۔ ۵۱۵ ہجری قمری کو نو سو سال کی عمر میں آپ نے انتقال

فرمایا۔

۱۵۶، حضرت مخدوم کے گنبد باہر ایک سنگ بہت اونچے چوترہ پر ملک مرجان کی قبر ہے۔ یہاں ابراہیم عادل شاہ نے سلطنت بیدر پر مسلط ہو کر مکو اپنی جانب سے قلعہ امر مقرر کیا تھا۔ یہاں میں جب اورنگ زیب علیہ الرحمہ نے قلعہ بیدر کا محاصرہ کیا تو اس نے فتح برج کے پاس ایک سنگ کھدوائی اور اس میں بارڈ بچھو کر اس امر کا پورا پورا انتظام کیا کہ فوج مخالف کو یہاں آتے ہی اڑا دے۔ برج کے قریب بارود کا ایک خزانہ تھا ایک روز ملک مرجان اپنے بیٹوں کے ساتھ اس خزانہ کی سیر کر رہا تھا شومی قسمت سے اُس میں آگ لگ گئی۔ اور اس کے صدر سے فیصل شہر کے ساتھ ساتھ ملک مرجان اور اس کا بھی نام و نمود کی تدبیروں اور فکروں سے ہمیشہ کے لئے سبکدوش ہو گئے۔

۱۶۶، بیدر کی عید گاہ کے متصل حضرت سید نظام الدین اولیا الحسنی والہی کے گنبد ہے آپ بہت بڑے علامہ اور سلطنت بھنبیہ کے وزیر خزانہ تھے۔ آپ کے تعزفات متعلق صرف اسی قدر بیان کرنا کافی ہے کہ علی برید آپ کا گنبد نہیں ٹرڈا سکا آپ کا عمر ہر سال ۲۹ ریح النبی کو ہوتا ہے

۱۷۵، آپ کے گنبد کے بالکل قریب مولانا شاہ عبداللہ مغربی کا فرار اور مولانا شاہ دلی اللہ حسینی کا گنبد واقع ہے۔ مولانا ذکر بزرگ کا عرس ماہ جمادی الاول میں ہوتا ہے۔

۱۸۱، شہر سے دو میل کے فاصلہ پر جانب شرق ایک ٹیکڑی واقع ہے اسے شیخ نور صاحب مستانی کی پہاڑی کہتے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں حضرت شیخ الشیخ شیخ نور صاحب مستانی کا فرار ہے۔ آپ بڑے عالم و فاضل اور صاحب ولایت و کرامت بزرگ تھے۔ سلاطین بھنبیہ کے عہد حکومت میں بیدر تشریف لائے ہر سال ۲۰ جمادی الاول کو عرس ہوتا ہے۔

۱۹۱، تلکھائی دروازہ کے نیچے حضرت شاہ شیل مجذوب فقیر سدا سہاگل

قرار زیارت گاہ عوام ہے مشہور ہے کہ آپ کی دعا کی برکت سے ایک وقت خشک سالی رنج ہوئی تھی۔

(۲۰) بیدر کے قریب جانب شمال ایک پرانی مسجد واقع ہے جس پر گونگی کے آثار نمایاں ہیں لیکن ابھی تک۔۔۔ حادث زمانہ سے مقابلہ کرنے کی قابلیت رکھتی ہے۔ اس مسجد کو کالی مسجد کہتے ہیں ایام حاضرہ بیدر میں ایک مہینہ اورنگ زیب علیہ الرحمہ کا یہیں قیام ہوا تھا اس مسجد کے متصل حضرت امام الدین شیخ محمد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مزار واقع ہے۔ آپ وجد عصر اور یکتاے دہر تھے کم سنی ہی میں علم و فضل اور تصوفانہ کمالات میں دستگاہ کامل کر لی تھی۔ اورنگ زیب علیہ الرحمہ آپ کی قابلیت کے معترف تھے اور خطاب امام المدرسین اور صدر مدرس مدرسہ محمودیہ سے سرفراز فرمایا تھا۔ آپ ۱۱ رمضان المبارک ۱۲۸۵ھ کو مسجد مدرسہ محمودیہ میں مشغول نماز تراویح تھے کہ بجلی کے صدمہ سے مکان گر پڑا اور آپ و اہل حق ہوئے۔

(۲۱) آپ کے مزار کے قریب حضرت شاہ مغفور رحمۃ اللہ علیہ کا روضہ واقع ہے ہر سال ۱۰ ربیع الاول کو اس پر ہندل چڑھایا جاتا ہے۔

(۲۲) مدرسہ محمودیہ کے متصل سر راہ حضرت ملکستان صاحب مجدد ب کا مزار واقع ہے۔ آپ کا عرس ہر سال رمضان میں ہوا کرتا ہے۔

(۲۳) برج ست گزری (اندرون قلعہ ارک) کے پائین میں حضرت شیرن صاحب مجدد ب کا مزار واقع ہے۔ آپ کے تصرفات بیدر میں بہت کچھ مشہور ہیں۔

(۲۴) قلعہ قدیم کی جانب شمال ایک پہاڑی پر حضرت شاہ غفر الدین صاحب عرف خور زوے پاک کا مزار واقع ہے۔ آپ حضرت میدا سادات سید خفیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہمشیرہ زادے اور بڑے متوکل اور ریاضت کش بزرگ تھے آپ کا مزار زیارت گاہ خاص ہے۔

(۲۵) شہر کے جانب غرب ایک بیل کے فاصلہ پر حضرت شیخ الشیخ محمود صاحب حضرت شاہ زین الدین کنج شیش جنیدی قادری بغدادی قدس سرہ کا مقدس گنبد برج

اور زیارت گاہ خاص و عام بنا ہوا ہے۔ آپ حضرت سید الطائفہ ابو القاسم حمزہ
بعدادی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں بڑے عالم و فاضل اور سچے متوکل بزرگ تھے
سلطان علاء الدین ثانی بھی ان کے عہد حکومت میں چالیس ہزار بیویوں کے ساتھ افز
بیدر ہو کر ایک نہایت ہی ویران جگہ میں ٹھوکنج بن المشہور یعنی سکونت اختیار کر
مدت مدید تک آپ کی تشریف آوری کی کسی کو خبر نہیں ہوئی۔ اس آستان میں بے حد
خشک سالی ہوئی اور کسی جگہ پانی کا چشمہ وغیرہ نہیں رہا۔ اور پانی پینے کے لئے بھی میر
نہیں آنے لگا۔ اتفاقاً ایک شخص نے حضرت کے پاس شیریں اور نفیس پانی کا چشمہ
دیکھ لیا۔ اور اس کی اطلاع سب کو کر دی، باشندگان شہر نے بالاتفاق آپ کی خدمت
میں حاضر ہو کر رفع اساک باراں کے لئے دعا کرنیکی استدعا کی۔ حضرت نے اُسی قبول
فرمایا اور دعا کی کہ فی الفور پانی پڑا۔ اور خلق اللہ کی پریشانی دور ہو گئی۔ اسی تاریخ
سے آپ کچن نشین شہور ہو گئے۔ پادشاہ آپ کا بڑا معتقد تھا ۹۴۰ سال کی عمر میں ۱۳۱۵
میں آپ نے وفات پائی۔ گنبد کے اطراف ہزاروں قبریں قریب سے نبی ہوئی
حیدرآباد کے شہور بزرگ حضرت شاہ چندہ صاحب قادری دہانی کمان صوفیہ
درجہ صوفیہ مدرسہ صوفیہ بیدر، آپ ہی کی اولاد ہیں۔ (باقی دارد)

محمد عبدالوہاب عند کیب

رباعیات

یہ دل ہو مرا اور جنسائیں تیری	آنکھیں جو مری اور ادا نہیں تیری
تھک جائے اگر کاتھ مرا دل کی خب	لوں پنجہ ٹرگاں سے بلائیں تیری
غم کھاتے ہیں اور خون جگر پیتے ہیں	زمنوں کے عوض اپنا کفن سیتے ہیں
بیکاری کا کفن ہے یہ بھی درد	سچ پوچھو تو مرنے کے لئے جیتے ہیں
بے جوش و غودش فوجوانی کیسی	مشوق نہ ہو تو شادمانی کیسی
ہے عمر خضر کو دونوں باتوں میں سلام	دل زندہ نہ ہو تو زندگانی کیسی

میر	ہمیشہ چشم ہے فناک ہاتھ دل پر ہے	خدا کسی کو بھی ہمسائہ درو مند کرے
۱۰	اضطراب و قلق و شوق میں کس طور چوں	جان و اصد ہے میری اور میں آزاد کی
۱۱	انکڑے عذلیب کی آواز دل خرم	دم ہی گل گیا جو کہا اُس نے ہائے گل
۱۲	داغ فراق و حسرت وصل ارز و شوق	میں ساتھ زیر خاک بھی ہنگامہ نیکیا
۱۳	ہم بھی پھرتے ہیں اک چشم لیسکر	دستہ داغ و فوج غم لیسکر
۱۴	نہ کہیں عشق تمہارا بھی نفص ہو دے	دوستو درد کو محفل میں نہ تم یاد کرو
۱۵	اے اہل نرم آؤں میں بھی پرایک من	تنہا نہیں ہوں بہائی بانالہ و فضاں ہوں
۱۶	دل پہ سینے میں داغ روشن ہے	اپنے گھر کا چرخ روشن ہے
۱۷	اے طبیبو جھکو سودا اور ہے	تم جو کرتے ہو مداوا اور ہے
۱۸	مثل نے ہر استخوان میں درد کی آواز ہے	کچھ نہیں معلوم یارب سوز ہی یا ساز ہے
۱۹	چین نے دن کو ہی آنکھوں کو نہ شب آرام	شام سے تا صبح روزا صبح سے تا شام ہی
۲۰	درد سے محفوظ ہوں درماں سے محکوک کام	بار خاطر تھا سو میرا یا رشتا طر ہو گیا
۲۱	دل ہے یا منزل کہ مسرت ہی یا غم خاک	بارگاہ درد ہے یا سوز کا کاشانہ ہے
۲۲	جو دو شخص خدا ہی ہم دیکھتے ہیں	فلک کی طرف رو کے ہم دیکھتے ہیں
۲۳	قامت جا شمار دم پر قائم کے تو پیارے	یہ خستہ فی الحقیقت مدت سے مرچکا ہی
۲۴	درد دل کچھ کہا نہیں جاتا بچ	ہائے چوب بھی رہا نہیں حسانا
۲۵	عالم میں ہیں اسیر محبت کے ہر کہیں	لیکن ستم کسی پہ نہیں اس قدر کہیں
۲۶	دل ہے یارب کہ چشمہ خوں ہے	چشمہ ہے یا لہو کا نالہ ہے
۲۷	مخلوب اگر جلتا ہے دل بھر کے ہر کچھ سینہ گلنہاں	بیکے جاتے ہیں یارب فضا بھٹکتے بھٹکتے
۲۸	جرات ہے شکنجہ غم آفت رسیدگی یہ ورت	نہ رونے کا فر ہے کچھ نہ لذت سارانیکی
۲۹	صحیفے بہار آئی خدا جانے کہ کیا گزرے اسیر دلی	نہیں معلوم کچھ اب کے برس احوال زندا
۳۰	رذر و مال نبا دیدہ تر پر رکھا	ایک پھا ہا بھی تا سوز جگر پر رکھا
۳۱	غم کھاتا ہوں لیکن میری نیت نہیں بھرتی	کیا غم ہے فرے کا طبیعت نہیں بھرتی

قصہ کو میرے سننے کسی درد مند سے	بیدار نے کہا بھی جو تم سے تو کیسا ہوا	حسن
شمع تو ایک ہی شعلہ سے گلی جاتی ہے	نور ملتی ہے مرے ہر بن موسے دن رات	امید
قص میں جی گایا کہ کیرائیاں بھولے	نہیں یا جنھیں صبا و میر گلستاں بھولے	≈
یہ درد بھلو ہے اپنا تو ہمیشہ دن رات	بیت غم کے سوا یہاں نہیں کوئی دن رات	نصیر
ہم نیکے شیشہ گر کی بھی دوکان تک گئے	اپنا دل شکستہ کسی سے بنا نہ عیف	≈
ابھی دل کدھر جائے ادھر آتش ادھر جا	جگر میں آہ سوزاں ہے رکھے شہ تر پانی	≈
منہ دیکھ دیکھ روئے ہیں کس جیسی سہم	بہتے جو دیکھتے ہیں کسی سے کسی کو بہم	مومن
چراغ مردہ ہوں میں بے زباں نور غریباں	خوشی میں بنائے خود گشتہ لاکھوں زریں	غالب
فلک کا دیکھنا تقریب اُس کے یا دانگی	غم دینا ہے گر پانی بھی زحمت سر اٹھانے کی	≈
وہی ہم ہیں جس پر اور ماتم بال و پر کا	خزاں کیا فصل گل بستے ہیں کس کو کوئی موسم	≈
کام میرے ہے جو فتنہ کہ پر یا نہ ہوا	نام کا میرے ہے جو دکھ کہ کسی کو نہ ملا	≈
ویلے ہو خدا نے وہ دل کشا نہیں	جہاں میں ہو غم و شادی ہم ہیں کیا کام	≈
مزا ہوتا ہر کیا ہو فوجاں گلشن کو	قص میں ہوں گرا چھا بھی نہ جا میں نے	≈
جسکی بیاریہ ہو پھر او سکی خزاں نہ پوچھ	ہے سپرہ زار ہر درو دیوار شکر کدہ	≈
کس دن ہمارے سر پہ نہ اترے جلا کر	کس روز ہمیں نہ تراشا کسے عدد	≈
لکھد بھجیو یا رب اد سے قسمت میں عدد	جہل و غم کی ہو سکتی ہو تدبیر و فہم کی	≈
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں	حیران ہوں دلو روں کہ پٹیوں جگر کو میں	≈
دل محیط گر یہ دلب آشنایا خند ہے	سوزش باطن کے ہیں احباب نکر و زہاں	≈
کس صبح میں جھکے بدتر از چاک گر بیاں ہے	ہوئی یہ کثرت غم سے تلف کیفیت شادی	≈
یکساں ہے گزری کا ہو کہ کھا اب پھال	پرورد کو تڑپیں سے غرض کیا کہ سر خرم	نظیر
قسمت مجھ پہنچاتی ہے ہر ایک سر تکلیف	میں صبر کروں ہو دے اگر ایک سر تکلیف	≈
مرے فسانہ غم کو مری زبان سے سنو	یہ قصہ وہ نہیں تم حکو قصہ خواں و سلو	≈
پھر کیوں جہاں میں دلغ ہل آئیں	سنے شمع انجمن ہوں نہ میں لالہ چمن	≈

درو کا پتلا بنا جب سے میں انساں ہو گیا	دنگد از اپنا نہ تھا جب سخت پیچہ تھا شبید	شہید
کس جا روئے میٹھا شل شبنم اٹھ نہیں سکتا	میں وہ گریہ کنساں ہوں چھوٹا باغ عالم	”
میں فصل گل کے بعد نفیس سے رہا ہوا	دیکھا نہ حیف بلغ یہ پھولا پھلا ہوا	”
نہ دیکھی صدمت گل میں نے عمر بھر صیاد	نفیس میں بند رہا یا اسیر دام رہا	”
مجھ سا دنیا میں درو مند نہیں	دہن آہ و فغاں سے بند نہیں	”
نالوں ہمہ تن شل صدا سے جسی ہوں	جوں مرومک ویدہ اسیر نفسی ہوں	”
مجھے خبر نہ کوئی کیا بہار آئی ہے	شیم گل جو نفیس تک نہ سم لائی ہے	”

باب الراء

راضی برضا (۲۴)

اگر یوں ہوا تو کیا ہوا درووں ہوا تو کیا	تاباں دنیا کے نیام، بد پر کچھ تاباں نہیں جھکو غم	تاباں
رہ تسی کہ یوں مصف رہا	میر بے رزی کا نکر کلہ غافل	میر
اُس کی یہ خواہش معاذ اللہ یہ ہو وہ نہ ہو	سودا یوں نہ چاہیگا دل آگاہ یہ ہو وہ نہ ہو	سودا
میر سے ہوئے جھکو اک جام بھر دیا ہے	” جو گل جو مجھ پہ احساں کی ساقی لال کا	”
یا بادہ یا لہلہاں جو ہو سودا وہ ہے	” لب تشنگان جام تسلیم ہم ہیں ساقی	”
الہی ہو دی جو کچھ کہ مرضی الہی ہو دی	درو نہ مطلب ہو گدائی سے نہ یہ خواہش کہ شاہی ہو	درو
جو کہ قسمت کی ہر تحریر بہت اچھی ہے	سودا نیک و بد سے نکروں اپنو لکھے کاشکوا	سودا
تیری تدبیر سے تقدیر بہت اچھی ہے	” جتنے ہیں کام تیری سونپ خدا کو آسوز	”
بنیتر شفقت و لطف و کرم نہ کہنے کبھی	” تم کو اُس کے محبوب تہ نہ کہنے کبھی	”
کہ ہے رختہ عبت خضر کب سفینہ میں	قائم ہزار ہر غنی فلک کے کیف سے	قائم
لے نو دل کھول کر جو جھکو خدا دیتا ہے	” شادی و عیش و دیا بوج و عنادیتا ہے	”
جو کچھ جھکو ساقی در سودا وہ ہے	” نہ کہ فقر و صاف دور دجہاں میں	”

نغمہ بر لبے ز عشق و شام اچھا ہے	سہمی سادھی ہی یہاں یہ فقیر کا گھر ہے
دیتا ہے وہی طیب حاذق	بیسار کو جو دوا ہے بہتر
کس سے کہوں حال بد کہ وہ آپ	کچھ مجھ سے بھی جانتا ہے بہتر
کل پہ رکھتے ہو مرے قتل کو کا ہے کیلئے	ہو چکے آن ہی وہ کیوں نہ جو ہونا جو دے
مومن غضب سے تیز مڑتا ہوں نہا کی تیر ٹھہرتی	نہوں بزار رونق ہی نہیں شتانِ جنت کا
غالب ایک ہنگامہ پہ پوقوف ہر گھر کی رونق	نوحہ نغم ہی سہی نغمہ شادی نہ سہی
ذوق لاکھ دیا تو آئی قضا لے چلی چلے	اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے
شہید کم دریا و ملک سے نہ ہو تو ہیں بحسب	ہلاں دار تو کر شغل جہد سائی کا
ہر رنگ سرگزری اس چین میں ایک طاقت	نہ شادی ہم کو شادی کی نغمہ تازی قضا نغم کا
ہوا کہ دُرا تو اہم حقیقت سے آشنا	اے بیوقوف شکوہ بیگانہ کیا ضرور
پاؤں میں آئے ہیں آبلوں میں دھسکے غا	رنگ موطن کے ہیں میری ہی پانی ہیں
کون سی سی آدمی کی ہر لاکھ ہیں کی گزرتی	دن ہیں گزرتے اب جیسے اس طرح گزرتی

روانی عمر (۲۳۹)

سودا بہت سچا ہے رہنا کشتی سرزمینِ مہر	کدھل شمع رشتہ عمر کا سر آن ہے تھوڑا
کھینچ کر تیغ مگر چسپی پڑا ہے پیچھے	رات دن عمر کے کیا جلد گھٹے جاؤ ہیں
جبنی بڑھتی ہے ادنی ٹھٹھتی ہے	زندگی آپ ہی آپ کشتی ہے
پیر ی چلی اور گئی جوانی پڑی	اے دہر کہاں کی زندگانی
جرت چلی جاتی ہے تو اے عمر رفتہ	یہ ہم کو کس مصیبت میں پہنچا کر
ہزار افسوس کیوں اے زندگانی	چلی تو خاک میں ہم کو ملا کر
مصفیٰ نظارہ کروں دھر کی کیا جلوہ گری کا	یہاں عمر کو وقف ہے چراغِ سحری کا
بھر جاں میں رہنے کی تادیر کیا خوشی	صد سالہ زندگی بھی ہر دفعہ حیات کا
حسن شمع ساں شب کے سبھاں میں ہسم	صبح ہوتے ہی پھر کہاں ہیں ہسم

مزدوروں کو ایک تالاب تیار کرنے کا حکم دیا حسب الحکم روزانہ کام انجام دیا جاتا تھا اتفاقاً ایک روز حاکم کا گزرواٹاں ہو گیا اور دیکھا کہ تالاب بالکل خالی تھا اس نے مزدوروں کو بلانے کا حکم دیا کہ اگر تم آج ہی رات میں تالاب تیار کر دو تو تمہیں ایک توکم بھر دیا جائیگا مزدوروں نے اس کے لالچ کے مارے ایک ہی رات میں تالاب تیار کر دیا اور صبح کو حاکم کے پاس انعام پانے کی غرض سے حاضر ہوئے۔ پادشاہ سخت متشوش ہوا کہ خزانہ میں اتنا روپیہ نہیں جو وعدہ کے عوض ان کو دیا جائے اور جو وعدہ پورا نہ ہو تو سخت ہلکی ہوگی اسی خیال میں غلاماں تھا کہ اتنے میں وزیر بادشاہ حاضر ہوا اور بادشاہ کو دریا کے کنارے میں دیا ہوا پانی کا سبب دریافت کیا پادشاہ نے اپنے وعدہ کا حال اور ان کی کارگزاری بیان کی وزیر نے اسے بتائی کہ آپ نے قوم بھر روپیہ دینے کا وعدہ فرمایا ہے قوم کا لفظ جس طرح تالاب کی قوم پر کہا جاتا ہے اسی طرح کلہاڑی کے اس سوراخ کو بھی ”قوم“ کہتے ہیں جس میں دستہ لگایا جاتا ہے پس اس معنی سے آپ قوم بھر روپیہ عطا فرمادیں بادشاہ نے بھی اس رائے کو پسند کیا اور وزیر نے حسب الحکم ایک کلہاڑی منگوائی اور اس کا دستہ نکال کر قوم میں روپیہ بھروسے اور قبضہ روپیہ اس میں سما گیا مزدوروں کے حوالہ کر دیا جب مزدوروں نے اپنی اس جان توڑ کوشش کے عوض خلافت امپدانی لیل رقم دیکھی تو ان کی اس ٹوٹ گئی اور زندگی سے نیرا ہو کر ہر ایک نے اپنے آپ کو ہلاک کر لینے کی ٹھان لی اور کسی نے بیٹ میں چھری بھونک لی کسی نے اپنا ہر کاٹ لیا کسی نے گلے پر چھری پھیری غرض جدا جدا طریقوں سے اپنی اپنی جانیں سرور بار ملک الموت کے سپرد کر دیں۔

وکن میں قوم دراصل اس سوراخ یا نالی کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ تالاب کا پانی زراعت وغیرہ اغراض کے لیے خارج ہوتا ہے مگر مجازاً اس کل حصہ یا مکان کو بھی قوم ہی کہتے ہیں جاسموری پر بنایا جاتا ہے جہاں محافظین تالاب بود و باش کر سکتے ہیں ۱۲

چنانچہ بہت انھیں کی یادگار میں تہوں کی شکل و معیت بھی جدا جدا ہے
کوئی گلا کاٹ رہا ہے کسی نے پیٹ میں چھری بھونک لی اور آنتیں نکل پڑی ہیں۔ مگر
افسوس ایسی قیمتی یادگار جو کسی زمانہ کی بدعہدی اور ستم زدگی کا منظر پیش کرتے کے
علاوہ صنعت سنگ تراشی کا اعلیٰ نمونہ ہے ایسی خراب و محنت حالت میں پڑی ہوئی
کہ اُس کا کوئی قدر و ان و پر سان حال نہیں۔ اکثر راہ روڑ کے آٹن پر سنگباری کرتے
جاتے ہیں اس لیے روز بروز ان کے ٹکڑے ٹوٹے جاتے اور ان کا صاف شفاف
اور صیقل کیا ہوا جسم وغیلا ہوتا جا رہا ہے اگر یہ تھوڑے سے روز میں ہی پڑے رہے
تو بالکل بیکار ہو جائیگے۔ اس لیے ہم سرکار عالی کے عہدہ داران و اہل خدمت کی توجہ
اس جانب مبذول فرماتے ہیں کہ ان کی خبر لیں اور حراست فرمائیں کیونکہ کیا ایسی
چیز جو قدیم زمانہ کے کارناموں کو تازہ کرنے والی ہو اور اکبر نامہ کے نگاروں کے
دوبارہ ساتھ نہیں آسکتی اوس کا ایسی خستہ حالت میں پڑا رہنا محض افسوس کے
قابل اور اہل ملک کے مذاق پر حریف رکھنے والا ثابت ہوگا یہ قدیم ہی بات تو ہر
قدر کے ساتھ باغ عام میں رکھے جاتے کے لائق ہیں لفظ "سنگ تراشی" کے ساتھ
(ساخانیہ ریڈنگ) و "سنگ تراشی" کے ساتھ

غزل

افکار کر رہے ہیں شکایت کہاں کہاں
دل میرا آپ کا ہے تو لے لیجئے ابھی
اے چشم مست یا رہا دے مجھے پتہ
واعظ بہت ہیں مست مے عشق پر جگہ
دیر و دم میں شمع و برہن کی منتیں
آنکھوں سے جن رہا ہوں گل نقش پارتے
دل میں ترے خیال سے آنکھوں میں کل سے
سکرات میں نزار میں میدانِ حشر میں
اوٹھنے کو اوٹھ گئے تری محفل سے ہر گھر
دیکھا ہے دیر و کعبہ میں ہم نے عدل کو

اب ہو رہی ہے آپ کی شہرت کہاں کہاں
کس کس طرح سے کی جو حفاظت کہاں کہاں
شوخی کہاں کہاں ہے نمرات کہاں کہاں
کرتے پھرتے آپ نصیحت کہاں کہاں
جمالی ہے کسی کیسی مصیبت کہاں کہاں
دنیا میں میں نے پائی ہے جنت کہاں کہاں
کس کس سے فرگنی مری قسمت کہاں کہاں
سنام آئی اپنی ایک ندامت کہاں کہاں
رک گیا قدم دم و دم رحمت کہاں کہاں
پہرے میں مارے مارے ہے حضرت کہاں کہاں

خط نستعلیق کا ٹائپ

(۴)

انخط اسلامی کے ریویو میں مہتمم سرکار عالی کی اوس کوشش کا ذکر کرتے ہوئے جو خط نستعلیق کا ٹائپ بنانے کے لیے کی گئی تھی میں نے خیال ظاہر کیا تھا کہ بجائے خط نظامی کو رواج دینے کے یہ کوشش کرنا چاہیے کہ سرکار عالی نے جو کچھ کام اب تک کرایا ہے اوس سے استفادہ کیا جائے۔

مضمون ختم ہو جانے کے بعد اوس کے مکمل حالات سے واقف ہونے کا موقع ملا۔ اور اوس کے بعد مجھ کو یہ سکھنے میں مطلق تامل نہیں ہے کہ ہمارے لٹریچر اور پریس کو ترقی دینے کا کوئی ذریعہ اگرچہ تو یہی ہے کہ اس کام کو اب عملی حیثیت میں لایا جائے۔

سب سے پہلے نواب فتح نواز جنگ مرحوم سابق ہوم سکرٹری اور مسٹر ایف سکارٹون صدر مہتمم مجلس ملحدہ کو (جن کے ماتحت دارالطبع سرکار عالی تھا) ٹائپ کے رواج کا خیال آیا اور ابتدا میں سرکاری پریس کے لیے عربی حروف خریدے گئے تھے اس کے بعد مسٹر سکارٹون نے نستعلیق خط کا ٹائپ تیار کرانے کے لیے کلکتہ پہنچی کے مختلف کارخانوں سے خط و کتابت کی بالآخر یہ معلوم ہوا کہ کلکتہ کی ایک مشنری سوسائٹی نے اس قسم کا ایک ٹائپ تیار کر لیا ہے اور اوس کو فروخت بھی کرتی ہے اس کے ساتھ ہی یہ بھی نظر آگیا کہ ٹائپ بد نما اور بہت کچھ اصلاح کے قابل اور اون ضرورتوں کے لیے پورا پورا کارآمد نہ تھا جو اردو کے لیے لازمی ہیں پہلے تو یہ خیال کیا گیا کہ کسی ایسے کمپوزیٹر کے ذریعہ سے جو یہاں سے کلکتہ کو جائے حروف کی ساخت میں اصلاح کرائی جائے اور اوس کے بعد وہ خرید لیا جائے مگر تمام ضرورتوں کے لحاظ سے بعد میں یہ قرار پایا کہ ایک کمیٹی قائم کی جائے جو نستعلیق خط کے ٹائپ بنانے کے لیے مکمل تجاویز پیش کرے۔

اس کمیٹی میں مولوی محمد عزیز مرزا صاحب اسٹنٹ ہوم سکرٹری مولوی احمد

صاحب ہنرمند صدر مجلس بلوہ - مولوی سید امام الدین صاحب مرحوم حیدر آباد کے
شہور خطاط شریک تھے اس کمیٹی نے غور و خوض کے بعد مکمل ٹائپ کا نمونہ مرتب
کر دیا اور اس کے ساتھ ایک رپورٹ بھی پیش کی اس رپورٹ کا کچھ قلمبک
اس مضمون کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے رپورٹ پیش ہونے پر اس کے مصارف
وغیرہ کا اندازہ ہو رہا تھا کہ قحط اور طاعون وغیرہ سے سرکار عالی کی فنانشل حالت
متزلزل ہو گئی اور اسی بنا پر یہ تجویز بھی کسی آئندہ موزوں موقع تک ملتوی کر دی گئی
اس کی کل کارروائی اور نمونہ ٹائپ معمدی عدالت و امور عامہ سرکار عالی میں موجود
گذشتہ مضمون میں میں نے ظاہر کیا تھا کہ اس تجویز کے متروک ہونے کی وجہ یہ تھی
کہ اس کے لیے (۷۰۰) حروف مفرد و مرکب تیار کرنے پڑتے تھے اور اس قدر کثیر
حروف کو ذہن میں محفوظ رکھ کر کمپوز کرنا نہایت مشکل ہے مگر اب اس کے التوا کی سہولت
وجہ معلوم ہو گئی ہے نیز یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ صرف ۴۷۲ میٹر میں بنانے پڑتے ہیں
اور ان میں بھی کمی ممکن ہے۔ ایسی حالت میں یہ امر ہر طرح مناسب و موزوں ہو گا
کہ اس کوشش و محنت کو جو ایک بار اٹھائی جا چکی ہے بیکار نہ جانے دیا جائے
اس ٹائپ کے رواج کے متعلق یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس کے لیے ۴۷۲ میٹر
تجویز کیے گئے ہیں ممکن ہے کہ بعد تجویز بعض جوڑ کم ہو جائیں تاہم ان کی تعداد تین چار
سو کے باہر ہی رہیگی اور اس قدر میٹر کو ذہن میں رکھ کر کمپوز کرنا مشکل ہے مگر اب
کاتب اپنے ذہن میں تمام حروف اور ادون کے جوڑوں کو محفوظ رکھتا ہے تو تجویز
بھی تھوڑی سی مشق کے بعد باسانی اس ٹائپ کو کام میں لاسکتا ہے۔ البتہ کمپوزنگ
کے لیے کسی قدر زیادہ عرصہ اور محنت بمقابلہ دوسری زبانوں کے عاید ہوگی لیکن
وہ ادون نواد کے مقابل جو اس کی بدولت حاصل ہونے کا قابلِ بھلا ہے۔

دنیا میں اب ہر ایک زبان کی علمی و ادبی ترقی محض اسٹیمر پر نہیں اور ٹائپ کے
وجہ پر منحصر ہے یورپ و امریکہ سے قطع نظر ہندوستان میں بنگالی، گجراتی، مرہٹی
ناگری زبانوں نے صرف ٹائپ کی بدولت فروغ حاصل کیا اور جو ہندوستان کی

تکو افرنیکا زبان ہے ٹائپ کی مدد کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتی۔
چونکہ حیدرآباد کی سرکاری زبان اردو ہے اور سرکار عالی اردو کی ہمیشہ سب سے
فرماتی رہتی ہے اور اب رہاست کی فنانشل حالت بھی اس قدر درست ہو گئی ہے کہ
مفید ملک تجاویز میں بلا تامل روپیہ صرف ہو سکتا ہے اس لیے اگر وہ اس مقوی شدہ
معاہدہ کو تازہ فرمائے تو نہایت آسانی کے ساتھ اس کا سرانجام ممکن ہے۔

اس وقت دارالضرب سرکار عالی میں سکہ کے نمونہ کی مقدار میں بچنے کی بدولت
اسٹیم پاور سے پورا پورا کام نہیں لیا جاتا ہے اور کام نہ رہنے کی وجہ سے برقی
روشنی یا دوسرے کاموں میں اوس کی قوت صرف کی جا رہی ہے اور اسی لیے آسانی
مکن ہے کہ اوس کے ساتھ اردو ٹائپ ڈھالنے کا کام بھی جاری کر دیا جائے۔ دارالضرب
میں نہایت عمدہ حکاک اور ہر کم موجود ہیں وہ کسی قابل دماغ غرض نویس کے زیر نگرانی
تستعلیق خط کے لیے میٹر جس حسب نمونہ نمونہ کیٹی بنا دے سکتے ہیں۔ متوسطہ
کی فولڈنگ مشین اور دوسرے آلات حروف سازی زیادہ سے زیادہ تین ہزار
تک میں مل جاسکیں گے۔ یہی کلکتہ میں حروف سازی کے کارخانے میں دہاں سے
دو چار کارگیر بھی مل جائیں گے غرض تیس چالیس ہزار کے مصارف سے ایک مکمل کارخانہ
دارالضرب کے ساتھ ہی تستعلیق حروف بنانے کا قیام ہو سکتا ہے چند روز کے
بعد کارخانہ اپنے مصارف آپ برداشت کر لیگا۔ کیونکہ پتھروں کی خریداری
کے عوض سرکاری مطابع کے لیے ٹائپ کے حروف مل جائیں گے اور جس قدر ٹائپ
سرکاری ضروریات سے زیادہ ہوں وہ مطابع ہندو دکن میں فروخت ہو سکتے
ہیں یہ نئی ایجاد ہے اور سرکار عالی کو اس کا حق ایجاد حاصل ہو گا اس لیے بکثرت
اس کی فرمائش آئیگی اور بہت جلد صرف شدہ رقم وصول ہو جائیگی۔ بلکہ نفع وصول
ہو گا۔

دارالطبع کے لیے بین بین ہزار کے مصارف سے ٹلف کپڑے اور اسٹیم
انجن منگوائے جاسکتے ہیں۔ ان کے بدولت کام نہایت سرعت و کفایت سے ہو گا

سرشتہ تعلیم کی تمام کتابیں دارالطبع میں طبع کیا گیا۔ ان مصارف کے لیے موجودہ آلات طبع اور پتھروں کے فروخت سے کسی قدر رقم بھی حاصل ہو جا سکتی ہے۔

الحاصل آئندہ ہزار روپیہ کے مصارف سے ایک بے انتہا ضروری کام سرانجام پا گیا سرکار عالی کی ہنر پروری و علم دوستی کی خاص شہرت ہو گئی بہت جلد منافع و نمو ہو نا شروع ہو جائیگا۔ سرکاری ضروریات کے لیے مطابع غیر کی محتاجی نہ رہے گی۔ سرشتہ تعلیم اپنے حسبِ منشاء مدارس میں ارزاقِ قیمت پر کتب ہیا کر سکیگا۔ مطابع ہندوستان بھی اس سے استفادہ کرینگے اگر سرکار عالی کسی وجہ سے اس کام کو پورا کرنا پسند نہ کرے تو مطبع دایرۃ المعارف یا دوسرے مطابع کو سرکار عالی سے اس ٹائپ کی رٹیلی حاصل کرنا اور بطور خود اس کام کو سرانجام دینے کی کوشش کرنا چاہئے۔ اعلیٰ حکام مملکت کو اس ضروری امر پر متوجہ کرتے ہوئے ہم مولوی سید محمد یوسف الدین صاحب کی خدمت میں جن سے بڑھکر ریاست سرکار عالی میں اب کوئی شخص ٹائپ کے مالہ و مالعلیہ سے آگاہ نہیں ہے یہ عرض کرنا مناسب خیال کرتے ہیں کہ اگر جناب مہدج اس کام میں تھوڑی سی توجہ صرف فرمائیں تو یقین ہے کہ بہت جلد مفید نتیجہ پیدا ہوگا اور ملک کو نفع پہونچے گا فقط

اقبباس رپورٹ کمیٹی تجویز ٹائپ

بہ خط نستعلیق

جناب ہر فرجی صاحبِ عدالت و کوتوالی و امور عامہ نے بتاریخ ۲۱ اکتوبر ۱۹۹۵ء

ایک کمیٹی باریکان ذیل مقرر فرمائی۔

مولوی محمد عزیز مرزا صاحب اول مددگار معتمد عدالت مولوی سید احمد رضا مددگار مہتمم صدر مجلس ملکہ میرا نام الدین صاحب نوشہرہ نویں معتمدی عدالت۔ اور کمیٹی مذکور کو حکم دیا کہ مشورہ کر کے ٹائپ بطور نستعلیق تیار کرنے کیلئے

ایک تجویز پیش کر کے حسب ارشاد تاریخ مذکور سے تحریر پر پور شک ہم کئی مرتبہ جمع ہوئے اور اس معاملہ میں غور کیا ہمارے غور و فکر کا نتیجہ ذیل میں درج ہے جہاں تک ہم نے غور کیا ہے اور دیکھا ہے تائب بخط نستعلیق یعنی ایسے خط کا جس میں اردو فارسی لکھی جاتی ہے بنانے میں دو بڑی وقتیں ہیں (۱) سطر بندی سے متعلق ہے۔ (۲) اس پر مشتمل ہے کہ نستعلیق میں بعض حروف کے اشکال مختلف حروف کے ساتھ ملنے سے مختلف ہو جاتے ہیں۔

اردو میں ۳۶ حروف ہیں ان میں سے اکثر کی چار چار شکلیں ہوتی ہیں ایک شکل مفرد اور تین پیوند۔ ابتدائی۔ وسطی۔ اور اخیر پھر پیوند بہ لحاظ حروف کے جس کے ساتھ وہ مرکب ہوتے ہیں متفاوت شکل کے ہوتے ہیں مثلاً (ج) (ہ) کے ساتھ مرکب ہوتا ہے تو اس کا مونہ کسی قدر کھلتا ہے جیسے جھد اور جب و۔ ل وغیرہ حروف سے ملتا ہے تو اس کا مونہ ملتا رہتا ہے جیسے جد جل اور جب جیم لہ اور اس کے متعاضد حروف کے ساتھ مرکب ہوتا ہے تو اس کی ایک خاص صورت ہوتی ہے مثلاً جمر جی اسی طرح اکثر حروف کا حال ہے۔ یہاں تک اشکال کی تبدیل بہ لحاظ اولیٰ حروف کے ہوتی ہے جن سے وہ مرکب ہوئے ہیں پھر اس کا ایک وقت سطر بندی کی ہے۔ بحاظ سطر بندی کے ایک پیوند کبھی سطر سے بہت اوپر رہتا ہے جیسے چ لفظ چیچلگورہ میں اور کبھی سطر سے کچھ اوپر جیسے ج لفظ جھتری میں اور کبھی سطر پر جیسے لفظ جن میں۔ مروجہ تائب میں ان خوشنویسی کی باریکوں کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے۔ ہر ایک حرف کے تین پیوند سے زائد نہیں ہیں اور وہی ہر ایک موقع میں جڑ دے گئے ہیں اس وجہ سے مروجہ نستعلیق خط کا تائب بجائے خوبصورت کے نہایت ہی ید نما اور بیڈول معلوم ہوتا ہے۔

ہم نے بہ لحاظ جلد اصول خوشنویسی ہر ایک حرف کے جس قدر اشکال صواب لکھے جاتے ہیں مجوزہ تائب میں تجویز کیے ہیں۔ نیز ہر ایک حرف کے ابتدائی پیوند

تین قسم کے تجویز کیے ہیں ایک پیوند سطر سے بہت اوپر رہیگا۔ یہ بانچ چھوٹنی
لفظوں کی ترکیب میں کام آئیگا کیونکہ اس صورت میں وہ سطر سے بہت اوپر
رہیگا اور دوسرا پیوند سطر سے کچھ نکلا ہوا ہے جو تین چار حرفی مرکبات میں مستقل
ہوگا اور تیسرا پیوند برابر سطر پر رہیگا جو دو حرفی لفظوں میں مستقل ہوگا اسی لحاظ
سے وسطی پیوند اکثر حروف کے لیے دو درجے کے تجویز کیے گئے ہیں ہمارے
علم میں آج تک یہ لحاظ ثاب کے بنانے میں نہیں رکھا گیا ہے چونکہ یہ لحاظ ترکیب
وسط بندی ہر ایک حرف کے متعدد اشکال تجویز کیے گئے ہیں اس لیے حروف
کے پیوندوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی ہے یعنی صرف مفردات اور اون
کے پیوندوں کی تعداد ۴۱۱ ہے چونکہ جو حروف ل کے ساتھ مرکب ہوتے ہیں
اون کو علیحدہ علیحدہ حروف جوڑ کر ترکیب دینے میں بدنامی ہو گی کیونکہ ایسی
ترکیبوں میں ایک حرف دوسرے حرف کے نیچے رہتا ہے اس لیے ایسے مرکبات
کے لیے ایک ایک بلاک تجویز کیا گیا ہے نیز ک ل کی ترکیب بھی ایک خاص
نمسل رکھتی ہے جس کو علیحدہ علیحدہ حروف جوڑ کر یہ لکھنا دشوار ہے اس لیے
ایسے بعض مرکبات کے لیے بھی علیحدہ علیحدہ بلاک تجویز کیے گئے ہیں ایسے جملہ
مرکبات کی تعداد ۵۰ ہے جملہ حروف مفردات اور جملہ پیوند اور جملہ مرکبات
کی تعداد بشمول ہندسوں کے ۴۷۲ ہوتی ہے اس لیے نستعلیق خط کا ایک کامل
فائنٹ بنانے کے لیے ۴۷۲ میٹرس (ساٹھ) ضرور ہونگے یہ تعداد بڑی ہو
مگر ناگزیر ہے اور جب تک مختلف اشکال اور پیوند حروف کے نہ ہوں ثاب
خوبصورت نہ ہوگا مکن ہے کہ بعد تجربہ بعض پیوند کم ہو سکیں چونکہ ثاب
کی ایک جدید وضع تجویز کی گئی ہے اس لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ ثاب
ہندوستان میں بھی کسی ایسے شخص کی نگرانی میں تیار کر لیا جائے جو اصول خوشنوی
کا پورا ماہر ہو تاکہ عملی تجربہ میں جو خرابیاں یا دوقتیں جوڑوں سے دوسرے اشکال
و ترکیبات میں معلوم ہوتی ہوں اون کی فوراً اصلاح ہوتی جائے اگر پہلے پہل

نستعلیق خط ٹائپ انگلستان میں تیار کرایا جائے تو نا کامیابی کا سخت اندیشہ ہے۔
فہرست حروف جو مکمل مرتب کر دی گئی ہے اوس میں حروف اوس باڈی کے
نہیں ہیں جس باڈی کے حرف تیار ہونگے لیکن اوس کے تیار کرنے والے عکس لیکر جس
باڈی کی خواہش ہو تیار کر سکتے ہیں ہمارے خیال میں آزمائشی ٹائپ انگلش باڈی
کا بنانا مناسب ہے۔

مکیٹی کو میرا ام الدین صاحب سے بے بہا مدد ملی۔ اس نے اعلیٰ کہا جاسکتا ہے۔
کہ اگر اس تجویز کو کامیابی ہوئی تو اس میں بڑا حصہ میرا ام الدین کی کوششوں کا ہوگا فقط

نمونہ ٹائپ نستعلیق محمد عزیز مرزا

ا	آ	ا	ا	ا
ب	ب	ب	ب	ب
ج	ج	ج	ج	ج
ح	ح	ح	ح	ح

د	د
ر	ر
س	س
ص	ص
ط	ط
ع	ع
ف	ف
ک	ک

ل	ل	ل	ل	ل
م	م	م	م	م
ن	ن	ن	ن	ن
و	و	و	و	و
ه	ه	ه	ه	ه

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نمبر ۱۰۹ جلد ۶ صحیفہ

ایڈیٹوریل

”مٹل کا دن مگر چہ خواست و بد شکونی میں قدیم الایام سے ضرب المثل ہے لیکن“
 ”رمضان ۱۳۲۹ھ کے ساتھ جو مشکل طلوع ہوا تھا وہ دن کی ملک کر ڈھٹیں لاکھ“
 ”رہا یا کیلئے خصوصاً اور ہندوستان کے تمام مسلمانوں کے لیے جو ناایمانوں سے“
 ”مشتوم ثابت ہوا کہ تاریخ کے صفوں پر ہمیشہ کیلئے یادگار رہیگا چہ تھی رمضان کا“
 ”مشکل مشکل نہیں تھا۔ بلکہ ایک سادہ تھا جیسا کہ دن کے پاسے سخت پرگرا۔“
 ”اور اس کے امن و ایمان آرام و آسائش میں وسعت بہر ذری و پیروی“
 ”محنت و نہایت الغرض اس کی تمام خدو اوجھوں کو چشم زدن میں ملا کر“
 ”تھک سا کر ڈالا۔“

”جو خلیفہ نشان انا قابل طاعتی نقصان اس منوس مشکل نے ہیں پہونچایا۔“
 ”بیان کرنے کی طاقت اپنے الفاظ و قلم میں دیا کر خود سرکار مالی کی زبان سے سنا“
 ”اہلکار کرایا ہوتا ہے۔“

جریدہ غیر معمولی

جلد ۶۲ حیدر آباد دکن ۲۲۔ ہز ۳۲۲ م ہر رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ نمبر ۱۰۹

حکیم علی حجاب سہ ماہ راجہ بہادر دین السلطنت پیشکار و مدار المہاراجہ علی

علاقہ فیئانس

۴ ماہ عیدام ۳۲۹ھ ۲۲ مہینہ ۳۲۲ھ

انسوس و صد ہزار انسوس و حسرت و صد ہزار حسرت آج ہم پر آسمان
اندوہ و الم طوط پڑا یعنی ہمارے سرتاج ہمارے آقا کی ولی نعمت ہم پر ہمارے
ان باب سے زیادہ شفیق و رحیم مالک و در رعایا پرور و معدلت گستر بادشاہ نقطنط
جنرل ہزائیس مظفر الملک مظفر الماک نظام الدولہ نظام الملک نواب سہ
میر محبوب علی خان باہر فتح جنگ جی سی بی جی سی بیس آئی طاب ثراہ و
فی الخبتہ شواہ جنکی ذات قدسی صفات بہرہ و صاف جہان داری مملکت اتنی
متصفت تھی اور جب تک عہد معدلت ہمہ کیا بلحاظ آسائش و صلاح و فلاح رعایا اور کیا بلحاظ
عروج و انحکام سلطنت تیار کر دکن میں ابد آبادیاں و کارہیگاں آج بروز شنبہ ۴ ماہ عیدام
۳۲۹ھ تقریباً ایک سو دن کے اس علم فانی سے رحلت فرمائی عالم جاودانی ہو۔
إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ حق تو یہ کہ حضرت کی ذات بابرکات
بلحاظ اقبال مندی و وسعت اخلاق و کمال مہر و دی انسان اپنی آپ ہی نظیر
اور بوجہ ان برکات کے جو حضرت کی ذات جمع صفات میں مودع تھیں

حضرت کا سایہ عاطفت اس ملک سے اٹھ جانا ہم غلامانِ خانہ زادانِ ولایت
 آصفیہ کیلئے ایک سخت روح فرسا حادثہ ہو لیکن چونکہ بصدانِ ملک **کَلِّ الْفَسْرِ ذَا يَقْنَنَ**
 قننفس کیلئے داعیِ اہل کو لبیک کہنا ناگزیر ہے نیز مشیتِ ایزدی میں کسی کو یارے
 دمزدن نہیں ہو لہذا اس کی استقامت کے امر-اعزہ-واعیانِ ارکانِ ولایت
 نیز ملازمینِ عیاد و برابرا کو بجز صبر و شکیبائی اختیار کرنے کے کوئی چارہ نہیں ہے
 لہذا-اعلیٰ حضرت قدر قدرت حضرت بندگانِ تعالیٰ نواب میر عثمان علی خان
 مدظلہم العالی خلد اللہ ملکہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس سانحہ جان گداز کی سوگوار کی
 میں ممالک محروسہ سرکارِ عالی کے تمام دفاتر سرکاری سات روز تک بند ہیں
 بلکہ میں اس تعطیل کا آغاز ۱۳- مہر ۱۳۲۹ م ۵- ماہ صیام ۱۳۲۹ء سے
 ہو گا اور اضلاع میں وصولِ حریہ کے دوسرے روز سے فقط شریعتاً

کشن پرشاد

مدار المہام سرکارِ عالی

”اس سانحہ جانگزا اور واقعہ ہوشربا کے تفصیلی حالات حضرت غفرلہ“
 کے سوانح عمری میں ترتیب کے ساتھ بیان کیے جاتے ہیں۔ جو اسی نمبر
 کے فائنل کے ساتھ شروع کر دی گئی۔ 4-

یہاں صرف اون چند تاریخوں اور فوجوں کے درج کرنے پر اکتفا کیا جائے

جو اشاعت کی غرض سے ہمارے پاس وصول ہوئے ہیں فقط **اڈیسٹر**

وازننگی غم

یارب جہاں میں مٹ رہا ہے کیا بپا ہے آج کیوں ایسے اضطراب میں خلق خدا ہو آج
ہنگامہ خیز شورش آہ و بکا ہے آج کھلتا نہیں ہر کچھ کہ یہ کیا ہو رہا ہے آج

چھایا ہو رنگ طرز تہیدن جان پر

ہم ہیں کبھی زمیں پہ کبھی آسمان پر

ہم دجلہ یزدیدہ گریاں یہ کیا سبب آنسو ہیں آج خاک پہ غلطاں یہ کیا سبب

ظلمت ہو حلقی غمت پریشاں یہ کیا سبب ہر شخص ہے جو چاک گریاں یہ کیا سبب

وازننگی غم کا دلوں میں وہ جوش ہے

دامن کی ہو خبر نگریاں کا ہوش ہے

اک قیر گری جان پہ چھائی ہوئی سی ہو کوئی بلا ضرور یہ آئی ہوئی سی ہے

مشل بگر میں دل میں بلائی ہوئی سی ہو یہ آگ بخت بد کی لگائی ہوئی سی ہے

اب اشک و آہ سر دکایا جہاں پر

اس سوز دل کی آگ کا بجھنا محال ہے

بر باد یاں میں کیا وہ افلاک دیکھنا دنیا میں اڑ رہی ہے یہ کیا خاک دیکھنا

کہنا جو روکے یہ دل صد چاک دیکھنا جو کچھ دکھائے دیدہ غمناک دیکھنا

اڑتی جو خاک فوج کا طوفان پاؤں پر

بدلی ہوئی زمانہ کی آب و ہوا ہو آج

انسان کو نسا ہے کہ جسکو تعلق نہیں کس کا بگر ہے رنج سے جو آج شقی نہیں

کس کا ہونہ جو فرط خیر سے فق نہیں دامن پہ کس کے آج نمایاں شفق نہیں

خوننا پہ بابا برہر اک مہم تر تکیہ ہیں

قطرے نہیں ہیں بھک کے غریب بکریہ ہیں

دنیا سے اٹھ گیا ہے آہی یہ کون آج دنیا کی کر گیا ہے تباہی یہ کون آج
 مہر و ہوا ہے دہر سے راہی یہ کون آج پھیلا گیا جہاں میں سیاہی یہ کون آج
 کیسا جہاں بڑے الٹ پھر ہو گیا
 کیا دیکھتے ہی دیکھتے اندھیر ہو گیا

تاریک سب جہاں ہماری نظر میں ہے غلت شریک بخت کی دو د جگر میں ہو
 اک جوش رنج و غم کا دل ہر شہر میں سودا جو ہے تو خانہ بدوشی کا سر میں ہو
 وحشت کا گھر ہے قلب میں ہلو میں
 چہنے لگے ہیں طلق کے کانٹے زبانیں

ہر گنڈ میں گریہ و ماتم کا شور ہے ہر آنکھ آج جوش گریہ سو کر ہے
 آمادہ جان دینے پہ ہرجی کا جوہر ہے بی طرح بقراری آغوش مگور ہے

برپا یہ خشر کیا تہ افلاک ہو گیا
 ساکن فَلَک نہا کا تہ خاک ہو گیا

محبوب کے فراق کا یارا نہیں جواب جینے کا اپنے کوئی سہارا نہیں جواب
 دن کیا گزرا رے کہ گزرا نہیں جواب پر سان حال کوئی ہمارا نہیں جواب
 حسرت بھری نظر سے جدھر پکڑیں ہم
 پیش بنگاہ یاس کا گھر دیکھتے ہیں ہم

ایسا بھی انقلاب جہاں میں ہوا نہ ہو کلشن کوئی بہار میں ایسا لٹا نہ ہو
 یاس اس طرح دل پر دم مانہ ہو ایسی بھی نامرادی دست و دمانہ ہو
 حسرت کا اک جھوم دل فوجہ گزریں ہو
 اب ہے اثر و فاعل و زمین اثر میں ہو

شعلہ نکل ہے میں دلِ داغدار سے اک آگ ہے لگی ہوئی دل کے بنجارے
 بہر قرار پھرتے ہیں ہم بیقرار سے جا جا کے پوچھتے ہیں یہ کنج مزار سے

آرام کا جہاں میں ملتا ہے نہیں
 راحت کی کوئی شکل یہاں بھی ہو نہیں

بیتاب ساز سینہ و دل و درد ہو گیا
چہرہ کا رنگ ضعف سے اب زرد ہو گیا
آشوب حشر پیش و فیضان گرد ہو گیا
دگر می طالع سے دل سرود ہو گیا
نقشہ کوئی نشاۃ کا باقی نہیں رہا
مینوار ٹوٹتے ہیں کہ ساقی نہیں رہا

صورت ہو تج و خیر زر کی بچی ہو سی
وہ دیکھو ہے صراحتی کو بچکی لگی ہو سی
خالی ہے آج طاق میں بوتل بھری ہو سی
کہتی ہے یہ سرور کی زنجت اوڑھی ہو سی
سافر کا ہر پتہ نہ سب کو نشان ہے
ساقی کی یاد کا نقطہ اک و کان ہے

ایسی دکان رہتی تھی جہنم پہل
آتا تھا غمزدہ بھی تو جانا تھا جی پہل
ہوتا تھا ریخ و غم کا خوشی ہو جہان پہل
کوئی زبید و ماخی و اعطاف کا تھا غفل
آزاد بادہ خوار تھے عشرت کا کھنڈا
بھٹی تھی گرم ساغر گلگلوں کا دور تھا

بیٹھے بٹھائے رنگ میں کیا جنگ ہو گیا
ظاہر جہاں میں دہر کا نیزنگ ہو گیا
نغمہ صدائے غم کا ہم آہنگ ہو گیا
زندوں کا سخت مستعد جنگ ہو گیا
ہمت عجب بھی صورت شمشیر کھینچی
ہنکھنہ میں جان موت کی تصویر کھینچی

منگل کے روز چارم ایام کو
آئی اجل جو خسرو عالی معتام کو
اک صدائے عظیم ہوا خاص و عام کو
روتی تھی خلق آصف سادس نظام کو
بیل مرثک غم سوہ طغیانیاں تھیں
ہر ایک رہگزر میں رواں نہ دیا تھیں

کیا لکھوں اُسے کیسی قیامت بپا ہو سی
انوس کیا تھا ہی خلق خدا ہو سی
بلے سود چارہ سازی و فکر و دہو سی
بیکار ہم غم ہوں کے دل کی دعا ہو سی
کیا زندگی کا موت سو نقشہ بدل گیا
آخر فریب دست قضا نہ پہل گیا

خلقت کا اک ہجوم سر رکھ کر رہتا مخلوق کے دل نہیں عجب انتشار تھا
 سکتہ میں کوئی تھا تو کوئی بیقرار تھا جس پر پڑی نگاہ وہی اشکبار تھا
 اُمّی تھی خلق کیاتہ و بالا زاتہا
 جو تھا فلک ناک کی طرف وہ روایتہا

نالے زبان پہ آنکھ میں آنسو لبوں پہ دشوار تھی و فور غم وہم سے قطع راہ
 رشتہ تھا ہاتھ پاؤں میں ملات بھی تھا دل تھا جو بیقرار تو بچھیں تھی نگاہ
 لغزش تھی گام گام پہ چلنا محال تھا
 جو تھا ہجوم رنج سے وہ پایا تھا

کہتی تھی خلق اے میرے آقا کہہ گئے دیتے تھے بے طلب جو وہ دانا کہہ گئے
 ہم بکیوں کے تھے جو ہمارا کہہ گئے سب ملک و مال چھوڑ کے تھا کہہ گئے
 ڈھونڈیں کہہ کہاں تھیں لائے کیا کریں
 تم جی اٹھو تو جان ہم اپنی فدا کریں

سوز و گداز کی کوئی حد نہیں رہی رونے رو تے ہچکیاں بندھ گئیں
 ہاتھ پاؤں میں رشتہ پڑ گیا اور ناتواں انگلیوں سے قلم گر پڑا روزنا بہت کچھ
 ہے گرا منوس کو رو یا نہیں جانا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ
 محمد عبد الوہاب عندیب حیدر آبادی ناظر ترقی خان خاں خلع، یدک

قطع تاریخ

اچانک اک بچہ شبنہ کے دن تباہی چہارم ماہ رمضان
 ندای غیب سے اظہر کو آئی گیا جنت کو محبوب علیخان

۱۳۲۹ھ

سید اعظم اللہ حسینی اظہر انکار صدر محاسبی شاعر تالیف

قومی ماتم

رباعیات

(۱) دنیا کا وہ انتظام باقی نہ رہا
کس طرح جس شریف عزت نہ رہی
انصاف کا اب تو نام باقی نہ رہا
تھا دہریوں جو "نظام" باقی نہ رہا

(۲) مطلوب جہاں بہاڑ مطلوب نہیں
دو بھر ہے یہ زندگی اجیرن بننا
مرد خوب جہاں شراب مرغوب نہیں
محبوب ہو گیا کہ "کماے محبوب" نہیں

(۳) "شید" کا مین شاہ عالی نہ رہا
ماتم میں ہے شبلی کی طرح ہندوستان
بہات وہ قدر دان "حالی" نہ رہا
کس مونہ سے کہیں دکن کا والی نہ رہا

(۴) ہمدردی غریباں شد والا نہ رہا
کس کے آگے زبان بکیس واہو
خوشید کرم جگ کا اوجالا نہ رہا
کس سے کہیے کہ سننے والا نہ رہا

(۵) بے مذکرہ دم بھر بھی گزرنے کا نہیں
محبوب ہی جاؤں سو زیادہ محبوب
ناسوریہ دلدوز ہے بھرنے کا نہیں
یہ نام زبانوں سے اوترنے کا نہیں

(۶) ہمدردی تھی اڈر حنا بچھو ناستیرا
کس بات کو دے ترا روٹنے والا
لفیانی پہ یاد ہے وہ روزِ اتیرا
سب کچھ تھا دکن میں ایک ہوا تیرا
خستہ دل خستہ مگر - محمد قطب الدین نقلی حیدر آبادی

۱۔ دوزخ دانہ وہ کی حالت میں یہ رہا عیاں کبھی ہی نہیں خود فریبی کے عالم میں انسان ایسی باتیں کہہ جاتا ہے
جس کوئی اصلیت نہیں جانتا کہ عقل سے ملک میں بدل و انتفاع کا دہی عالم جو حضرت خدیو میں مکان کے
دور کے دست میں تھا راجی کا مطلب صرف انھار ہے دالمی کو کہ حقیقت نفس الہی ۱۲۔ اور سب سے زیادہ
باقی عینک کا ہے سنہ شمس اعلیٰ مولانا خواجہ الطاف حسین صاحب حالی سے شمس اعلیٰ مولانا خواجہ الطاف حسین حالی

قطعات تاریخ

انتقال بر طلال اعلیٰ حضرت حضور نور نواب میر محبوب علی خان ^{ظاہر}

یہ ہے کل کی بات اے پہر کہیں
چلتے تھے غنچے ہکتے تھے گل
چہکنی غنی بلبل - سرشاخ پر
مگر آج کیا جانے کیا ہو گیا
جہاں فرش تھے پیکرے اور پھول
جو تھا سیر و تفریح گاہ جہاں
تری موت آج اے فطالوں
ہزاروں بیتیم آج اور بیوگان
کہاں سے اجل ناگہاں آگئی
ترے آڑے آئی بھلائی نہ کیوں
جسے کہتے تھے عرو دولت نصیب
ندم اندم میں ہے نہ تاب نہ تم
سبا ہی سے کیا سال اجڑی گئیں
عجاہوں میں عالم نہ ہو کیوں کیا

کہ پھولا ہوا تھا ہمارا چین
لیے اندھین سا غراب بل
لڑائی مٹی تر گس نظر سے نظر
وہ ٹھٹھن ہی سارا ہوا ہو گیا
وہیں تاج اڑتی ہے خاک اور دھول
وہی باغ ہے آج بے باغبان
قیامت سا غم ہے غصہ کا مہن
ترے غم میں ہی آہ و نالائکان
تجھے اے نس کی نظر کھا گئی
تری آئی فانی کو آئی نہ کیوں
اُسے آج لکھتے ہیں خبت نصیب
صدائے اہم ہے صریرت سلم
پکٹنا ہے کاغذ پر آنکھوں غول
پرغ و گن جمع کیا آج آہ

ایضاً

سدا ہا سے خلد کو بشتاہ آصف
سرازد وہ سے لکھ سال فانی
ہوا سارا جہاں نالان و گریاں
مجھے جنت کو محبوب جہاں
نکھنور تقدیر ابو الغفر محمد فانی ^{۱۳۲۹} دہلی

قطعات پنج

(۱۶)

"خاکسار نے عمر بھر میں کوئی تین چار نہیں کہی۔ لیکن حضرت غفران مکان کے انتقال
کا عہدہ ادا کیا گیا تھا۔ وغیرہ افسوس کہ اس واقعہ کو سننے کے بعد کوئی کام نہ ہو سکتا تھا
چونکہ اس عہدہ پر کام ہمارا باطل اور وقت خالی تھا۔ خاکسار نے وقت کاٹنے اور
عمر دور کرنے کیلئے اس طرح انتقال کی جستجو شروع کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہی
قوت میں ایک ایسا مادہ ہے کہ جس میں حضرت غفران مکان کا پورا نام بدست آئے
نہیں۔ اور جو ہے۔ اور باوجودیکہ میں شاعر نہیں ہوں۔ مادہ موزوں بھی ہو گیا کہ
قافیہ پائی کہ یہ تو بہت ہے۔"

شاہ آصفیہ سادیں از جہاں
فلق رانا جی رنگت بدیرین
بلبل و طوطی پر گلشن شہر خوش
سینہ زن صفحہ کمال پر دوش حرم
از دناش جن وانسان رنجوشد
یافت از صدیق اکبر انتساب
و غلبہ بود چر عثمان ہم دشمنی
چاکرانش بود۔ انھان و عورت
پرورش پر زینت افغان قضا
یوم کشف۔ شہر ہام ابو صوم

زنت در دار البقا چوں برد۔ کما
بر دل ا۔ ناخن افشروائے
غنی و کل در چمن۔ افشروائے
موی می کردش دو طفل خدائے
حور و علما کی ملک آرزوئے
وزیر انصاف صاف خدائے
در جلالت۔ چون علی گردوائے
خدا دانش بود رنگت کردوائے
بہر فحش نے کسے پے بردوائے
سار و فحش از اجل رنجروائے

مال تویش اکبر ناشاد گفت

یہ جو کچھ علی خاں۔ مردوائے

۱۶ + ۱۷ + ۱۸ + ۱۹ + ۲۰ = ۸۰

۱۳۲۹ھ

نوشہرہ

عہد محبوبی کی بکثرت

۱۱

عہد عثمانی سے امیدیں
هَلَاكَ الْخَلِيفَةُ بِالَّذِي وَاتَّالُوا مِنْ بَعْدِ مَنْ تَخَلَّفَ

اگرچہ زمانہ موجودہ میں یورپ نے جو درجہ دستوری حکومت کی بدولت حاصل کر لیا ہے اس کا یہ نتیجہ ہے کہ پادشاہ کا ماتم زیادہ تر اس کے ذاتی اوصاف و شمایل ہی کے وجہ سے ہوتا ہے لیکن جو عالم گیر ماتم ہمارے شاہ محبوب کا ہو رہا ہے وہ اگر بیرونی دنیا میں اس لحاظ سے ہے کہ وہ ہندوستان کی سب سے بڑی دیسی حکومت کے حکمران تھے جنکی ذات بلحاظ اپنے اوصاف و شمایل کے برٹش گورنمنٹ کے لیے باعث تائید اور اہل ہند کے لیے غمناک سرمایہ تماش و افتخار اور مسلمانوں کیلئے خصوصاً مزید جہد و علاقہ تھی تو اسی کے ساتھ اور زیادہ ماتم اندرون قلمرو اس لحاظ سے بھی ہے کہ ایشیا کے وہ پہلے فرماں روا ہیں جن کے جہد حکومت میں رعایا نے حکومت دستوری کی برکتوں سے حظا اٹھایا جاپان میں بھی دور جدید عہد محبوبی شروع ہونے کے بعد ہی ہوا ہے پس اس لحاظ سے رعایا آصفیہ اپنے محبوب کم گشتہ کا جہد ماتم کرے۔

بجائے۔ اگرچہ نواب مختار الملک کی دور وزارت کا بڑا حصہ عہد محبوبی میں ہی داخل ہو اور بلاشبہ نوکیلی ترقیات و اصلاحات بھی شہید عہد محبوبی کے شرف و فہم ہیں لیکن چونکہ ان کیلئے ہم نے آئندہ مختار الملک مرحوم کی لایف علیحدہ لکھنے کا ارادہ کیا ہے اس لیے بالفعل ہم اس زمانہ ہی پر آئندہ ذکر و حمد و درکھتے ہیں جب سے کہ زمام اختیار اعلیٰ حضرت طالب ثراہ نے اپنے ماتم میں۔

تذکرہ قلم بند کرتے ہوئے تاریخ نویسی کے اس مسئلہ اصول کو پیش نظر رکھنا ضروری کہ مورخ کو اس امر سے کوئی بحث نہ ہونی چاہیئے کہ ایسا ہوتا تو اچھا ہوتا کیونکہ امت

عالم کی زنجیر انسانی باتوں میں نہیں ہو بلکہ وہ شے جسکو ہم مثبت اور دیہتمہ تعبیر کرتے ہیں اس کو جذبہ چاہے پھیرتی ہے۔ مورخ کا کام صرف یہ بتانا ہے کہ کیا ہوا۔

البتہ اس لحاظ سے کہ محض ماتم اور حیرت کرنے رہنے سے بجز اس کے کہ ہماری اس مردہ ملی کا اظہار ہو جو ہمارے صدیوں کے منزل کا سبب وہی ہے اور کوئی سودمند نتیجہ پیدا نہیں ہو سکتا اور اگر ہم درحقیقت ان زندہ اقوام کی طرح دنیا میں اپنی فطرت اور شان باقی رکھنا چاہیں جسکی تقلید ہم نے اس عہدِ محمودی میں کی ہے اور اگر ہم اس دستور کی حکومت کی قدر کرتے ہیں جو شاہِ محمود نے ہم کو عطا کی ہے اور اگر ہم اسلام کی اس تنظیم پر کاربند ہوتے ہیں جس کا مکمل نمونہ اسلام کے نازک ترین موقع پر حضرت صدیق اکبر نے اس طرح ظاہر فرمایا تھا کہ گو پرندے ہم کو لے اڑیں لیکن جو کام شروع کر دیا گیا ہے وہ روکا نہیں جا سکتا ہم کو چاہیے کہ اس درو مندی کی حالت میں راہ ترقی میں بے کھٹکے اور تیز رفتاری سے قدم آگے بڑھائیں بقول آزاد و جلاہی یہ بہت مرطاب طے چلو پس اس خیال کے لحاظ سے جو میری درو مندی زندگی کا جزو لا ینفک بن گیا ہے عہدِ محمودی یا جو کچھ ہوا اس کے بتانے کے ساتھ ہی ہم یہ بھی خدا پر بھروسہ رکھ کر جاتے جائیگے کہ عہدِ عثمانی کے ساتھ کیا کیا دل افزا امیدیں وابستہ ہیں۔

جلوسِ مہینت یا کنس

چودھویں صدی ہجری شروع ہو رہی تھی جبکہ علیحضرت طالب نراہ نے زمامِ شہنشاہی سلطنت اپنے ماتم میں لی، تاریخِ عثمانیہ وہ تاریخی یادگار تاریخ ہے جبکہ اس عہد کی ابتدا ہویں صدی کے ساتھ ساتھ نیا دور حکومت شروع ہونے والا تھا اور صدر نے اس کے لیے نئی باتیں بھی پیدا کر دی تھیں پر نامد براعظم تختہ راہ ملک پرانی صدیوں میں پرانے ارمان لیے ہوئے تھاک جو چکا تھا پرانی صورتیں سبھی جاری تھیں ان صدی کی تھک لائیگی کو یہ حالت میں نئی صدی کے ساتھ سب کچھ نیا ہو گیا۔ اس نئی صدی کے ساتھ ساتھ کئی اولیات یا دگار ہینگے اول تو یہ سلطنتِ آصفیہ کی تاریخ میں یہ ادائی

دفعہ شاہزادہ شاہ مسند نشین ہونے کے بعد دوبارہ با احتیاط رہنے اس سے پہلے یہ صورت پیش ہی نہ آئی تھی دوسری اولیت یہ تھی کہ لارڈ پین سب سے پہلے گورنر جنرل ہیں جنہوں نے خاک سید راہد پر قدم رکھا تیسری اولیت یہ کہ بلا موقع تھا جبکہ کسی فراموش کا آصفیہ کی مسند نشینی کے دربار میں گورنر جنرل حاضر رہے چوتھی اولیت یہ تھی کہ دربار بھی نئی وضع کا تھا جس میں ممبری انداز نے قدیم منلیہ انداز کی جائے لی۔ مائتوں کے عوض تجلیاں۔ باندہ کرسیاں شہنشاہی دربار میں یہ سب چیزیں نئی تھیں لباس طرز دربار ماسم بھی نئے تھے۔ گورنر جنرل کی اصحابانہ اسپینج بھی نئی چیز تھی اور اس سرسبز نصیحت آموز تقریر کا خاتمہ اس طو پر ہوا تھا کہ خدا کرے کہ آپ کی رعایا کی اولاد آج کے دن کو کوکن کی پانچ میں عہدہ زمان کا شروع و رونق لے (یہ بھی یاد گار رہیگا کہ اس اسپینج کا ترجمہ فارسی میں سنایا گیا جو گویا فارسی کیلئے دربار میں اخیر موقع تھا) لارڈ پین کی یہ امید (بعد کا علحوضت نے دربار جہلی کے موقع پر ارشاد فرمایا) پوری ہوئی اور اس دور جدید کی بنا اس دن قائم ہوئی جسکی مختصر برکتیں ہم ذکر کریں گے۔

پہلی وزارت

(۱۰)

علیہ غرت نے اس روز نواب عمار السلطنت مرحوم کو مدار المہام مقرر فرمایا جسکی عمر اس وقت صرف بیس سال کی تھی اور درحقیقت اس سے زیادہ کم سن آج تک کوئی مدار المہام مقرر نہ ہوا یہ بھی ایک اولیت تھی نوجوان شاہ و وزیر نے ترقی کی راہ میں اس سرعت کے ساتھ قدم اٹھائے کہ نظر بد کا خوف ہونے لگا۔

کونسل آف اسٹیٹ

(۱۱)

اس جوان و دریں دستور کی بنا پڑی نواب محمد الملک مرحوم نے اگرچہ مکمل ڈیپنشن قائم کر دیا تھا لیکن درحقیقت دستور قائم نہ ہوا تھا بلکہ ایک حد تک شخصی حیثیت ہی برقرار تھی۔ شاہ و وزیر نے طے کر دیا کہ نئی صدی کے ساتھ دستور بھی داخل ہونا ضروری ہے۔ اس کی تمام ترقیات کا سرچشمہ ہے چنانچہ ۳۰ ریح الثانی ۱۲۸۲ھ کو پہلی دفعہ کونسل

کا اجلاس ہوا اور اعلیٰ حضرت نے اس میں ارشاد فرمایا آج شاید حیدر آباد کی تاریخ میں یہ اول دور ہے
کہ یہاں کے امرا بالاتفاق رہیں وقت کے سامنے سرکاری کاموں میں مدد دینے کے واسطے حاضر
ہوئے ہیں میں سرکار اور رعایا دونوں کے حقوق کی یکساں حفاظت کروں گا۔

قانونچہ مبارک

(۴)

کونسل آف اسٹیٹ نے اگرچہ زیادہ خدمات مملکت انجام نہیں دئے اور شاہ اسطیغ
مرحوم کے بعد سر آسمانجام مرحوم کی ذلت میں اس کا وجود عدم مساوی ہو گیا لیکن آناجریٹ
قدس نے یہ تصفیہ فرمایا کہ جب تک ایک کانسٹیٹوشنل لائبرٹ ہو تو نظم سلطنت پوری طور
پر مستحکم رہے ہو سکتا چنانچہ اس لحاظ سے قانونچہ مبارک مرتب فرمایا گیا اس کی تکمیل بذریعہ قواعد
قانونچہ فرمائی گئی جس پر اس وقت نظم مملکت کا دار و مدار ہے۔

کبنت کونسل

(۴)

کونسل آف اسٹیٹ کو یہ تبدیلی کبنت کونسل کا لقب دیا گیا اور اسکو پوری قوت
بخشی گئی اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ اس محترم کونسل نے حفاظت مہمات سلطنت
میں کافی حد تک ہمیشہ کیلئے اپنے وجود کو ضروری ثابت کر دیا ہے قواعد قانونچہ کبنت
کونسل اعلیٰ حضرت کے عہد کے دواہم کارنامے ہیں جن میں اصول تمدن کی رو سے نہایت
عمرہ مصلحتیں مرکوز رکھی گئی ہیں۔

عہد عثمانی میں اسید ہے کہ یہ دونوں چیزیں اور زیادہ آب و تاب کے ساتھ نمایاں ہو گئی
جو کچھ فرورزا شین قانونچہ مبارک کے بدعات مرتب ہونے کی وجہ سے ہیں اور ان کو دور
کر کے ایک مکمل قانونچہ مرتب کر دیا جائے گا تاکہ وہ علی اللہ و ام بطور دستور اعلیٰ
کام دیتا ہے۔

فرقہ امار

متعدد وزارتوں اور رفاہی امان کے تجویز سے اعلیٰ حضرت نے اس اصول تمدن کو پوری

طور سے دریافت فرمایا تھا کہ ایک ہی شخص پر کل بار نہ ڈالا جائے جس سے خود اس کو ایک طرف کسی کام میں بھی پوری توجہ کا موقع نہیں مل سکتا اور اس طرح کام خراب ہو جاتا اور دوسری جہت سے دوسروں کے بیکار رہنے سے رفتہ رفتہ اون کی قابلیت کا مادہ بھی منقو و ہوتا جاتا ہے ہمارے گذشتہ تنزل کی بڑی وجہ یہ بھی تھی نواب سس الملک مرحوم کے انتقال کے بعد اخبارات نے اس امر پر توجہ دلائی کہ چودھویں صدی کے شروع میں جس قدر قریب فریس تجربہ کار امرا مثل ہمارے نذر پر شاہ نواب سر آسمانہ و سر خورشید جاہ و سر وفار اللہ امرا وغیرہ موجود تھے آج ان کے نظائر طبقہ امرا میں نہیں ملتے اور اگر اب بھی اس انحطاط کی خبر نہ لجاوے اور موجودہ امرا کی قابلیت سے فائدہ اٹھانے اور ان کو تجربہ کار بنانے کی کوشش نہ کی جائے تو چند ہی سالوں میں یہ عظیم الشان فرقہ امرا جو ہر ملک میں پشت و پناہ سلطنت و نظم سلطنت میں حصہ لینے کے کسی طرح قابل نہ رہیں گے اور اس کے بعد کیا خدائے خدا و زمین ہو کے خدات برائش گو نمٹ سے مستعار لینے کی ضرورت نہ ہوگی۔ ضرورت ہے کہ کینٹنٹ میں اور بھی امرا و شریک کیے جائیں ورنہ آئندہ فرقہ امرا کی نا تجربہ کاری کی وجہ سے اور زیادہ خطرے و پیش ہونگے۔ اعلیٰ حضرت نے بھی اس وصول کو تسلیم فرما کر نہ صرف مبین المہامی فوج پر نواب خان خاناں بہادر کا تقرر فرمایا بلکہ کینٹنٹ کو نسل میں زاید کرن کی ضرورت تسلیم فرما کر نواب مظفر جناب بہادر کا انتخاب فرمایا گیا اعلیٰ حضرت میر عثمان علی بہادر کی توجہ سے جو خود بھی اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ ہیں امید ہے کہ فرقہ امرا قابلیت حاصل کر کے اپنے آپ کو پشت و پناہ سلطنت ثابت کر لیں گے۔

مجلس وضع قوانین

یہ مجلس بھی خاص اعلیٰ حضرت کے عہد محبوبی کی مبارک یادگار ہے جسکی بدولت رعایا کو کانٹینٹ نسل گو نمٹ کا حق عطا فرمایا گیا ہے جن اشخاص نے بلا تہمد نہ کی تاریخ پر طبعی ہو وہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ حق کس قدر مشکلات اور قربانیوں کے بعد رعایا کو حاصل ہوا ہے۔ لیکن اعلیٰ حضرت نے سلطنت آصفیہ کے قدیم اصول کے سنا سے جسکی رو سے سرکار اور

رعایا اصفیہ فون کا مطمح نظر ایک رہتے خود رعایا کو یہ محترم حق عطا فرمایا جسکی قدر کرنی ہمارا فرض ہے جلس کے افتتاح کے وقت نواب سر قنار الامرا مرحوم مدار الہام وقت نے تہا درست بیان کیا تھا کہ کیسی بڑی تمدنی نعمت محبوب فرماں روا نے اپنی پیاری رعایا کو عطا فرمائی ہے جلس وضع قوانین نے اس وقت تک جو کام کیا ہے وہ قابل اطمینان ہے۔ گذشتہ سال سے اخبارات میں یہ تحریک ہو رہی ہے کہ اب وقت آ گیا ہے۔ جبکہ اس مبارک اور مقرر مجلس کا وائرہ شروع کیا جائے اور کان کو سوال کا حق دیا جائے۔ اور انتخاب زیادہ عمویت کے ساتھ ہو کیونکہ محض ہی ایک طریقہ ہے جس سے نظم و ملکت کی نیکیت خرابیاں آسانی کے ساتھ رفع ہو سکتی ہیں اور انتظام مکمل حالت میں آجائے عابد عثمانی میں امید ہے کہ یہ تحریک بار آور ہوگی اور وہ اپنے محبوب باپ کے دکائے ہوئے چوک کو ایک تناور درخت کی شکل میں لے آئیے۔

فینانس

(۴)

دستور کی اہم برکتوں کے ساتھ تمام دوسرے سر رشتوں میں بھی ترقی کا قدم آگے بڑھتا ہی گیا اس وقت ہم ایک سرسری نظر و الیں گے عہد محبوبی کے پہلے صرف ایک ایسی صدر محاسب تمام فینانس کے ذمہ دار ہوتے تھے داخل و خارج کا حساب مرتب ہوا کرتا اور اس اصول کو تسلیم کیا جاتا رہا کہ پس انداز خانہ میں محفوظ رہنی چاہیے اور اس لحاظ سے نواب مختار الملک کی فینانس کا میا بی مسلم تھی۔ عہد محبوبی میں سب سے پہلے جو جدید انتظام ہوا اس میں متحدہ ٹیکس و فینانس کا عہدہ قائم ہوا اور نواب محسن الملک بہادر آرا کے پہلے متحدہ قرار دے گئے موازنہ کا دستور قائم ہوا اور نواب محسن الملک مرحوم نے اس کو اس کے ابتدائی مراحل میں کامیابی کے ساتھ قائم کیا۔ فینانس کی آخری ترقی مٹرا کر کے بجٹ نوٹ سے ظاہر ہو سکتی ہے جو مجموعہ اخبارات میں شائع ہو چکا ہے اگرچہ بہ نسبت زمانہ نواب مختار الملک کے اس صیغہ میں برٹش انڈیوں کے خدمات مستعار لینے کی ضرورت ہوئی ہے لیکن امید ہے کہ آئندہ ہم اپنے فینانس کی خود گرائی کر سکیں گے رصدا خانہ کی

شاذ اعرار تہ۔ وارا الفرب کی وسیع شہر ہی بجلی کی روشنی اس عہد میں حیدرآباد میں نظر آنے لگی ہے۔

سکۃ

اعلیٰ حضرت ہی کے دور میں سکہ محبوبیہ کی صورت پبلک کو نظر آئی غدر کے زمانہ تک تحکیم سکہ جاری تھا بعد غدر خود پرنٹش گورنمنٹ کی تحریک پر بعد اعلیٰ حضرت افضل الدولہ مرحوم سکہ بدلا لیکن وہی وضع برقرار رہی اعلیٰ حضرت طاب ثراہ کے عہد سینت مہد میں نہایت بیش قرار رقم کے صرفہ سے مشن کا بنا ہوا سکہ محبوبیہ شتاق نگاہوں کے لیے جلوہ افروز بنا اگرچہ اس کا کثیر مصارف اور کسب و کسب کی دقتوں کو دیکھ کر بار بار اخباروں میں اس کے متعلق بحث ہوئی لیکن اعلیٰ حضرت طاب ثراہ نے ہر وقت ہی اصول مد نظر رکھا کہ سلطنت کے لیے اس کی خاص علامت کی بقا لازمی ہے اور اپنا یہ فرض قصور فرمایا کہ جو اختیارات شاہی وراثتاً حاصل ہوئے ہیں وہ حضرت کے جانشینوں کے لیے ملکیت بحال و باقی رہیں۔ اس لحاظ سے بفضلہ امید ہے کہ سکہ محبوبیہ بطور یادگار حضرت تاقیاً ریاست ابد مدت باقی رہے گا اور اس کے رواج کے جو مانع مشر واکر نے بیان کیے ہیں۔ ان کے دفعیہ کی فری تدبیر سرکار آصفیہ کی طرف سے عمل میں لائی جائے گی جو تمام رعایا آصفیہ کی متحدہ خواہش ہے۔

مالگنداری

عہد محبوبی کی ابتدا میں اس صیغہ کا انتظام بھی فریور وین ہاؤن میں تھا اس ابتدائی دور میں مشر وٹنلاپ کے خدمات مستعار لیے گئے جو اب تک کارگزار ہیں اس شہر کی روش کم و بیش نواب مختار الملک مرحوم کے اصول پر چلی آ رہی ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ مالگنداری نے اس عرصہ میں اس قدر ترقی نہیں کی جو کم از کم بڑاڑ کی سابقہ و بڑو مالگنداری کے لحاظ سے موزوں کہی جاسکے۔ اس سرشت میں توقیر آمدنی کی بہت بڑی گنجائش موجود ہے اور اس کے ساتھ ہی ضرورت ہے کہ لایق عہدہ دار مہیا کیے جائیں جس کی طرف مشر واکر نے بھی توجہ دلائی ہے امید ہے کہ لایق عہدہ داروں کے پیدا کرنے کیلئے آمیزہ

عہد میں خاص طور سے انتظام کیا جائیگا۔ عبدجوبی میں جدید ضلع بندی ہوئی تو خطہ کے زمانہ میں اس سائش رعایا کیلئے بے دین رقم صرف کی گئی۔

سررشتہ عدالت

اس سررشتہ میں سب سے اہم اصلاح جو ڈسٹریکٹ اور اگر کٹسوا اختیارات کی علیحدگی ہے نواب مختار الملک کے زمانہ میں مدارالمہام انتظام ریاست کے ساتھ عدالت کے بھی اعلیٰ حاکم تھے لیکن اعلیٰ حضرت نے حکام عدالت کی غلطی بڑھادی جو ڈسٹریکٹ کیلئے کے تقرر سے گویا انتظامی اختیارات عدالتی اختیارات سے علیحدہ ہو گئے اعلیٰ حضرت کو خاص توجہ تھی کہ عدالت کی وقعت اور قانون کی حکومت کا خیال قلم و آصفیہ میں ہی طرح قایم رہنا چاہیے جس طرح بلا دہشتہ میں اعلیٰ حضرت نے مثل بلا دہشتہ کے شاہی اختیارات عدالتی کارروائی میں کسی موقع پر کام میں نہیں لائے۔ درحقیقت قانون اور عدالت کی جو غلطی اعلیٰ حضرت نے ملک میں قایم فرمادی ہے اس کے احسان سے کبھی ملک عہدہ برا نہیں ہو سکتا یہ دوسری بات ہے کہ انتظام عدالت میں اس قسم کے اصلاحات کی ضرورت ہو جس سے انصاف زیادہ گراں نہ رہے جیسے آئریل مولوی سید امیر علی صاحب نے اپنے سینئر مسٹر ایک میں نہایت وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے لیکن یہ کام ہماری ہندوستان میں وضع قوانین کا ہے اور امید ہے کہ آئندہ ان ہدایات پر کافی توجہ کی جائیگی۔

عدالت کے ساتھ ساتھ کو توالی و محامس کا بھی انتظام ترقی پذیر ہے۔ صیفی طبابت بھی اب عدالت ترقی پذیر بلکہ زمانہ ہسپتال خاص طور پر یادگار رہیگا۔ اخبارات میں ٹیکل اسکول کی اس قسم اصلاح کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے جس سے اس کے فوائد کم از کم کامی طرح جانے ہو سکیں جیسے نواب مختار الملک مرحوم کے زمانہ میں تھے امید ہے کہ آئندہ اس بارہ میں بھی توجہ مبذول ہوگی۔ سررشتہ طبابت یونانی بعد میں آساخجہ مرحوم عبدجوبی کا ایک مبارک جدید صیفیہ قایم ہوا جسکی ملک نے بے انتہا قدر کی اور امید ہے کہ آئندہ اوس کو اور زیادہ مفید کر کے دونوں طبابتوں کو باہم قریب ملنے کا موقع دیا جائیگا۔

سررشتہ ٹیپ میں بھی رفتار ترقی مسلسل جاری رہی حال گندیشہ منی آرڈر کا طریقہ جاری

کیا گیا۔ اگرچہ اکثر سرشتہ ٹیپہ کے اسباق کے تحت کجیات پیش ہوتے ہیں۔ لیکن ملحوظات نے سک کی طرح ٹیپہ کی بھی حفاظت اپنا ضروری فرض تصور فرمایا۔ علاوہ انگریزی کے خطوط کو سرکار عالی کے ٹیپہ سے بلا معاوضہ تقسیم کرنے کا قاعدہ اعلیٰ حضرت ہی کے جاری فرمایا۔ سے بے انتہا سہولت پیدا ہو گئی لیکن سرکار عالی کے علاوہ سے انگریزی علاقوں میں جانے والے خطوط کو ابھی تک یہ سہولت نصیب نہیں ہوئی ہے۔ اگر بڑش انڈیا کے اخبارات اس مسئلہ پر کافی بحث کریں تو قوی امید ہے کہ بڑش گورنمنٹ اس تحریک کو ضرور منظور کر لگی۔ اگر یہ تحریک طے ہو جائے تو پھر انگریزی ٹیپہ خانات کی ملک سرکار عالی میں کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ انگریزی سرشتہ ٹیپہ بھی بارے پھینکا۔ اور ٹیپہ سرکار عالی ہمیشہ کے لیے خطوط سے محفوظ ہو جائیگا۔ دربارہ دہلی کی قربت کے لحاظ سے اگر اخبارات اس مسئلہ پر جو اصل واجب تحریر ہے سرکار انگریزی کو توجہ دلائیں تو یقین ہے کہ اس میں کامیابی ہوگی۔

سرشتہ تعمیرات و آب پاشی کی رفتار بھی جاری ہے۔ ریلوے کا سلسلہ بڑھا جا رہا ہے اور اکثر اضلاع میں دائرہ و ریس کا کام انجام پایا۔

عام فائدہ کی غرض سے پہلے تہیم خانہ دہلی میں قائم ہوا جو بعد میں دیگر کے کوٹھاریہ میں موبیل آرنج کی شاندار عمارت میں جو اعلیٰ حضرت نے عطا فرمائی سالانہ صحت ہزار کے فروغ و ترقی کے لیے اسی حال میں احمد علی بیت المعذونین قائم کیا گیا جو اس کے واسطے اسناد دہلی و قیام محتاج خانہ کی شایع کی گئی۔ اس سے پہلے کو قوی امید ہے کہ اس کام کو ایسی عملی شکل دی جائیگی جس سے اس کے فوہ قوام و دل خواہ طور پر حاصل ہو سکیں۔

سرشتہ امور مذہبی میں حال میں ایک ایسی اصلاح کی بنا ڈالی گئی ہے جو اگر کامیاب ہو جائے تو عام مسلمانوں کی اصلاح میں اس سے بہت بڑی مدد ملے گی۔ یعنی اہل خدمات مذہبیہ قاضی وغیرہ جسکو قدیم سے در شامہ شمس جاری ہے اور جو اپنے خدمات کے فرائض سے دن بدن نا ملد ہوتے جا رہے ہیں ان پر مدرسہ نظامیہ کی تعلیم لازمی قرار دی گئی ہے اور دوسرے اہل خدمات پر امتحان مقرر کیا گیا ہے عہد عثمانی میں اس اصلاح کے عملی طور پر کامیاب ہونے کی قوی توقع کی جاتی ہے۔ یہاں تک ہم نے ان سرشتوں کا ذکر کیا ہے

جن کا تعلق راست سرکار سے اندرون قزوین ہے لیکن اعلیٰ حضرت کی فیاضی صرف اندرون ملک محدود نہ تھی بلکہ بیرون ملک میں بھی اس کے فوائد عام تھے ابھی حال میں لندن کی مسجد کی تعمیر اور دھرمپوری کی صحت گاہ میں پیش قرار چند سہ مرحمت فرمائے گئے۔ علیحدہ کلجکی اور عام طور پر مسلم ہے۔

سرشتہ تعلیم

(۴)

اڈونٹیشن کے سبب صیفوں پر بحث ہو چکی ہے لیکن سب سے اہم صیغہ تعلیمات جو گویا ملک کی زندگی کا سرچشمہ ہے ہم نے اس کو سب کے آخر میں ذکر کرنا مناسب سمجھا اعلیٰ حضرت شاہ محمود کو تعلیم سے جو دلچسپی تھی اس کا اظہار نہ صرف مختلف اسپتروں میں فرمایا ہے بلکہ اکثر فرامین مبارک میں بھی نہایت صراحت کے ساتھ ارشاد ہوا کہ تعلیم کیلئے روپے صرف کرنے میں کوئی چیز مانع نہ ہوئی چاہیئے۔ سب سے زیادہ ثبوت تعلیم سے دلچسپی رہنے کا اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں دہاؤر کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ مبذول فرمائے سے ملکتا ہے۔ ہر کیف اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اعلیٰ حضرت حکامی تعلیم تھے اور جیسا بار بار ارشاد فرمایا آپ کی دلی خواہش اور تمنا تھی کہ انار و وطن ملک و مملکت کیلئے شایستہ ارکان اور عمدہ زیور ثابت ہوں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ سرشتہ تعلیم نے اس مبارک دور میں جو تیاج پیدا کیے وہ کہاں تک قابل اطمینان میں آئے اس پر صریح زمام تعلیم ایک ایسے نامور فرد فرید کے ہاتھ میں ہی چکی علیٰ علمی و صفات اور قومی اسپرٹ مشہور مانا رہی ہے اور یہ ظاہر ترقی کن رپورٹیں سبک کے روپے پیش ہوئی رہی ہیں لیکن نظر انصاف سے دیکھا جائے تو ثابت ہو گا کہ بار وجود ہر قسم کے تعلیمی ترقی کی ہر قسم سے افزائش و اخراجات کے نتیجہ میں ترقی یافتہ ممالک کے ترقی پسندوں کی خبر نہایت زیادہ ہے۔ سچ پرانے افسانوں کے طلباء کی تعداد زیادہ ہو گئی لیکن یہ زیادتی قابل توجہ نہیں کہی جاسکتی سب کا یہ دیکھا جائے کہ زندہ دلی کی وہ اسپرٹ جو تعلیم سے مطلوب ہے کس قدر فرو ہو گئی اور ہوتی جا رہی ہے ہماری تازگی کا کوئی نشان نہیں ملتا معاشرت اور تمدن کی جہیں کچھ رو بہ تنزل حالت ہے وہ عجمان وطن سے چھپی ہوئی نہیں ہر علمی

ہجرت دن بدن ہو کھتے ہی ہو چلے جا رہے ہیں اگر کسی گائین میں کوئی ترقی بھی ہو رہی ہے تو وہ اس قدر آہستگی کے ساتھ ہے کہ اس کو اس کا احساس نہ تھا نہ تزلزل کا مقابلہ نہیں ہو سکتا جو تبدیلی سے درحقیقت جاری ہے غلط احوال کا خوفناک اثر ہم میں چلا جا رہا ہے جس کی وجہ سے کوئی نامور فرد اٹھ جاتا ہے تو اس کا جانشین نہیں ملتا۔ اس تمام زمین حالت کا اصلاح صرف تعلیم میں منحصر ہے اور ہم بتا چکے ہیں کہ اس عہد مجبوری شروع ہونے کے بعد ہی جاپان نے یہ پروہ گناہی سے سر نہکا لکر کس آن بان کے ساتھ اپنے آپ کو دول متحدہ کی اہم ترین صف میں داخل کر لیا جس کا تمام راز صرف تعلیم میں منحصر ہے۔ ہماری مردوں کی اہم اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے کہ محبوب ناموں مال نام تمام حالت میں بڑا ہوا ہے جس شہر میں ناموں مال کی بحال میں ایسی ترویج ہو گیا اس کی نسبت یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ وہ شہر ابھی ناموں مال کے قابل ہی نہیں ہوا حالانکہ رعایا تیار آباد نے جن کے سالگرہ وغیرہ میں جس سیر شہری کے ساتھ چندہ دیا اس کے سوا سے ناموں مال کی بحال کوئی غیر معمولی بات نہ تھی لیکن صرف کام کرنے والوں کے سوجو نہ ہونے سے یہ نام تمام عمارت مہمان وطن کو حسرت و اندوہ کے گرداب میں مبتلا کرتی ہے۔ پس جب کہ یہ مسلم ہے کہ زندگی کی اسپرٹ صرف تعلیم سے پیدا ہو سکتی ہے اور اس کے لیے ایک طرف مسلم یونیورسٹی اور دوسری طرف ایئر پل کو کھلنے کا مسودہ قانون تعلیم جبری پریش آندا یا میں عام جوش کا مرکز بن رہا ہیں۔

تو یقین ہے کہ علوفت میر عثمان کلیناں باور اس سوال ہے کہ یہی لنگے کر کیونکر سرشتہ تعلیم جدید بار فی الواقع زندگی کی اسپرٹ پیدا کرنے میں کامیاب بنایا جاسکتا ہے۔

در اصل مسلم یونیورسٹی کی صداا علوفت طالب تراء کہ ہے ابتدا عہد میں حیدر آباد سے ہی بلند ہوئی تھی ایک عظیم الشان جلد میں اسکی اسکیم مقب ہوئی جبکی یاد صرف پرانے اخبارات کے فائل میں زندہ ہے یقین ہے کہ عہد عثمانی میں تعلیم کے متعلق ایسی گہری اور موثر دلچسپی لگائی جس سے گذشتہ فرد لہ اشتوں کی غلافی ہو کر حیدر آباد جاپان بن جایگا۔

آمین لا اسرعی لواحدۃ حق المصنف الیہ الف آمین
راقم

شاہ محبوب کامرانیہ نثر میں

”مہ۔ رمضان المبارک ۱۳۲۹ء کا محسوس نکل۔ ماتم محبوب میں گذرا تھا۔ تمام دن اپنا
وہاں فرسانہ نامہ دیکھتے۔ دلکش فوج اور صبر نامہ شیعہ سنتے۔ آہ و زاری کرتے اور مانے
”بہرے تیر ہوا تھا۔ شام کو تنکے نامہ گھر آئے۔ ٹوکی پہلو میں اور کسی ہدوت قرار
”آنا تھا۔ ایسا، علوم پر پڑا تھا کہ سینہ میں دل یا دل میں اطمینان نہیں ہے۔ سر و داغ
”یا دماغ میں سکون نہیں ہے۔ جبر میں جان ! جان میں تاب و توان نہیں ہے۔“
”ایسی حالت میں خیال آیا کہ شاہ محبوب کامرانیہ لکھنے کے سوا اس وقت کوئی کام بن
”نہ آئیگا۔ پس کاغذ قلم لیکے بیٹھ گئے۔ اور اس وقت جو خیالات دماغ میں آئے۔“
”حوالہ قلم کرتے گئے۔ اس رات کے بعد اب تک پھر اس مرتبہ میں کچھ بڑھانے محض
”کئی نوبت نہ آئی۔ طبیعت ہی قابو میں آئی۔ ناچار اتمام مرتبہ حوالہ صفحات صحیفہ
”شکایا جاتا ہے کہ اس کا اتمام ہی خیال ہونا مناسب اور غم محبوب کی انتہاء ہونے کا
”ثبوت ہے فقط“ اڈیٹر

مکتبہ المصطفیٰ

للہ الواحد القہر

کلام علیہا فان ویبقی مجددا رب

ذوالجلال واکرام

صدور انیسیت و زمان انیسیت پنج مار انیسیت ہا یاں انیسیت

کس دن سے کہا جائے۔ کس قلم سے لکھا جائے۔ کس عنوان سے بیان کیا جائے۔ کس
”ہے۔ پھر اے اے۔ پھر اے اے۔ ہمارا دوسرا بلا و اجڑ گیا۔ ہمارا دماغ و کنج بڑ گیا۔

ہماری زندگی کی دھوپ ڈھل گئی۔ ہماری جوانی کی چاندنی بڑھاپے کے اندھیرے سے بدل گئی
ہمارے بھوتان بے خزاں کی ماہر باقی رہی۔ ہمارے حسن و جمال کی سنوار جاتی رہی۔ کوئی جھلجھل
اندھیرے میں لٹکتا ہے۔ ہم شہزادہ اوجاے میں لٹ گئے۔ کوئی بیاری یا بلایا قوط و طاعون و
زلزلہ سے پھنسا ہے۔ ہم عین خوشحالی و بے فکر صحت و توانائی میں دتہ و مغافات سے
پرٹ گئے۔

ہمارا تخت و اسریر بے سر ہو گیا۔ ہمارا سر بے تخت و اسریر ہو گیا۔ ہماری خوشی مر گئی۔
ہمارا چین چھین گیا۔ ہمارا آرام گزر گیا۔ ہم زندہ تو ہیں مگر مردوں سے بدتر۔ ہم حرکت تو کر رہے
ہیں مگر حرکت بوجی۔ ہم دیکھتے تو ہیں مگر دکھائی نہیں دیتا۔ ہم سنتے تو ہیں مگر سمجھائی نہیں دیتا۔
ہم رونا چاہتے ہیں مگر آنسو خشک ہو گئے ہیں ہم چیخا چاہتے ہیں مگر کلا بیٹھا جا رہا ہے۔
ہم چلنا چاہتے ہیں مگر زمین قدم پکڑے لیتی ہے۔ ہم بیٹھا چاہتے ہیں مگر دم اکھڑا جا رہا ہے
آخر ہم سر نہجے ہیں کہ کس حال میں ہیں اور ہم پر کیا گزر رہی ہے۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ قدر
ہماری طبیعت کے ساتھ کیا کہی ہے۔

اُٹ اُٹ آہ آہ آہ آہ۔ قلم طاقت نہیں کر رہا ان کھولے۔ زبان میں
یار انہیں کہ بیان کرے۔ بیان میں صفائی نہیں کہ بات سمجھائے۔ بات خود ایسی نہیں کہ
سمجھ میں آئے۔

عقل اگرچہ ذرا کم ہے مگر اس وقت غیر مدد کم ہو گئی۔ اور اک اگرچہ موجود ہے مگر اسکا
ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ مکان بنتے ہیں مگر دل کو یقین نہیں آتا۔ دل ٹھکانے کہاں ہو جو سنتا اور سمجھتا
دماغ قفل ہو گئے۔ اعضا نفل ہو گئے۔ سر پکڑ گیا۔ دل گھبرا گیا۔ بدن کانپ رہا ہے۔ زواں و لیں
زر رہا ہے۔ ہاتھ پاؤں میں سنسی پڑ گئی۔ بوٹی بوٹی پھٹ پھٹا رہی ہے۔ پہلو میں دل کی سوسی
دھڑک رہی ہے۔ سینہ میں غم کی آگ بھڑک رہی ہے۔ آہ کھینچتے ہیں دھواں نکلتا ہے۔
مونہ کھولتے ہیں شعلہ بلند ہوتے ہیں۔ کام کج مات سے چھوٹ گیا۔ امیدوں کا سہارا ٹوٹ
گیا۔ قسمت بگڑ گئی۔ مقدر پھوٹ گیا۔ ایک دوسرے کا مونہ دیکھتے ہیں اور آنسو کے کھونٹ
پیتے ہیں۔ کچھ نہ بول رہے۔ کچھ نہ نہیں کہتے۔ کہنے والا کچھ کہتا ہی تو سننے والا ہکا بکا رہتا ہے۔

گو تباؤ! صاحبو خدا کیلئے ہو لو! دوکانیں کیوں بند ہو رہی ہیں؟ کچھ بھاری کیوں
برخواست کر رہی ہیں؟ لوگ بدحواس و ہراسیدہ کیوں بھاگے جا رہے ہیں؟ ہر منٹوں پر دروازے
ٹھٹھ کے ٹھٹھ کیوں جتے ہوئے ہیں؟ گاڑی گھوڑے، بچیاں، موٹر، کیوں دوڑ رہی
ہیں؟ شاہی گاڑیاں پرانی تو بلی سے فلک ناک کیوں بھاگ رہی ہیں۔ امرائے ملک شاہزاد
و امیر، نواب میر عثمان علیخان بہادر کو اپنے طبقہ میں لیکر چمکے کیوں دانہ ہوئے
ہیں۔ فقیروں کی باتیں چوہ باروں کی ٹکڑیاں، شاگرد پیشوں کے غول، روتے پلاتے چیتے
چلاتے، خاک اڑاتے، ٹٹے، کہاں جا رہے ہیں؟ ہائے محبوب، ہائے محبوب کے گھر
کیوں بلند ہیں۔ غلائی کی انگوٹھوں سے آشوب کیوں جاری ہیں؟ محلات کی گریہ و زاری کیوں
نہایت کیوں پہنچی ہوئی ہے۔ ایوان شاہی کے دروازے کیوں بند ہو گئے ہیں؟ اور ان دروازوں
پرانبوہ و سانبوہ غلائی کیوں کھڑی سرپیٹ رہی ہے؟

دنیا میں کوئی کسی کے لیے نہیں روتا۔ کوئی کسی کے لیے نہیں پینا۔ کوئی کسی کی ناک میں
کوئی کسی کیلئے گریباں نہیں بھاڑتا۔ کوئی کسی کیلئے مونہ نہیں فوچتا۔ الغرض کوئی کسی کی
دوا نہیں جانتا۔ پس اس قدر ان گنت غلائی کا اپنے اپنے کاروبار بند کر دینا۔ گھر
سے نکل کے ایوان شاہی کے گرد صدمے ہونا۔ روزناموں کا چینا چلانا۔ ٹھوہ ہانا۔ آ
بھڑنا۔ کپڑے بھاڑنا۔ آپ سے باہر ہو جانا بے سبب نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ اون کا سب سے بڑا سرپرست۔ ان کا سب سے بڑا غمخوار۔ اون کا سب سے بڑا
حامی۔ ان کا سب سے بڑا دلی۔ اون کا سب سے بڑا وسیلہ۔ اون کا سب سے بڑا ذریعہ۔
اون کا پائے والا۔ اون کا کھلانے پلانے والا۔ اون کا ناز پہننے والا۔ ان کا دکھ درد
باٹ لینے والا۔ ان کا دلچسپ وادہ۔ اون کا مالک و مولی۔ دنیا سے دلائے دنیا سے
چکا ہے اور یہ سب لوگ اس کی بخششوں اور نوازشوں اور شفقتوں اور عنایتوں سے
ہمیشہ کیلئے محروم و بد نصیب ہو چکے ہیں۔

ہائے ہمارے محبوب! محبوب ترین محبوب! محبوبوں کے محبوب! تو نہیں مرا بھاد
مر گئی۔ شجاعت مر گئی۔ بہمت و وقار مر گئی۔ عزت و دولت مر گئی۔ جاہ و طالع مر گئی۔

نعل پہنے کھانسی لگی کالی لوگوں کیلئے فخر تھی اور اسکا ایک حرف رعایا کیلئے ہنسا دہشت کا مہر یا سزا
آج تو نے اس پر ایسا فتنہ پڑھا ہے کہ سب اس کیلئے دعا کر رہے ہیں۔ کل کل لوگ اس سے ہر بند بھلا
کرتے تھے۔ آج تو نے اسے ایسا بڑھا کر ڈھک ڈھک اس کے جنازے پر پھیل چڑھا ہے کہ کل کل کی لبت
نہی کہ کسی کو مارا بھی تو ایسا کہ ہرگز نہیں کہلا اور آج تو نے اس کو ایسا مارا ہے کہ اب کسی کو کچھ
نہیں کہلا سکتا نہ کوئی اسکو کچھ کہلا سکتا ہے۔

موت اپنے خرم موت اپنے حیا موت اپنے رزم خرم ہے فیض غم ہے اس لیے سرخ شہ پر غم کو مارنے وقت تو
اور آج ازل کھوں غیروں کی آدھ شمشیر سے بھی نہ ہوی بھلا اس نے بعد کی دلی اور ہار نہ مارا اور جو کچھ بڑا
موت اور سزا عالم بیت اس لیے خرم محبوب بادشاہ کی جان کے عوض تو ہم یہ لیک دو نہیں دینا پس
بنا پڑا تو یہی نہ ہے لے لیتی تو بہت تک نہ کرتے بلکہ ہر تر افکار سمجھتے یہ ہم تجھ پر طرکی شوت دیتے ہم تجھ فرماتے
سمجھاتے تو تیری بھیٹ چڑھاتے کیلئے دنیا کی ہر چیز ہیرا کرتے مگر اسنوں تجھ پر ہم نہ آتا تھا نہ آتا اور
جو کچھ گزند آتا تھا کر گند رہی۔

اب ہمارا محبوب بادشاہ ہم پر روٹھ گیا کیونکہ ہم نے جھٹلے جی اسکی کچھ قدر نہ کی اسکی دی ہوئی نعمتوں کا
تو نے نہیں سمجھا اسکی عطا کی ہوئی نعمتوں کو نہ سمجھا اسکی برکتوں کو نہ سمجھا اسکی برکتوں کو دل میں جگہ نہیں
تو کر چاہا یہ نہ سمجھتا۔ تیرے گزشتہ کالیہ کو سایہ ہمارا سمجھا۔ اب ہم کو اسکی برکتیں اسکی نعمتیں اسکی برکتیں عطا
کی۔ تو آج تو یہ روٹھ گیا کیونکہ ہم نے جھٹلے جی اسکی کچھ قدر نہ کی اسکی دی ہوئی نعمتوں کا

تو نے نہ سمجھا۔ ہمارا محبوب ہمارے عزیزوں کا محبوب ہم سے روٹھ گیا اور ایسا روٹھا کہ اسکا شہ نہ زنگی ایک بیک
لوٹ گیا۔ اگر وہ دیا۔ رہتا۔ اگر اسکی عطا کیے کا سلسلہ دراز لیتا تھا۔ اگر اس کا علاج کچھ دن تک جاری رہتا تو
روایتینا ہمارا اسکو ہم اور ہماری دلی دعا میں یقیناً نہ مرنے دیتے۔ مگر قدرت کو شہ نہ لکھتا تھا اور نہ لکھتا
کی دشمنی میں اس کا سایہ روٹھا کہ زنجیر عطا اور تھا۔ اسے

دیکھتے ہی دیکھتے اندھیر کیسا چھل گیا

انصاف فیض و رحمت یک بیک گھٹا گیا
ہمارا محبوب بادشاہ ہم سے روٹھ گیا۔ اور ہمارے ماتوں سے اسکی برکتوں کا سلسلہ چھوٹ
گیا۔ محبوب کا کام اگر چہ روٹھنا ہے مگر ہمارا محبوب کبھی ہم سے نہ روٹھا تھا مگر روٹھا ہے تو
اس شان سے کہ نوازش و عتاب کی ہر کاب ہوتی تھی اور ہر بانی تکلیف کی ہر دلیف نہ ہوتی تھی۔

آج وہ بے بسار و بے گناہ ہے کہ کسی کے منہ میں نیگا۔ اور کسی کے منہ میں نیگا۔
 بدبختی قریب ہو۔ بیکسی ہمارا ساتھ دے۔ مصیبت ہمارا مات
 پکڑ۔ اب تم ہی ہماری دوساز و ہمران ہو۔ اب تم ہی ہماری شفیق و رفیق ہو۔ اب تم ہمارے
 ہم میں۔ تم ہی اور ہمارا خدا ہے۔ وہی ہم سب کا والی اور وہی ہمارا مولیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ
 تابعی میں سے نقطہ اوپر

نوحہ تعزیت

کیا قیامت ہے کہ ٹوٹا بچھ پھرم کا آسماں
 دم کل آتا ہے ہونٹوں پر بیان ایسا بیان
 جس طرف دیکھو دھر غم کا سماں غم کا سماں
 جو سوید اکافشاں ہے وہ ہو تاں کاشاں
 تیرے پہلے حرف سو ہے درد کا بلاں کاشاں
 انتہا ہر چیز کی ہے انتہا اس کی کہلاں
 غم نے سمجھ ایسی خبر لی کہ سب میں نہ جلاں
 یاس کا نقشہ کہنی ہے جس طرف دیکھو داں
 شور مچ رہے سوا شور عرا شور فشاں
 غم کی منزل غم کا مسکن غم کا گھر غم کا دکان
 روزہ داروں کیلئے دن رات دھواں کاشاں
 سب کے سر پر لپی ہو غم کی تیغ خونخشاں
 خضر سے رخصت نہ ہو جائے جیاں کاشاں
 اضطرابی آہ وزاری۔ گریہ بیتابی فشاں
 آسماں ہے آسماں ہے آسماں ہے آسماں
 شانِ رفعت شانِ عظمت میں ہو کاشاں

اسے دکن تیرے مقدر میں یہ ماتم الامال
 مونہ کو آتا ہے کلیجا غم کا کلیاں اطمینان ہو
 کچھنگلی میں غم کی قدویریں در و دیوار پر
 اس ملال یا نگرا سے دل ہے عالم کلاہ
 اسے دکن کیونکر شے تیرے مقدر کا ہو
 غم کی کوئی حد نہیں غم کا نہیں کوئی حساب
 صبر رخصت ہو چکا اب جا کے خوش ہو
 مرونی چھائی ہوئی افسردگی چھائی ہوئی
 عرصہ ہنگامہ محشر دکن کی ہے زمین
 گوشہ گوشہ شہر کا ہے چہ چہ شہر کا
 اشک خویش پی رہے ہیں کھارے میں غم
 نقشہ ماہ عزائے نقشہ ماہ صباں
 غم کے مارے مر رہے ہیں جینے والے مارے
 ہر طرف سامان غم ہے ہر طرف لباب غم
 کون وجہ برہمی ہے کون وجہ انقلاب
 قصر شاہی وہ جو عالم میں ہو نہاں فلک

رنگ بولا کچھ مزاج شاہ نے اس قہر میں
 تھا مبارک نامبارک ہو گیا وہ عالم
 ہو جس کا عشر کا نمونہ ہو گیا۔
 سرائے خلل نہ عالم کے سر سے اٹھ گیا
 ہو گئیں قربانی روضیں عالم اور عالم کی
 ہو گئی ملک عدم میں شاد ہے روح جو
 تا بہ شرح غم نہ انبار نام کا جیسے
 نقش نہ انھی اوصاف تھا ادھر عشر کا شو
 شوز عشر ہے بیاہنگا مہ ہے کہ دم کا
 کہ مسجد کا ہے کعبہ شاہ آصف کا وجود
 رچ میت امر کا نقشہ دکن میں کئی گیس
 جلوہ گر ورنہ میں میں کس بادشاہی تھا
 انجن ہے انجن آرا کا سایہ آٹھ گیس
 یہ دے نالہ عالم کی ہے پیہم صد
 جان عالم ذات حق رونق انصاف کے
 غیرت بارغ جہاں حق رونق ملک دکن
 آں توجہ شکست و آں مانی نامدار و
 آصف رئیس الہاں ہی نہیں زیب سر
 انتخاب سلطنت پر چھ گیا ایزد وال
 خاتمہ اخلاق کا اور خوبیوں کا ہو چکا
 اب سخن کی بھی نہیں پر غم کا ٹوٹا بولک
 نو غم فکر سخن کی طرح ہر شاعر ہے آج
 نظم کی ہر بیت بھی میت اخزن سے کم

کیا قیامت ہے کہ ٹوٹا آسمان پر آسمان
 روز سہ شنبہ ہی کیا سنوس دن تھا انا
 سب کی آنکھوں میں کھنچا پرور قیامت کا
 اب کہنا آرام و راحت اب کہاں آں
 عالم اور داج میں آصف ہوسے جب جگر
 ورنہ وہ مطلق عدم تھا اسکی ہستی تھی کہاں
 پناہ ہے سینہ قلم کا گھر ہے سوز زبان
 بگیا عورت قیامت خلق کا شور فغان
 نقش کیا کلی کہ جہاں ہے کی کلہاں
 شگ برقد سے عیاں ہو رہا ہے سو کا
 عجب لہو نہ تر شہ صدق و عفا سے ہے جہاں
 ماہ آفتن چرخ رخت ہے خاک ہر زمان
 آغاں اندھیرہ گل ہے چراغ گلشن
 ہو گیا جو سفت بد اب رہ گیا ہے کارواں
 بات بھی مانی ہوئی ہے جہاں ہو تو جہاں
 باغیاں کے دم قدم سے تھی بارگشتاں
 سو کا عالم ہے دکن کے میکے میں آں
 نجات میں کیونکہ ہو گئی تافت کی ریاں
 خاک میں ہے ماہ تابندہ حکومت کا تھاں
 وہ مجسم خلق کی تصویر ہوسے ہی نہاں
 اس زمیں پر تھا بہت دھواں و دھواں آسمان
 اشک چشم تر کی صورت پر طبیعت بھی ہوا
 گل ہوا صد حیف اس گھر کا چراغ گلشن

دم قدم سے شاہ آصف کے بعض شاہنشاہوں
تھا سخن گوئی سخن سنجی کا شہر بہت
شاہ آصف جاہ کا ماتم وہ عالم گیر ہے
ہے غم خوب میں مالاں رعیت اس طرح
جان نثار شاہ ارکین ریاست شاہ کے
ماتم شہ میں وزیر شہ بہت ناشاد ہیں
شاہ کے ماتم میں خیر الملک بھی ہیں
دیدہ تر سے کبھی دستی جدا ہوتی نہیں
کوئی الی کے جہ میں صدر الصدور کا
فوج غم کی عرصہ دل میں نہیں استاد ہیں
مضطرب آشفہ حال السردہ خاطر ہیں
رو رہے ہیں ابر باران کی طرح سالار جنگ
شہ کے غم میں جو ماتم فوج کے صدر الصدور
ختم کیے۔ نور خزانہ کی گنجائش خزانہ
غم کی وہ کالی گھٹائیں وہ کوئی گنجائش
شخص ملک دکن نے وی توڑیاں فرزا
جنہا رقص طرب افزا ہے دہ رآسمان

باقی آئندہ

شاہ محبوب طاعون

(۴)

تیرہ ماہ سال ہوئے ہیں کہ ہندوستان کے کم و بیش تمام اقطار میں طاعون
اپنی تباہی آور اور بربادی بخش مصیبتیں پھیلانے ہوئے ہے اس عرصہ وراثت میں اس

منحوس بیماری نے لاکھوں جانوں کا صفایا کر دیا۔ ہزار ہا گھروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی
سیکڑوں آبادیوں کو ویران و بے چراغ کر دیا۔ کڑوڑوں کے کاروبار پر اپنی بھیر دیا
اور مصیبت پریشانی، خوف و ہراس، غم و غم، بیکسئی، بربادی، بیدردی، کس مہر سی کی بھائی
گھر گھر پھیلا دیں۔ لطف یہ کہ ہر بیماری کا کچھ نہ کچھ علاج ہے۔ لیکن اس کا دوا
لیکن اس زہریلے سانپ کے کاٹے کا فتنہ ہی نہیں اس کا دوا ہو کسی چارہ سازی سے
ہی نہیں۔ اس کا چھوٹا ہوا پھر بڑھتا ہی نہیں۔

برٹش انڈیا کے اصلاح سے ہوتا ہوا یہ مرض لا علاج، اقطاع و کن میں بھی آپہونچا۔
اورنگ آباد پر یعنی - گلبرگ - راجپور وغیرہ میں بہت زور شور سے پھیلا اور آبادیوں
کا اس کر دیا۔ مگر غرض رمضان ۱۲۸۰ء تک حیدر آباد میں قدم نہ دھر سکا۔
کہا جاتا ہے کہ یہ قہر خدا بحر الکمال کے ایک جزیرہ "سنگاپور" سے جو چین کے قریب
قریب ہے جہاز میں سوار ہو گئے ہندوستان کے دروازہ کوئی ہیں داخل ہوا اور وہاں سے
گھر (منہ) کے گوشہ گوشہ میں پہنچ گیا۔

ایسی سرزمین الہیہ اور بجاں گشت بلا ہزاروں میل کاٹی سمندروں کو چھاندتی
جنگلوں کو طے کرتی ہوئی ہندوستان پہنچ جائے۔ اور برسوں حیدر آباد کے ارد گرد منڈلاتی
رہے پھر بھی حیدر آباد میں داخل نہ ہو سکے۔ قویہ بات کراہت سے کم نہیں۔
یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں طاعون کے آنے کے ابتدائی زمانہ میں اگر لاکھ
ناغہ وقت سر دقت طبابت نہ کر کا عالی نے جیسی سے اس کے جراثیم اکٹھے کر کے لاکھ امتحان کیا تھا
کہ وہ حیدر آباد میں زندہ رہے اور پلٹے بڑھتے ہیں یا نہیں امتحان کے بعد معلوم ہوا تھا کہ
حیدر آباد کی آب و ہوا جراثیم طاعون کی قاتل ہے اور یہاں یہ مرض نشوونما نہیں پاسکتا
پہلی رمضان ۱۲۸۰ء کو شاہ محبوب کی طبیعت ناساز ہوئی اور کس قدر حیرت کی جگہ
ہے کہ اُس تاریخ سے نام ہی حیدر آباد میں اس مرض سے تین چار آدمی مار ہوئے۔ مہ رمضان
کو شاہ محبوب کا وصال ہوا۔ اور اُس وقت سے بیماری نے اپنی پیٹنگ بڑھائی اور شدہ
اتنی پھیل گئی کہ روزانہ تین سو کے قریب اموات کی تعداد پہنچ گئی۔ حیدر آباد داخل ہو گیا

گرد و نواح کے جنگل بہار آباد ہو گئے۔ شہر میں سناٹا چھا گیا۔ ماں کو بیٹی کی خبر نہیں۔ بیٹی کو ماں کا حال معلوم نہیں۔ اپنے بیکانے ہو گئے۔ اور بیکانے بعض بعض وقت اپنوں سے بڑھکر کام آئے۔ عزیز قریب اور رشتہ دار اپنے بہار عزیزوں کو چھوڑ چھوڑ کے بھاگ نکلے۔ نفسی نفسی کا بازار گرم ہو گیا۔ کس مہر سی اور بد روی کی بدلی چھا گئی۔ اسوات کو بمشکل غل و گفن نصیب ہوا۔ اور جنازہ کے ساتھ بعض وقت ایک بھی آدمی نہ دکھائی دیا۔ بلکہ فشنوں کو کھاڑیوں میں ڈال ڈال کر کھانے دیا گیا۔ آخر قیامت صغریٰ کا نوہ پین نظر ہو گیا۔

شہر میں جیسے مرنے ہی خلق خدا کے اس نصبت میں پھنسنے سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ خدا نے اپنے محبوب و برگزیدہ بندہ کی خاطر اس کی زندگی بھر اوسکی رعایا کو اس بلا سے محفوظ رکھا تھا جب وہ خود وراثت گزر گیا تو اب اوسکی رعایا پر جو کچھ نہ گزر سکا وہ گزر گیا اور میر

المحبوب

ریاست

انگلحضرت غفران ہکاں نواب میر محبوب لیخان طالب ثراہ و فی الجنتہ مشواہ۔ کی سوانح عمری قلمبند کرنا۔ صرف اس حیثیت سے ہی مجھ پر فرض نہیں ہے۔ کہ میں ریاست ابد مدت حیدر آباد کا ایک ادنیٰ انکوار ہوں اور اسی ریاست کی سر زمین (اوزنگ آباد) پر پیدا ہوا۔ اسی ریاست کے آب و وراثت پلاڑیا۔ اسی ریاست کے خراج سے تعمیر پائی۔ یہیں کی آب و ہوا میں ہرگز اس قابل ہوا کہ اپنے ٹوٹے پھوٹے خیالات کو ان کے ملک پر ظاہر کر سکوں۔ بلکہ میرے آبا و اجداد بھی اسی ریاست کے ساپہ عسافت میں پناہ گزیں تھے اور ان کی شہنشاہت اسی ریاست کے امن و مدت میں کٹی ہیں۔

اتنے گراں بہا اسانات کی یادیں اگر خیر سے اتنا بھی نہ ہو سکے۔ کہ اپنے محبوب

خلائق بادشاہ کی محبوب الم زندگی کے محبوب ترین حالات کو گنبد کردن اور باد و دریا
 اہل قلم وادیر سالہ ہونے کے مجھ سے آٹھ برس پہلے کہ اساتذہ و اہل کون کے ہوتے
 و محسن کے کا زمانہ سنا سکوں تو مجھ سے زیادہ بر نصیب و کوئے عمل کون ہو سکتا ہے
 شاہ محبوب کی زندگی تک۔ اُس کی ایک ایک اور اتنی پیاری اور دل بھانے
 والی تھی کہ اُس کے اشارہ اور پر عالم کا دل سمٹ جاتا تھا اُس کی گردش چشم پر بندلی
 کبھی آتی تھی۔ اُس کی نشست و برخاست پر دنیا تہ و بالا ہوتی تھی اُس کی باتیں مصری کی
 ڈلیاں بھی جاتی تھیں۔ اُس کے شعر و غزل پر نقشبند جاتے تھے اُس کے اننا طو دل میں زبانا
 تھے۔ اس کی حرکتیں، مرحمت ایزدی کامرا و تن سمجھی جاتی تھیں۔ اس کے ماند زہو کے
 حالات سننے کو کان ٹپتے رہتے تھے اُس کا جلال جہاں آرا دیکھنے کو آنکھیں ترستی رہتی
 تھیں۔ اُس کے احکام سیاست و پالیسی کی جان مسعود ہوتے تھے۔ اور اس کے
 ارشاد و جان افغان و نورایان خیال کیے جاتے تھے وہ سائے خدا تھا اور طلاق کو
 آہ خدا سمجھتی تھی۔ الغرض وہ اتنا پیارا۔ اتنا مرغوب، اور اتنا محبوب تھا۔ کہ اپنے
 زمانہ کا محبوب خدا تھا۔ ایسے محبوب بادشاہ کے جدا ہونے کا فانی اس قابل تھا
 کہ موجودہ نسل اپنی حرکت کو اس کے غم میں نہ دیکھا۔ و دل اندر وہ رہتی۔ مگر انسان کی
 قابل انبوس خفایت شعاری کا براہو کہ ابھی شاہ محبوب کو ہم سے جدا ہوئے پورا
 برس بھی نہیں گزرا ہے کہ ہم اسے بھلا بیٹھے ہیں۔ اور روز بروز زیادہ بھلاستے
 جلتے ہیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کو بھی یہ فکر نہیں پائی جاتی کہ لڑ
 ایسا مواد پیدا کر دے جس سے شاہ محبوب کی یاد تازہ رہے۔
 سنا جاتا ہے کہ "مقدور ہشتے بعد رفیق" مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقدر بھی نہیں
 ہے ورنہ ہم کم از کم شاہ محبوب کی یاد تازہ رکھنے کی ضرورت کو سن کر۔ اور اگر حال تک
 ستم نہ کی یاد کار برستی کو رہنا بنائے کوئی فن یا عمارت یا بت یا اور کوئی یاد گار قائم
 نہ کرتے تو نہ کرتے۔ اتنا تو مونا کہ مالک مشرقیہ کی طرح ہی اُس کو بھلا دیکھنے کا
 کوئی نہ کوئی ذریعہ تلاش کرتے۔

کہتے انھوں کی بات ہے کہ آج شاہ محبوب کو ہم سے واپسی لانا ہمارا وقت آنا
کیسے پورے آٹھ بیٹے گزر گئے ہیں۔ مگر اب تک کسی کو آنا بھی خیال نہ آیا کہ بقدر امکان
اُس کی سونخ عمری ہی صرب کرتا۔ اور اُس کے سیاسی، اخلاقی، اور شاہانہ کارناموں
کو دہتر در زمانہ ہمہ محفوظ رکھنے میں نہای ہوتا۔

باوصف اس کے کہ ملک میں اہل قلم کی کمی نہیں ہے اور شاہ محبوب کی عام علمی ہمتی
ومعارف پروری نے گھر کے علاوہ باہر کے اہل قلم و اربابِ رقم کو بھی وابستہ و زودست
بنار کھا تھا تاہم کسی نے اوس کے حالات شائع کرنے کی طرف اعتنائی نہ کی۔ اور یہ
گراں مایہ فخر اس خاکسار بے مقدار کی ہی قسمت میں آیا ہے۔ **باب** بریں فخر کجائشِ مذہب
المحبوب کو لکھنے والے کے فرائض اس سے زیادہ نہیں ہیں کہ شاہ محبوب
کے حالات زندگی کے پہلے اُن کے بزرگ و واجب التعظیم اسلاف کے حالات بطور
اجمالی سناوے جائیں اور اختصار کے حدود سے آگے نہ بڑھا جائے۔ مگر میں اس حد
سے عداوتجاوز کرتا ہوں۔ اور گزشتہ فرماز و ایمان سلسلہ آصفیہ کے حالات تا بعد
اسکان تفصیل سے لکھتا ہوں میں ان حالات کے ضمن میں موجودہ نسل کو یہ دکھانا
کی کوشش کروں گا کہ گزشتہ صدیوں میں ملک میں کیا کیا انقلاب واقع ہوئے پہلے
وہ کس حالت میں تھا زمانہ کے ساتھ ساتھ کیا کیا تغیرات ہوئے گئے اور اب
وہ کس حالت میں ہے۔ اُس کی تمدنی اقتصادِ سیاسی حالت پہلے کیا تھی
اب کیا ہے۔ صنعت و حرفت کے بازار کا پہلے کیا رنگ تھا۔ اب کیا ہے تعلیم
و مسکن کا چرچا پہلے کیا تھا۔ اب کیا ہے۔ اخلاق و دینداری کا پاس و لحاظ
پہلے کس درجہ تھا۔ اب کس قدر ہے۔ گزشتہ فرماز و اوں نے اپنے زمانہ میں
کیا کیا کام کیسے۔ کن کن سے لڑے۔ کن کن سے ملے۔ اور ملک کے خط و اکام
کی بابت کیا کیا تدبیر عمل میں لائے۔ مختصر یہ کہ میں ان تمام باتوں کو تفصیل و ا
بیان کرنے سے یہ مقصد رکھتا ہوں کہ ملک والوں کو ملک و مالک کے حالات
سے باخبر بناؤں اور اپنی دہاکے مطابق ملکی تاریخ لکھ کر اپنے فرض سربکدوشی

اس مقصد میں کامیاب ہونے کے لیے جو اصحاب میراثات بنائیں گے۔ صرف
مجھے کو ان کا ممنون احسان نہ ہونا چاہیے بلکہ ملک اور وجودہ نسل کو بھی
ان کا شکر یہ ادا کرنا چاہیے نقطہ خاکسار محمد البر علی

المحبوب

سلسلہ آصفیہ
خواجہ عابد خاں

(۴)

اعلیٰ حضرت نواب میر محبوب سیال خان غفران مکاں کی پانچ پشتوں میں ممالک محروسہ و کن
کی فرانفرمالی علی آر سی ہے۔ اس کے قبل دو پشتوں میں امارت مغلیہ کا ستارہ چمکا رہا ہے
اور اس کے پہلے کی پشتیں نورانی میں اپنے علم و فضل اور روحانیت کا سکہ چلاتی تھیں
یہی وجہ ہے کہ حضرت غفران مکاں میں خصوصیات شاہانہ کے علاوہ علم و فضل اور روحانیت
کے اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے جن کا ذکر اپنے موقع پر کیا جائیگا۔

خاندان آصفیہ کا وہ میر و۔ جس نے سب سے پہلے سر زمین ہند پر قدم رکھا۔
خواجہ عابد خاں ہے۔ یہ بزرگ سلسلہ میں ستر قدیم پیدا ہوئے ان کے والد ماجد
حضرت خواجہ سیخ عالم جن کا سلسلہ نسب حضرت شیخ شہاب الدین ہمدانی سے
ہوتا ہوا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پہنچتا ہے۔ اپنے زمانہ کے بہت بڑے
عالم اور صاحب سلسلہ تھے۔ آپ کے علم و فضل کی یہ کیفیت تھی کہ شاہ نوران کے
دربار سے ”اعلم العلماء کا خطاب عطا ہوا تھا۔ اور حضرت خواجہ بہار الدین نقشبندی سے
سلسلہ بیعت ملا تھا۔

رسالہ عوارف اور مرثعہ النصایح اور اعلام القوی وغیرہ آپ
کی تصنیفیں ہیں۔

خواجه عابد خاں آپ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے جو فارغ التحصیل ہونے کے بعد شہر بخارا سے وار و دہلی ہوئے اور وقت ہندوستان میں شاہجہاں کا دور دورہ تھا۔ اور سلطنت مغلیہ کی ترقی کا آئینہ نصف النہار پر چوڑھا ہوا تھا۔ دنیا کے ہر گوشے سے اہل علم و فضل وار باسید فن و ہنر دہلی میں کچھ آتے تھے۔ غالباً یہی کشش خواجہ عابد خاں کو بھی ہندوستان پہنچ لائی۔

معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ عابد خاں نہ صرف ایک شایع نواز اور فارغ التحصیل مولوی ہی تھے۔ بلکہ فن سپہ گری و جنگ آزمائی میں بھی یدِ طولی رکھتے تھے۔ کیونکہ اوس زمانہ میں دربارِ مغلیہ سے وہی لوگ امارت کے منصب پر آتے تھے جو صاحبِ سیف ہونے کے علاوہ علم کے بھی وطنی ہوتے تھے۔ اور عقلِ تدبیر کے ساتھ ساتھ تبحرِ شجاعت و مردانگی کا جوہر بھی رکھتے تھے۔ خواجہ عابد خاں کی اس جامعیت نے اُن کو بہت جلد دربارِ شاہی میں چوڑھا دیا۔ اور پہلے ہی باریابی میں چھ ہزار روپیہ نقد اور خلعت پارچہ سے سرفراز و ممتاز فرمائے گئے۔

حکومتِ مغلیہ کی کامیابی کا راز یہی تھا کہ وہ علم و ہنر کی بہت بُری قدر ہوتی تھی۔ اور وہی لوگ امرا اور گورنر بنائے جاتے تھے۔ جو خود بھی صاحبِ عقل و کمال ہوتے تھے۔ اور صاحبِ انجمنِ کمال کی قدر بھی کرتے تھے۔ البتہ لیکن جو شاہِ بیکہ از زمانہ سکندر و تانکا واقعہ یہی کمالِ عالموں شاہِ عروں، مورخوں، صناعتوں نیز قابلِ سپاہیوں سے معمور ہوتا رہا۔ ویسے بالکمالوں کو اب زمانہ مشکل سے نفع کر سیکتا رہی وجہ تھی کہ ایک طرف تو کشوری کا ڈنکا بج رہا تھا۔ دوسری طرف علمی فتوحات کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ آج کل کی کامیابیوں میں اس زمانہ کو ابھی طرح یاد آگئی ہیں۔ اور علم و فن کی تدریسی کامیابیوں کے دولت و سلطنت کا سب سے ضروری جزو سمجھتی ہیں۔ سلطنت

علاوہ افرادِ رعیت میں بھی اس قدر دانی کا اتنا شوق پیدا ہو گیا ہے کہ
آج ایک ایک اخبارِ غبارہ بازی کے لیے لاکھوں روپیے کا انعام شہر
کرتا ہے۔ !

جن سلطنتوں یا قوموں میں علم و فن کی قدر دانی کا شوق نہ پایا جا سکا
ان کی نسبت زمانہ کی پیشین گوئی یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے آخری دن
گزار رہی ہیں۔

خواجہ عابد خاں متوسل دربارِ شاہی ہونے کے بعد شاہزادہ
اورنگ زیب کے رکاب میں تھیں کیے گئے۔ اس خدمت کو چند دن تک
انجام دینے کے بعد آپ کو حرمین شریفین کی زیارت کا شوق پیدا ہوا۔
وہاں سے واپس لوٹے تو شاہزادہ اورنگ زیب کو زیب دہ اورنگ
پایا۔ شاہنشاہ نے اپنے اتالیق کے علم و فضل و تقویٰ کی یہ قدر دانی
کی کہ صدر الصدور کے عہدہ جلیلہ پر مامور فرمایا اور ہندوستان کا
شیخ الاسلام بنا دیا۔

چند دن کے بعد شاہنشاہ کو جو ہمیشہ مردم کار کا جو یا رہتا تھا۔
ابھی مذہبی خدمات کے سچے پوٹیکل خدمات کی ضرورت لاحق ہوئی
اور پہلے پہل صوبہ اجمیر کی گورنری عطا کی اور بعد ازاں ملتان اور بید
کی صوبہ داری پر مقرر فرمایا۔

ان عظیم الشان ذمہ داریوں کے عوض خواجہ صاحب کو خطاب
فتح خاں اور منصب پنجہزاری اور خلعت و نقارہ بھی عطا ہوا۔ اس
زمانہ کے قواعد و قوانین ایسے جامع اور سہل العمل نہ تھے۔ جیسے آج کے
ہیں نہ اس زمانہ کے تمدنی و سیاسی حالات ایسے تھے جیسے ہمارے زمانہ کے
ہیں اسوقت نہ ریل تھی نہ تار نہ ٹیہ۔ نہ رعایا باصنا بطہ تھی نہ مختلف شہر
میں ایسا امتیاز تھا کہ ہر ایک کے فرائض علیحدہ علیحدہ ہوں۔ اور

ہر سرشتہ کا انفسر اعلیٰ جدا جدا مقرر ہوتا ہو۔ وقتاً فوقتاً بنیاوتیں پیدا ہوتی رہتی تھیں۔ چوروں لٹیروں کا بازار گرم رہا کرتا تھا۔ انتظامی قوت کو اپنے رقبہ حکومت پر آسانی سے حکومت کرنے اور اقتدار قائم رکھنے میں بڑی بڑی دشواریاں پیش آتی تھیں۔ اس لیے صدر الرصد و سکیک کی بہ نسبت ان بڑے بڑے منصوبوں کی گورنری کو بہت نازک اور متہم لگنا سمجھنا پڑتا۔ یقیناً خواجہ عابد خاں میں حکومت کی قابلیت بدتر ہے اتھم موجود تھی اسی لیے اس قدر جلد جلد مختلف صوبہ جات کو انکی خدمت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ان کی اسی سیاسی قابلیت کا نتیجہ ہے کہ انکی قابل تنظیم اور لادائیسی مدد و تقطع نکلی کہ آج تک ہندوستان کے چھوٹے آدھے حصے کی مالک ہوئے۔

شاہنشاہ میں شاہنشاہ اور انکس زریب نے قلعہ کو لکھنؤ کا محاذ قرار دیا اور خواجہ عابد خاں کو بھی سرک جرنل رکھا۔ اس گہ و دار میں خواجہ عابد خاں نے شاہنشاہ کو جو رک (ایک ششم کی چھوٹی سی توپ) کا گولہ آنگا جس کے صدر سے سیدھا راستہ شاہنشاہ سے جدا ہو گیا۔

آج کل کا کوئی فوجی رہا قاعدہ جنگی تعلیم یافتہ جنرل ہوتا۔ تو یہ معلوم اس صدر سے اس کی کیا گت بنتی۔ لیکن یہ خواجہ عابد خاں کا ہی دل بکڑ تھا کہ وہ اسی حالت میں کمال بہت دیر لگی سے گھوڑے پر سوار ہو کر کیمپ میں تشریف لائے شاہنشاہ کو خبر ہوئی۔ توجہ الملک اسد خاں کو فوج پکڑ کے لیے روانہ کیا۔

اُس زمانہ میں عمل جرنلی میں اتنی ترقی نہ ہوئی تھی کہ آپریشن کرتے وقت گاؤں فارم سو گھایا جاتا۔ یا سمرنیم کے عمل سے پہوش کیا جاتا۔ یورپ کے زمانہ کی گونہایت غریزہ رکھنے والے بہادر اس واقعہ کو سنکر شاہنشاہ بہت حیران ہونگے۔ کہ خواجہ عابد خاں ایک طرف باتیں کرتے ہوئے

بائیں ہاتھ سے قبوہ چلی رہے ہیں۔ اور دوسری طرف سر جن بیٹھا ہوا
اُن کے شانہ کا گوشت گرید رہا ہے۔ اور زخم سے ٹوٹی ہوئی ہڈی کی کھوپڑیا
ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکال رہا ہے۔ مگر خواجہ عابد حاس ہیں کہ خبر تک
نہیں ہوتے۔ اور تیور پر بل تک نہیں ڈالتے۔

انوس ہے کہ یہ زخم خواجہ صاحب کو ایسا کھرا اور ہلکا لگتا کہ اُن
کے صدمہ سے جان نہ ہو سکے۔ اور تین دن کے بعد۔ ابھی جنت ہو گئے۔
قلعہ گولکنڈہ کے نواح میں فلیج خاں کے در قہم کے نام سے آپ کا
مدفن واقع ہے۔ چونکہ آپ کی اواد و تیرہ سطنہ قلعہ تھانہ کی جانشین
ہونے والی تھی اسلئے گویا آپ نے اُسی سلطنت کے پاس تخت میں قیامت
تک قیام کرنا مناسب خیال فرمایا۔

میر شہاب الدین خاں

غازی الدین خاں بہادر، ماہر و جنگ،
فرزند ارجمند بے ریورنگ، قلی خان

خواجہ عبد خاں المخاطب پتلیج خاں بہادر کو دو صاحبزادے تھے۔ میر شہاب الدین خاں
میر حامد خاں۔ فرزند آخر الذکر میر حامد خاں کی نسبت زیادہ حالات نہیں دریافت
ہوئے۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ عہد عالمگیری کے ایک جنرل تھے اور شاہزادہ
محمد اکبر بن عالمگیری نے جب باپ سے بغاوت کی ہے۔ تو میر حامد خاں شاہزادہ
باغی کے اعوان و انصار میں سے تھے۔

البتہ میر شہاب الدین خاں نہایت بلند اقبال و ذی سطوت بیٹے ثابت
ہوئے۔ اور اپنی تدبیر ملی و قابلیت فاتحانہ سے ترقی کرتے کرتے امارت کے اعلیٰ
ذینے لے کر گئے۔ اور علاوہ مختلف صوبوں کے گورنر ہونے کے نعل ایسا رکھنا نہایت
سہ سالار و عظم بنائے گئے۔ اور اسکے ساتھ ساتھ ایسے ذی عزم و عظیم الشان بیٹے
کے باپ بنے جس نے ایک جداگانہ سرکار قائم کر لی۔ اور مملکت اصفیہ کا بانی
اور پہلا فرمانروا ہونے کی حیثیت سے ان کو ایسی تاجپوشی لازم وال شہرت دیدی کہ
آج ہم ان کو سوانح زندگی قلمبند کر رہے ہیں۔

ابتدائی حالات | میر شہاب الدین خاں ولایت زراہیں۔ ٹوٹا
میں اون کی ولادت واقع ہوئی۔ اور وہیں نشوونما پائی۔ اس لیے ان
کی تعلیم و تربیت اور اخلاق و عادات پر ہندوستانی آب و ہوا کا
اثر نہ ٹپسکا۔

دربار شاہی کی باریابی | سن شعور کے بعد شاہ
میں وہ دربارہ السہری میں باریاب ہوئے۔ اور نذرانہ میں شاہنشاہ
کو ایک مینا کا سر پہر گزرائی جس کا مطلب یہ سمجھنا چاہیے کہ اگر شاہنشاہ
اس قدر دی کی سر پرستی فرمائیں گے تو فدی اعدائے دولت کے
جہزوں کے مقابلہ میں سپر کا کام دیگا۔ شاہنشاہ نے اپنے امانتدار
کو نو راز مہ مصداہین میں داخل کر لیا۔

خطاب خانی | آپ کامل ہس سال تک مصداہین کے فرائض انجام
دیتے رہے۔ اس کے بعد ان کی جنگی قابلیت کے کارنامے شروع ہوئے۔ جس کی ابتدا
ہوئی ہوئی کہ شاہنشاہ نے رانائے اودھے پور کی سرکوبی کے
لیے۔ حسن علی خاں کو روانہ کیا۔ خان موصوف کو راجہ کے تعاقب میں
پہاڑوں میں گھسنا پڑا۔ اور دشواری کی وجہ سے تعاقب کی خبریں پانچ تخت کو
نیچے لیئیں۔ خبر سی کا سلسلہ منقطع ہونے سے شاہنشاہ کو تردد ہوا کہ مبادا
حسن علی خاں نے راجہ سے ساز باز کر لیا ہو۔ اس وقت صحیح کیفیت دریافت
کرنے کے لیے ایک ہوشیار دستدار کی ضرورت تھی۔ شاہنشاہ کی نظر مردم
شناس نے میر شہاب الدین خاں کو انتخاب کیا۔ شہاب الدین خاں
اگرچہ پہاڑی علاقوں سے بالکل ناواقف تھے۔ مگر آپ کی فطری سپاہیانہ
کے علاوہ شاہنشاہ کے انتخاب کی تعریف کرنی چاہیے کہ آپ نے دو دن کے
قلیل عرصہ میں تمام حالات کی صحیح اطلاع ہم پہنچائی۔ اور شاہنشاہ کی خدمت
میں من و عن کیفیت عرض کر دی۔ شاہنشاہ اس کار نمایاں سے بہت مسرور
ہوا۔ اور شہاب الدین خاں کے خطاب کے ساتھ قیل و ترکش
بھی مرحمت فرمایا۔

دوسرا خطاب | ہونہار بردار کے چکنے چکنے پات۔ اس واقعہ کے
تین سال بعد میر شہاب الدین خاں کو ایک اور کار نمایاں دکھانے کا

موقع ہات آیا۔ ۹۲۰ھ تک بھری میں شاہزادہ محمد اکبر نے باپ سے بغاوت کی۔ زمانہ حال کی ضابطہ پسندی نے آگے یہ اس قسم کی بغاوتوں کا بہت کچھ استدعا کر دیا ہے۔ پھر بھی سننے رہتے ہیں کہ کبھی کسی صوبہ کی رعایا نے بغاوت کر دی۔ کبھی کسی پارٹی نے سازش پھیلائی۔ کبھی نصیبت و جمہوریت کے جھگڑے پیش آئے۔ کبھی حقوق طلبی پر کشت و خون ہو گیا وہ زمانہ آج کل کے مقابلہ میں ڈارک ایج (ازمنہ مظلمہ) کہا جاسکتا ہے۔ اور اس زمانہ میں اس قسم کی بغاوتیں معمولی باتیں تھیں۔

الفرض شاہزادہ محمد اکبر نے بغاوت کی اور جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ہے آپ کے بھائی میر حامد خاں نے باغی شاہزادہ کا ساتھ دیا۔ شاہنشاہ نے شاہزادہ کی ہوائیں و تالیفِ قلب کے لیے میر شہاب الدین خاں کو سفیر بنا کے بھیجا۔ آپ نے اپنے حسن تدبیر و لطفِ قابلیت سے شاہزادہ کی ایسی تہنیت کی کہ وہ اپنے نفرت انگیز منصوبہ سے باز آگیا۔ شہاب الدین خاں نے اپنے بھائی کو بھی شاہزادہ سے الگ کر کے بادشاہ کی خدمت میں پہنچایا۔ شاہنشاہ اس نمایاں ترین کارنامہ پر بے انتہا خوش ہوا اور آپ کے پہلے خطاب پر غازی الدین خاں بہادر کا اضافہ فرمایا۔

دوسرے ہی سال ۹۲۱ھ ہجری میں آپ سے ایک اور تہنیم بالشان کام ظہور میں آیا۔

میرا خطاب مع علم و نقارہ۔

نامی ایک شریر باغی راہروی کے قلعہ میں پناہ گزیں تھا۔ اور اعیانِ دولت تنگ گرد نارہتا تھا۔ شہاب الدین خاں۔ غازی الدین خاں بہادر اسکی سرکوبی کو روانہ کیے گئے۔ آپ نے وہاں جاکے قلعہ کو آگ لگا دی اور باغیوں پر فتح نمایاں حاصل کی۔ اس گرانمایہ خدمت کے صلہ میں آپ کو تیسرا خطاب "فرزد جنگ" عطا ہوا۔ اور علم و نقارہ سے بھی سرفراز فرمائے گئے۔

فتح بیجا پور و خطاب فرزندِ احمد بے ریو رنگ۔ اس کے

دوسرے سال ۱۸۸۷ء میں شانشن شاہ نے سچا پور فتح کرنے کیلئے شاہزادہ کی سرکردگی میں فوج روانہ کی اور فیروز جنگ بہادر کو بھی شاہزادہ کے اٹھان میں مشغول فرمایا۔ اس مہم میں غنیم نے کچھ ایسی چالاکی و چابکدستی سے کام لیا کہ فوج شاہی کو چاروں طرف سے محصور کر لیا۔ جس سے رسد بالکل بند ہو گئی۔ روز بروز سپاہیوں پر میدان تنگ ہونے لگا۔ رسد نہ آنے سے فادکشی کی نوبت آگئی۔ فوج میں بڑی پھیل گئی۔ اس فشار دے اٹلناتی کی کیفیت کچھ کچھ اس واقعہ سے ظاہر ہو گئی کہ شاہزادہ کی پیاری اور چاہتی بیوی ”جانی بیگم“ غنیم اور لڑائی اس قدر تنگ ہو گئی تھی کہ خود بھی مارنے مرنے پر آمادہ ہو گئی۔ اور کمال ہردلی سہماتی پر سوار ہو کر یڈ نہیں آتی تھی اور مخالفین پر تیر چلا چلا کے دل ٹھنڈا کرتی اور سپاہیوں کے جو صلب پڑھاتی تھی۔

اقوام عالم میں اگرچہ مسلمان تو ہیں بہادر ترین مانی جاتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مسلمان عورتوں کو بھی عنوان عالم میں سب سے زیادہ بہادر سمجھنا چاہیے۔ مذہبی لڑائیوں میں مسلمان عورتوں کی شرکت زبانِ زور وایت ہے۔ صلیبی لڑائیوں میں بھی مسلمان عورتوں کا حصہ لینا مشہور ہے۔ افغانستان، پاکستان اور عرب و افریقہ وغیرہ کی عورتوں کی جنگجوئی اور جرات بہادری دنیا کو حیرت میں ڈالتی رہی ہے اس لئے گزشتہ زمانہ میں بھی اطلس کی عرب عورتوں نے ملعون اٹلی کی بے رحم و خونخوار فوجوں کے مقابلہ میں جو پامردی و دلادری دکھائی ہے۔ اس کی فطرتیورپ و امریکہ اپنی عمر تک بھی نہیں پیدا کر سکیگا۔ مسلمان عورتوں کی یہ بہادری و جاں بازی صرف اودن کی قوتِ ایمانیہ کا پر تو ہے اور کچھ نہیں کیونکہ انہیں خوب یقین ہے کہ کفار کے ہاتھوں بہادرانہ موت کا پیا ایتے ہی شہادت کی چھوٹوں کی قیامت تک سرسبز و شاداب رہنے والی چادر انھیں ڈھانڈی جائیگی۔ اور اسکے بعد جنت الفردوس میں اپنے بچوں اور شوہروں کے ساتھ ابد الابد تک لطف و عیش کے میوے کھاتی رہیں گی۔ دوسری عورت

کیونکہ دنیا ہی دنیا کو بتدائے زندگی اور منتہائے عیش و نشاط سمجھتی ہے اس لیے ممکن نہیں کہ قیامت تک خواب و خیال میں بھی کبھی وہ مردوں کے مقابلہ میں تیار اٹھانے کی جرات کر سکیں اور اپنی بہادر کا ثبوت دے سکیں۔ گمراہ و خرابی خواہ یورپ اپنی کلدار توپوں، جنگی جہازوں، اور چوہا غباروں کے برستے پر انصاف و حق پڑو ہی کو بھونکے ہماری ہستی کو دنیا سے الگ کر دے۔ لیکن اُس کو خوب یاد رکھنا چاہیے کہ جب تک ہم میں قوتِ ایمان نہ ہو جو ہے۔ اور ہماری عورتیں تک لڑائیوں میں حصہ لیتی ہیں۔ ممکن نہیں کہ نو لاکھ اسلام کا سچائی دکھانے والا چراغ بجھ سکے اور دنیا میں کفر و ضلالت کا اندھیر چھا جائے۔!

ہم بیجا پور کی اس سرسنگی و بے یارگی کے عالم میں فیر و جنگ بیاہر نے ایسی بہادرانہ و جانبازانہ خدمتیں انجام دیں کہ فوج کا اکھڑا ہوا دم بندھ گیا۔ اور بگڑا ہوا کام بن گیا۔ اور اوس کے بعد لڑائی کا نقشہ ہی بدل گیا۔

فیر و جنگ بیاہر نے اپنی تدبیر و مردانگی کو کام میں لا کر بیجا پور سے ساز باز پیدا کیا۔ اور اُن کے ذریعہ سے رسد کی عظیم مقدار ہم بیجا پور کی آگے علاوہ ایک اور کام یہ کیا کہ انھیں دفنوں غنیم کے لیے ایک باغی پیرا نیا ایک نے چھ ہزار فوج پیادہ کی حفاظت میں بیجا پور کو رسد روانہ کی تھی۔ فیر و جنگ بیاہر نے موقع پا کر ایک منتخب دستہ فوج کے ساتھ اس لشکر پر ایسا چھاپہ مارا کہ دشمن کے ہوش اڑ گئے۔ ہر خیز اس کی تعداد زیادہ تھی لیکن۔ آپ نے بے تحاشا اُن کی صفوں میں گھوڑا ڈال دیا۔ اور اُن کی آن میں دم برہم کر دیا ایک سخت مقابلہ کے بعد دشمن کے ہاتھ کھڑ گئے۔ اور اسکو جان بچا کر بھاگنا پڑا۔

اس رسد کے ملنے سے فوج کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ اور شاہزادوں
نے مسرت و شادمانی کے عالم میں آپ کو سینہ سے لپٹا لیا۔ اور دیر تک آپ کے
تذکرہ و تہوار کی تعریف کرتا رہا۔

اس جانبازی کی خبر دربار شاہنشاہی تک پہنچی۔ تو اورنگ زیب
کی زبان سے بے اختیار یہ دعا نکل گئی۔ ”آج خدا نے فیروز جنگ
کی بدولت اولادِ تیموریہ کی شرم رکھ لی۔ اسی طرح قیامت آؤس بھی اولاد کی
شرم نہ سکھے۔“

عالمِ بآپا کیما زو عدلی گستر شاہنشاہ کی اسی دعا کا نتیجہ ہے کہ آج تک
فیروز جنگ بہادر کی اولاد نہایت اغراز و احترام کے ساتھ سوا
گرد مرگیا دکن کی فرمانروائی کر رہی ہے۔ اور اللہ قادر و توانا کی حمایتوں
سے امید ہے کہ قیامت تک اسی طرح حکومت کرتی رہے گی۔

یارب این زرد کوں چرخوں است یارب این زرد کوں چرخوں است
فیروز جنگ بہادر کے ان خدماتِ جلیلہ کے معاوضہ میں شاہنشاہ
نے ان کے خطاباتِ سابقہ ”فرزند ارجمند بے ریلو رنگ“ کے لقب
کا اضافہ کیا۔ اور پنج بجا پور کا سہرا سجدی آپ ہی کے سر باندھا۔

غور کرو۔ گزشتہ زمانہ میں خطابات و القاب کیسی قیمتی چیز تھے۔ اور ان کے
حاصل کرنے کے لیے کیا کیا جانبازیاں اور جانفشانیاں کرنی پڑتی تھیں۔ پھر
کے زمانہ میں جاگیرات، مناصب، عہدے، خطابات، یہ سب چیزیں کٹھن
و کارگزاری کا مترادف تھیں۔ اور محض پدرم سلطان بود کے اصول پر نہیں
عطا کر دی جاتی تھیں۔ آج زمانہ کارنگ ایسا بدلا ہے کہ اگر باپ جنگ
دولہ یا ملک کا خطاب رکھتا تھا تو بیٹا بھی میراثِ پدر کی طرح ان خطابات
کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ اور باپ کو کوئی عہدہ یا منصب تھا تو بیٹا بھی اسی
عہدہ یا منصب پر فائز ہونا چاہتا ہے۔ لیکن اس سے کوئی بحث نہیں کی جاتی۔

کہ استحقاق کے لیے کارگزاری و اہلیت بھی کوئی چیز ہے یا نہیں۔ اور بیل کی جگہ بھیڑ اور بھیڑ کی جگہ بھیڑ یا تو نہیں سمجھانے لگے۔ !!

تسلیج اور دیگر | اس واقعہ کے دوسرے سال **عشتمین فیروز جنگ بہار** نے ابراہیم گرگھ عرف اور دیگر کے قلعہ کو فتح کیا۔ اور

منصب ہفت ہزاری | اس کے دوسرے سال **ہجرت کو لکندہ** میں **وہ ہفت ہزار سوار** (جہاں آپ کے نامور والد خواجہ عابد خان قلعہ کام آئے۔ اور جس کا تذکرہ اوپر کر چکا ہے) کا رہے دست بستہ بجالا کے **منصب ہفت ہزاری** و ہفت ہزار سوار سے سرفراز ہوئے۔

فتح ادھونی | **عشتمین قلعہ ادھونی** کو جو راجپوت کے قلعہ میں واقع ہے عادل شاہی کو کتر سدی سعود سے چھین لیا اور اسی سال سنتا کی سرکوبی پر تین ہزار گئے۔ **سنتا بڑا شریہ باغی تھا۔** **شاہنشاہ اُس کے ہاتوں تنگ آگیا تھا اور اُسکو جتنا شیطاں کہا کرتا تھا۔** **شاہنشاہ کے خاص الفاظ جو عہدہ الملک اسد خاں مدار الہام وقت کے موسمہ رقعہ میں درج ہیں حسب ذیل ہیں:-**

وہا فکر سنتا شیطاں جتنا۔ ضرور۔ بخان فیروز جنگ ہلے سزا کے آن ہنراؤ پر بنوید یعنی مدار الہام بنوید) **کیش از دست برد۔ دست جبار کش بند** **عمر و آخر میں مبارک بندہ ایست**۔۔۔۔۔

غالباً سنتا کوئی ورثہ سردار تھا۔ اس کی تادیب کے لیے **فیروز جنگ بہار** روانہ ہوئے۔ لیکن دہا کی آب و ہوا نے آپ کی بصارت پر برا اثر کیا حضور کی دربار سے شش کیے گئے۔ پھر بھی آپ کی کشور کشائی کے جوہر نماندہ ہونے پائے اور آپ بدستور سابق فوج کشی کرتے رہے۔

فیروز جنگ بہار نے **سنتا پرہاں تک میدان تنگ کیا کہلا** **عشتمین** اس کا سر کاٹ کر **شاہنشاہ کی حضور میں روانہ کیا۔** **افد مور و تحین و آنہر ہوئے۔**

تسخیر اسلام پور | اسلام بھری میں اسلام پور عرف دیو گڑھ کو فتح کر کے
سلطنت مغلیہ میں شامل کیا۔

خطاب قلعہ خاں | اسلام بھری میں شاہنشاہ اورنگ زیب نے

فرط عنایت سے ایک ایک انگوٹھی عطا فرمائی جس پر ”قلعہ خاں“ کندہ تھا۔

اسلام بھری تک آپ صوبہ بہار کے گورنر رہے۔ ایلچ پور آپ کا بیٹا کوہاڑ

تھا۔ اسی سال شاہنشاہ اورنگ زیب کی وفات واقع ہوئی۔ اس بادشاہ

کی ملازمت و وفات میں آپ نے کامل چالیس سال نہایت کامیابی سے بسر کیے

اورنگ زیب کی جو جو ہمراہیاں اور عنایتیں آپ کے حال پر مبدول

تھیں وہ ان رفعات سے معلوم ہونگی جو شاہنشاہ نے ان کو لکھے تھے۔

دوسری خواہم کہ برائے آن دولت خواہ خود بیایم۔ اما بچہ امر و کہ ام نظر

شاہد احمد۔ لہذا سیاست خاں را۔ نیاتاً فرستادیم۔ تا بچہ پلین۔ و اظہار

مانی الصبر کن۔ از مہدہ ہا۔ بہ نورس انچہ صبر سید۔ اما لکھا

یونانی برائے آن عہدہ مخلصان فراجاں مفری گویند۔ لہذا ماہم بر خود

ناگوار کردیم۔ انشا اللہ تعالیٰ بعد صحت کامل و شفائے عاجل یکجا حرم

سہ یارب این آرزو سے من چہ خوش است۔ تو بدین آرزو مرا ہر ساں۔

و دیگر۔ ”خان فیروز جنگ یک رنگ من۔ تفریق فوج لا علاج است

فدوی را وہ راز و در حضور کرامت گنجور بفرستد غالباً نواب نظام الملک

آصف جاہ مرحوم کی طرف ایسا ہے کہ ان کو دربار شاہی میں روانہ کیا جائے

کہ بانعامات و ادوارات امتیاز یافتہ باریش آں دولت خواہ خواہ رسید

ہاں مشو نوید چون واقف نہ از اسرار غیب۔ باشند اندر پردہ۔ باز بہا پنہاں غم

و دیگر۔ ”خان فیروز جنگ یک رنگ من۔ المحمل اللہ دوری قلبی نیست

سہ گردی منی و با منی پیش منی۔ و پیش منی و بے منی دیر منی۔

از احوال شہزادی اکثر الملاحی را وہ باشند تا کہ مواصلت صورتی است

ایک کالی نویس کی ضرورت ہے۔ تا کہ اس کا تصدیق بادشاہ فرمادے

شاعت کو وسیع کے قابل نہ سمجھیں تو نہ سمجھیں۔ کم سے کم اس خیال سے ہی کہ ان کا یہ خادم ہے
 غریب و محتاج ان کی خدمت گزاری کے لیے تیار رہتا ہے۔ اور صحیفہ کے چلانے میں بڑا ہوا
 شتواریوں کے ہا و صفہ مالی نقصان بھی انگیز کرتا ہے۔ اگر ایک ایک دو دو وغیرہ
 پیدا کر دیں۔ تو تعداد ناظرین کی وہ کمی پوری ہو جائیگی۔ جو اس وقفہ شاعت کا
 نتیجہ ہوگی۔ اور جو اگر بھلوت رفع نہ ہوگی۔ تو میرے لیے ایک تازہ مصیبت ثابت
 ہوگی۔

یہ نہیں اگرچہ دو ماہ سے ہے۔ اور اس وجہ سے اس کا حجم سو صفحے کا ہونا چاہیے تھا
 لیکن چونکہ خاص کر پڑھنے اور اس کے تمام مضامین ایک ہی عنوان کے ہیں اس لیے حجم کی
 تعریف قابل لحاظ نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ دوسرے مضامین کے اتنا ہی سے خاص
 ہر کی خصوصیت باقی نہ رہتی تھی۔

جن خریداروں کے ذمہ اس کا چندہ نا حال واجب الادا ہے ان کی خدمت
 خصوصاً اور باقی اصحاب کی جناب میں عموماً التماس ہے کہ اپنا اپنا چندہ ارسال
 بہت فرما کے اس وقت خاص شکریہ کا موقع عطا فرمائیں گے۔ اور رسالہ کی ایک سالہ
 اشعار کی کو اپنے لیے نظیر نہ قرار دینگے نقطہ

صحیفہ اور ناظرین کا خادم
 محمد اکبر علی



ششترن جرایم متعلقہ شہم

اول دھندلی یا خفیف روڈنی میں مطالعہ کرنا دوسرے ہوئے یا جھکے ہوئے مطالعہ کرنا جسکی وجہ سے اعصاب پر بار پڑتا ہے اور شکل متوالی سے نظر آتی ہے سوم چلتے یا چمکے ہوئے، غائی گاڑی یا چار میں مطالعہ کرنا چارم طلباء جبکہ دروس مضمن بصارت شب پر اوپر تک نہ پڑھ سکن سویر کی روشنائی نہ دیکھ سکتا سوزش پلک سوزش و آتش یا کچھ یا خارش وغیرہ کی شکایت کریں، ان کے لئے عینک کا بیہیم نہ پہنچانا اور اونکی آنکھ نہ زیا بار پڑنے سے اعصاب کی اصلی طاقت بچا بچانے سے متفرق ہونا ہر جا جگہ ہے اور ان کو قوم الذیل اور اہل پنا پنچہ ترجیحی نظر کثرت بخوابی و در دس سو سے باضمہ بے اختیار دیکھنا آنکھ کے گرد سیاہ حلقہ خیال نہ جاسکتا بھول آوارہ پن آزاد سی دیو ترقی لاحق کرتا ہے جیسا کہ دارالعلوم فن بصارت انگلستان دارمیک سے ثابت کیا گیا ہے پنچم ہر ایک آنکھ کے اندر علیہ تر آبی یا قہ و شہابیہ مالک کے قوانین مطالعہ کی روایت سے یاد یافتہ مامران فن بصارت معاینہ کرانے بغیر عینک کا استعمال کرنا ششم دوسرے بچے بنائ ہو کر عینک ان معنوعی حکیموں سے گھڑی سازوں اور ہاکروں سے خرید کے استعمال کرنا جو اس علم سے واقف ہیں کر کے کہتے ہیں مگر جبکہ ان فن بصارت کا علم نہایت افضل گنج ہے جھکا ہائے والوں کے زیادہ نہیں ہر دستہ ہمیشہ خوب دین عینک ساتھ دست نہیں لیتے دسے ساتیوں کے بغیر لیا دھوری و مصاحبی محور و دگر جبکہ اینچہ آنکھ پر بوجھ ڈالنے کا جوتا ہے دیتے ہیں جو پردہ اور آنکھ کی دوسری بیماریاں پیدا کر دیتے ہیں اینچہ آنکھ کے خلاف مجرم چری میں اس کا انتقام نہیں دینا ہوگا اور نہ کہ قیامت میں توحہ حکیم و سرچن فن بصارت

بارڈی اسینڈ کمپنی سکندریہ

